سوزِ کربلا

جلد دوم

اسیری اہلِ حرم سے قافلہ کی مدینہ واپسی تک
اور
ائمہ معصومینؑ کی شہادتوں کے مرثیوں پر مشتمل

ترتیب وانتخاب

سید حسین عباس زیدی

علمدار جعفری بک ڈپو اینڈ قمر نگینہ سینٹر

شاپ نمبر 23-22، مین گیٹ امام بارگاہ شہدائے کربلا سادات سوسائٹی فیڈرل بی ایریا بلاک 20 کراچی۔

Ph: 021-36804345 E-mail: Alamdar.jafri@outlook.com

تاریخ وار مرثیوں کا مجموعہ

میر انیس و دبیر و دیگر شعرائے کرام کے معرکتہ الآرا مرثیوں کا انتخاب

سوزِ کربلا

جلد دوم

اسیری اہلِ حرم سے قافلہ کی مدینہ واپسی تک اور
دیگر تمام آئمہ طاہرین کی شہادت کے مرثیوں پر مشتمل ہے

مرتبہ

سید حسین عباس زیدی

ناشر

احمد بک ڈپو
پھاٹک امام بارگاہ شاہِ کربلا
رضویہ سوسائٹی ناظم آباد، کراچی

علمدار جعفری بک ڈپو اینڈ قمر نگینہ سینٹر

شاپ نمبر 23-22، مین گیٹ امام بارگاہ شہدائے کربلا سادات سوسائٹی فیڈرل بی ایریا بلاک 20 کراچی۔

Ph: 021-36804345 E-mail: Alamdar.jafri@outlook.com

نام کتاب .... سوزِ کربلا

جلد .... دوم

مرتبہ .... سید حسین عباس زیدی

طبعِ اوّل .... ستمبر ۱۹۸۲ء

طبعِ دوم .... ستمبر ۲۰۰۶ء

طبعِ سوم .... دسمبر ۲۰۱۰ء

تعداد ۱۰۰۰

طابع .... سید غلام اکبر

{ ناشر }

احمد بک ڈپو

پھاٹک امام بارگاہ شاہِ کربلا، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی

کردہ ام ایں نذر مولائے نجف

گر قبول افتد زہے عز و شرف

تاریخ اسلام میں ظلم و تشدد کے ہزاروں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جہاں مظلوم پر ظلم کی انتہا کر دی گئی تھی مگر ان سب واقعات میں "واقعہ کربلا" ایسا واقعہ ہے کہ جس میں ظالم نے مظلوم پر صرف ظلم ہی کی انتہا نہیں کی تھی بلکہ ایسے مظالم کیے جس کی مثال اس سے قبل کہیں نہیں ملتی یہ ایسے مظالم تھے جس پر زمین و آسمان لرز اٹھے اور تاریخ انسانیت سکتے میں آگئی یہ وہ مظالم ہیں جن کو لکھنے کی قلم میں ہمت نہیں اور وہ الفاظ نہیں کہ جن میں ان کو بیان کیا جائے مگر جتنی ہم میں قوت برداشت ہے اور جتنی قوتِ گویائی ہمارا ساتھ دیتی ہے۔ ہم اہلبیتؑ علیہا پر ہونے والے مظالم کو اسی قدر بیان کرتے ہیں حالانکہ میدان کربلا میں اور واقعہ کربلا کے بعد اور تمام اہلبیتؑ اطہار پر اتنے مظالم ہوئے کہ جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم انہی مظلوموں کی یاد میں فرش عزا بچھاتے ہیں اور ان کا ذکر کرتے ہیں جو کہ ہماری زندگی کا مقصد ہے۔

یوں تو ذکر اہلبیت ہم ہر طرح سے کرتے ہیں مگر جو اثر اور جذباتیت کی عکاسی مرثیے میں پائی جاتی ہے وہ نثر میں نہیں ہے مرثیے کا ہر ہر شعر انسان کی روح کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ سوز خوانی ذکر حسین اور مصائب اہلبیت کے بیان کا موثر ذریعہ ہے اور یہ مجلسوں کی جان بھی ہے سوز خوانی کے لیے مرثیوں کی ان گنت کتابیں موجود ہیں لیکن تاریخ وار مختصر مرثیوں کی کتابیں نہ ہونے کے برابر ہیں مومنین و مومنات کی آسانی کے لیے ہم نے میر انیس، مرزا دبیر،

شعراء کرام کے مرثیوں کو تاریخ وار اور مختصر کر کے کتاب کی شکل میں جمع کیا اور اس کا نام "سوز کربلا" رکھا۔ کتاب کافی ضخیم ہو گئی تھی اس لیے اس کو دو حصوں میں کرنا پڑا حصہ اوّل سال گذشتہ شائع ہو چکا ہے اور حصہ دوم اب پیش کیا جا رہا ہے اس کتاب کی تکمیل میں استادِ محترم جناب پروفیسر نعیم تقوی صاحب اور برادرم ہلال نقوی صاحب نے میری ہر ممکن مدد کی اور گرانقدر مشوروں سے نوازا جن کا میں تہ دل سے شکر گذار ہوں

میں اس کتاب کی تکمیل کو اپنے لیے باعثِ سعادت و رحمت سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کتاب کو تکمیل تک پہنچانے کا شرف عطا کیا۔

آخر میں بارگاہ رب العزت میں دست بہ دعا ہوں

یارب!

غم کوئی نہ دے ہم کو سوائے غمِ شبیرؑ
شبیرؑ کا غم بانٹ رہا ہے تو ادھر دے

خادم اہلبیتؑ

سید حسین عباس زیدی
چیف آرگنائزر
ادارہ منداۓ جعفریہ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از قلم: جناب پروفیسر سید محمد نعیم حیدر نقوی صاحب

عزیزم سید حسین عباس زیدی سلمۂ اللہ تعالیٰ نے "سوزِ کربلا" جلد اوّل میں کاروانِ دینِ خدا کی روانگیٔ مدینہ سے شامِ غریباں تک تاریخ وار مرثیوں کا بے بہا انتخاب پیش کیا تھا۔ مذکورہ کتاب کی شدت سے ضرورت تھی اس لیے نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرونِ ملک بھی بے حد مقبول ہوئی۔ اب "سوزِ کربلا" جلد دوم ہدیۂ قارئین ہے۔ اس میں بھی وہی اہتمام والتزام رکھا گیا ہے۔

اسیریٔ اہلبیت اطہار سے مدینۂ منورہ واپس ہونے تک جو واقعات رونما ہوئے اور کاروانِ حسینی نے حق کی سربلندی کے لیے جن شدائد و مصائب کا بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوئے انسانیت کو درسِ عظیم دیا اس سے متعلق بھی مرثیوں کا انتخاب اس کتاب میں شامل ہے۔ مزید یہ کہ شہادتِ امام حسن عسکری علیہ السّلام تک مرثیوں کا تسلسل برقرار رکھا گیا ہے اس طرح اس کتاب کو ایک معیاری دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ "سوزِ کربلا" کی جامعیت اور افادیت کے پیش نظر بلا تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک بیش بہا تدوین ہے جس سے اہلِ اسلام زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکتے ہیں اور مثاب ہو سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ سید حسین عباس زیدی سلمۂ نے جس عمیق جذبے اور گہری دلچسپی سے اس کتاب کی تدوین کی ہے وہ اس سلسلے میں لائقِ صد ستائش ہیں اور نوجوانوں کے لیے ان کا

دلی انہماک لائق تقلید ہے۔ خداوند بزرگ و برتر ان کے نیک عزائم میں مزید توفیقات عطا فرمائے۔

خادم اہلبیت مصطفوی
سید محمد نعیم حیدر تقوی
۶ ستمبر ۱۹۸۲ء

مرثیہ نمبر ۱

اسیریِ اہلِحرم

رن میں جب بانوئے بیکس کی سواری آئی
لاش اکبرؑ پہ یہ کرتی ہوئی زاری آئی
اٹھو مرے لعل یہ مشتاق تمہاری آئی
دیکھو کس شان سے ہے ماں یہ تمہاری آئی

نہ تو ہودج ہے نہ محمل نہ عماری بیٹا
سر کھلے بلوہ میں ہے ماں کی سواری بیٹا

تم کو اٹھارہ برس پالا تھا کر کے محنت
صدقے کی تم پہ سے کل میں نے جہاں کی دولت
جی میں کہتی تھی بڑی دی ہے خدا نے دولت
کام آئے گا مرے ہوگا جو وقت آفت

آئی آفت تو گلا اپنا کٹا یا تم نے
خود تو آفت سے چھٹے ماں کو پھنسایا تم نے

اس مصیبت میں کہو ماں کدھر کو جائے
تم سا بیٹا کہو دنیا میں کہاں سے پائے
صورت احمدی کس طرح نظر پھر آئے
فاطمہ صغراؑ کو کیا جا کے یہ منہ دکھلائے

عالمِ فانی سے منہ اپنا تو موڑا بیٹا
دشت غربت میں اکیلا مجھے چھوڑا بیٹا

رانڈ ماں ہو گئی تسکین مجھے دو اُٹھ کر — سر پہ چادر نہیں کچھ مجھ کو اڑھاؤ آکر
ہائے اس وقت مرے پاس تو آؤ دلبر — قید میں جاتی ہوں مادر کو چھوڑا ؤ اکبرؑ
آگئی کشتی مری ظلم کے طوفاں کے بیچ
سر کٹائے ہوئے سوتے ہو بیاباں کے بیچ

تم تو کہتے تھے مدینہ کی طرف جاؤں گا — فاطمہ صغرا بہن اپنی کو لے آؤں گا
وعدہ میں نے جو کیا ہے وہ بجا لاؤں گا — رو مت اماں تمہیں صغرا سے ملواؤں گا
خوب صغراؔ کو ملایا مرے جانی مجھ سے
ہو گئے آپ جدا احمدؐ ثانی مجھ سے

کس سے دکھ اپنا کہوں جاؤں کہاں فریادی — کس سے جا کر کہوں دل اپنے کی میں ناشادی
کاش قاسم کی طرح تیری بھی کرتی شادی — وہ بھو رانڈ تو پاس ہوتی دم بربادی
میری حسرت نہ کوئی دل کی بر آنے پائی
تم کو اک دم کو بھی دولہا نہ بنانے پائی

تم کو پیدا کیا تھا تیغ ستمگر کے لئے — یہ گلا خلق ہوا ظلم کے خنجر کے لئے
ہائے یہ جور رہو ہمشکل پیمبر کے لئے — میں تو روؤں گی صدا تجھ علی اکبر کے لئے
لاش اس بن میں تیری میں نہیں گڑواؤں گی
روضہ پہ صاحب لولاک کے لے جاؤں گی

رن میں اعدا نے اسے کر کے نراسا ہے ہے
رکھ دیا حلق پہ خنجر کا جو واسا ہے ہے
مر گیا لال جو یہ بھو کا پیاسا ہے ہے
پوتا حیدر کا ہے احمد کا نواسا ہے ہے

میں ستم دیدہ بہو زہراؑ کی کہلاتی ہوں
جس کا ہم شکل ہے پاس اس کیلئے جاتی ہوں

بین یہ کرتی مدینہ جو میں پہنچوں اس جا
عرض یہ جد سے تمہارے میں کروں گی دکھیا
یا نبیؐ دیکھو یہ ہمشکل تمہارا ہے گا
چھاتی پہ برچھی لگی حلق پہ خنجر بھی چلا

ایک قطرہ نہ ملا پیاس میں پانی اس کو
کلمہ گو سمجھے یہ بس احمد ثانی اس کو

بانوؑ کرتی تھیں کھڑی لاشہ اکبرؑ پہ یہ بین
بیٹی زہراؑ کے گلے کرتی یہ باشیون وشین
میں بھی چلتی ہوں وطن کاندھے پہ رکھ لاش حسینؑ
رو دیں گے دونوں وہاں آنسوؤں سے بھر کر نین

کیسے تم قتل ہوا احمد ثانی افسوس
میں پکاروں گی ہو زہراؑ کا جانی افسوس

شاہ کی بہنا یہ تھی کر رہی داد اور فریاد
بولی مادر قاسمؑ یہ بحال ناشاد
میں بھی جاؤں گی لئے بیٹے کو کرتی فریاد
سائیں سے اپنے کہوں گی اے شہ عالی نژاد

سر کو قاسمؑ کے ستمگر نے اتارا ہے ہے
تیرے فرزند کو دن بیاہ کے مارا ہے ہے

ہائے پھر رے کے ہو رانڈاؤں میں خستہ تن
کہو گی دیکھو یہ ہے آپ کے قاسم کی دلہن
تین دن شادی کے ہو گئی یہ بیچاری سوگن
بھوکا پیاسا رہا دولہا یہ بڑا دکھ ہے کٹھن

بیاہ کے ہوتے دلہن پر یہ مصیبت آئی
پہلے تو رانڈ ہوئی پیچھے قیامت آئی

سن کے یہ بولی سکینہؑ کہ چلوں گی میں ساتھ
بیٹی روتی وطن جاؤں گی اپنے بہات
روضہ پر دادا کے جا کر یہ کروں گی کچھ بات
لاش اصغر کی میں رے لوں گی لٹھا اپنے ہاتھ

چھاتی اصغر کو لگا رو رو کے چلاؤں گی
اپنا کان اور گلا اُن کو میں دکھلاؤں گی

کہوں گی کیا ہے یہ امت نے تعدی ہم پر
کان زخمی کئے اور چھین لئے ہیں گوہر
چھید ا یہ کان ستم سے یہ گلو ہے اصغرؑ
نہ کیا خوف خدا اور نہ محمدؐ کا ڈر

فاطمہؑ دادی جو اس حال کو سن پائے گی
گور سے نکلے گی سر پیٹ کے چلائے گی

یہ وہ کہتی تھی کہ عباسؑ کی زوجہ ناچار
بولی اے لوگو کہو کیا کروں میں سینہ فگار
میرے خاوند کے یہاں ٹکڑے بدن کے ہیں ہزار
کس طرح لے کے چلوں سب کو اٹھا کر ایکبار

ہاں مگر جی میں یہ ہے خون سے منہ بھر لیجئے
ہاتھوں پر دونوں کٹے ہاتھ اٹھا دھر لیجئے

مرثیہ نمبر ۲

اسیری اہلحرم

جب طوق و سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ — خم مثل ہلال شب اول ہوئے عابدؑ
اس شکل سے راہی سوئے مقتل ہوئے عابد — اعدا تو چڑھے گھوڑوں پہ پیدل ہوئے عابدؑ
رانڈوں میں تو محبوسی سجادؑ کا غل تھا
ہر گام پہ زنجیروں کی فریاد کا غل تھا

بیدینوں میں تھی تہنیت فتح کی اک دھوم — رانڈوں میں تھا شور کہ ہے ہے شہ مظلوم
اور شرم سے نیوڑھائے تھے سر عابدؑ معصوم — بیمار کو آنکھوں سے نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اک ہاتھ میں زنجیر بصد رنج و محن تھی
اک ہاتھ میں ماں بہنوں کے اونٹوں کی رسن تھی

تلوار لئے چار طرف ظلم کے بانی — حلقہ میں دل آزروں کے وہ یوسف ثانی
غربت کا الم بے پدری تشنہ دہانی — وہ طوق کا لنگر وہ سلاسل وہ گرانی
مڑ کر کبھی زینبؑ کے رخ پاک کو دیکھا
بیڑی کبھی دیکھی کبھی افلاک کو دیکھا

کیا کیا نہ ستم اہلِ شقاوت نے دکھائے
بیمار نے جز شکر خدا لب نہ ہلائے
جب طوق و سلاسل کو عدو سامنے لائے
کس صبر سے نیوڑھا دیا سر پاؤں بڑھائے

تھی فکر گنہگاروں کی اس رنج و محن میں
بندھوا دیئے امت کے لئے ہاتھ رسن میں

تھا صاحبِ اعجاز کو ہر طرح کا مقدور
ہونٹوں کے ہلانے میں فنا ہوتے وہ مقہور
تھی نارِ سے آزادیٔ امت انہیں منظور
دانستہ ہوئے قید بیکس تھے نہ مجبور

زنجیر سے ہر گام پہ لغزش ہوئی پا کو
چھوڑا نہ مگر سلسلۂ صبر و رضا کو

پھوپھیاں سر ناقہ نظر آتی تھیں کھلے سر
ہاتھوں سے چھپائے ہوئے منہ روتی تھی مادر
بے پردہ تھی اک رات کی بیاہی ہوئی خواہر
بچیاں تھیں اس انبوہ میں بے مقنع و چادر

ناموسِ محمدؐ پہ تو یہ ظلم اور ستم تھا
اور سامنے سر باپ کا نیزہ پہ علم تھا

فریاد تھی رانڈوں میں کہ اے قافلہ سالار
منہ کا ہے سے ڈھانپیں حرم حیدرِ کرار
کس درد سے فرماتے تھے سجاد دل افگار
صابر رہو شاکر رہو جو مرضیٔ غفار

چھننے کا رداؤں کے عبث رنج و الم ہے
کیا چادرِ تطہیر کا پردہ تمہیں کم ہے

موئے سر پرنور سے چہروں کو چھپا لو ۔ شکوے کی کوئی بات زباں سے نہ نکالو
لازم ہے تمہیں صبر کلیجہ کو سنبھالو ۔ غربت میں اسیری کی بھی تکلیف اٹھالو
چادر نہیں سر پر تو صبر کیا ہے تمہارا
پردہ رہے امت کا یہ پردہ ہے تمہارا

گو آج نہیں محمل و ہودج کی سواری ۔ کل دے گا تمہیں ناقہ نور ایزد باری
موقوف رداؤں پہ نہیں شان تمہاری ۔ تم نور خدا ہو تمہیں کیا دیکھیں گے ناری
عریانی سے تم لوگوں کی عزت نہیں جاتی
پوشش جو نہ ہو کعبہ کی حرمت نہیں جاتی

یہ کہتے تھے جو قتل کا میداں نظر آیا ۔ کاٹا ہوا زہرا کا گلستاں نظر آیا
دیکھا جسے وہ خاک پہ غلطاں نظر آیا ۔ سوتے ہوئے شیروں کا نیستاں نظر آیا
روتے ہیں تو نثار پسر شاہ نجف ہیں
پیاسوں کی کٹی گردنیں قبلہ کی طرف ہیں

اس شکل سے صحرا میں پڑے تھے وہ دلاور ۔ جس طرح مرقع کہیں ہو جاتا ہے ابتر
سوتے تھے کہیں خاک پہ دو بھائی برابر ۔ دولھا کوئی پامال تھا گھوڑوں سے سراسر
بندھے کوئی پہنے ہوئے پیارا سا پڑا تھا
ریتی پہ کوئی طفل ستارا سا پڑا تھا

سوتا تھا اب نہ کوئی ہاتھ کٹائے | تھا خواب اجل میں کوئی پھل برچھی کا کھائے
تھے جسم لہو میں عوض غسل نہائے | اتنا بھی نہ تھا کوئی کہ قبریں بھی بنائے
دم نکلے تھے مشکل سے کہ وہ تازہ جواں تھے
بالائے زمیں پاؤں رگڑنے کے نشاں تھے

تھا بیچ میں ان لاشوں کے اک لاشۂ بے سر | گردن میں نمایاں کئی جا گہ خط خنجر
تھا تیروں کی کثرت سے یہ حال تن اطہر | جس طرح عیاں خار ہوں سا ہی کے بدن پر
بخشا تھا سر عرش نشیمن جو خدا نے
پر کھولے تھے اس اوج سعادت کے ہما نے

افراط جراحت سے سراپا تھا بدن چور | اک قبر کو محتاج تھا وہ صاحب مقدور
تھی ریگ بیاباں عوض مرہم کافور | آئینہ صد پارہ تھا وہ سینۂ پرنور
زخموں میں لہو سینہ کے دبنے سے بھرا تھا
زانو تھا جہاں شمر کا واں ہاتھ دھرا تھا

اس دھوپ میں سایہ جو نہ تھا لاشۂ شہ پر | مرغان ہوا چھائے تھے کھولے ہوئے شہپر
آتا تھا جب دور سے طائر کوئی اڑ کر | کہتا تھا کیوں پیٹتے ہو بازوؤں سے سر
غم دیکھے ہیں دنیا میں پہ یہ غم نہیں دیکھا
ایسا تو سلیماں کا بھی ماتم نہیں دیکھا

صحرا کے پرندوں میں یہ تھی رو کی تقریر — آ پہنچے جو رانڈوں کو لئے عابدؑ دلگیر
بے سر نظر آیا جو انہیں لاشۂ شبیرؑ — قدموں پہ گرے چھوٹ گئی ہاتھ سے زنجیر

بیمار نے نعرہ جو کیا یا ابتا کا
تھرا گیا لاشہ پسر شیر خدا کا

سر پیٹ کے چلائے یہ سجادؑ دل افگار — رخصت کے لئے آیا ہے یہ صاحب آزار
صدقے تری مظلومی کے اے سید ابرار — باندھے ہوئے گردن لئے جاتے ہیں ستمگار

تلواریں علم سر پہ ہیں دم لے نہیں سکتا
مجبور ہوں حضرت کو کفن دے نہیں سکتا

اعجاز سے اس لاشے نے ہاتھوں کو اٹھایا — کس پیار سے فرزند کو چھاتی سے لگایا
پھر حلق بریدہ سے یہ عابدؑ کو سنایا — روؤ نہ کفن ہم نے نہ پایا تو نہ پایا

اے لال یہی خوں بھری پوشاک کفن ہے
جب خاک ملی خاک میں پھر خاک کفن ہے

یہ ذکر تھا جو اونٹ سے فضہ یہ پکاری — اے قافلہ سالار حرم عاشق باری
لو اونٹ سے گرتی ہیں پھوپھی جان تمہاری — ایسا نہ ہو مر جائے ید اللہ کی پیاری

ماں جائے کی مظلومی و تنہائی پہ رو لے
اونٹوں کو بٹھا دو تو بہن بھائی پہ رو لے

مرثیہ نمبر ۳

روانگی کوفہ

جب لٹ کے کربلا سے اسیرِ ستم چلے — سجادؑ سر برہنہ بدرد و الم چلے
روتے سروں کو پیٹتے پابندِ غم چلے — زینبؑ نے لاشِ شہ سے کہا بھائی ہم چلے
مرنے سے آپ کے میں یہ ایذا اٹھاتی ہوں
دربار میں یزیدؔ کے سر ننگے جاتی ہوں

ہے ہے مرے مسافرِ کرب و بلا حسینؑ — ہے ہے مرے غریب مرے مہ لقا حسینؑ
ہے ہے تجھے نہ پانی کا قطرہ ملا حسینؑ — ہے ہے تمام تن ترا ٹکڑے ہوا حسینؑ
پیاسے گلے پہ خنجرِ بیداد چل گیا
ہے ہے تڑپ تڑپ کے ترا دم نکل گیا

اے نینوا علی کی بضاعت تجھے ملی — اے کربلا خدا کی امانت تجھے ملی
اے خاک میری ماں کی ریاضت تجھے ملی — اے اے زمینِ شمعِ امامت تجھے ملی
دامن ترا بھرا میری کھیتی اجڑ گئی
سرحد میں تیری بھائی سے زینب بچھڑ گئی

یہ کہہ کے سر کو پیٹ کے رُوتی وہ دل جلی ۔۔۔ آ کر نجف سے حال مرے دیکھو یا علیؑ
گردن رسن میں آپ کی بیٹی کی ہے بندھی ۔۔۔ کہتی یہ ماریہ سے وہ باچشم تر چلی

ہے ہے میں کربلا سے معلیٰ میں لُٹ گئی
پردیس میں آ کے برادر سے چھٹ گئی

کیا لطف زندگی کا جو نقشہ بگڑ گیا ۔۔۔ کیونکر نہ تڑپوں آہ بڑا پیچ پڑ گیا
اس قافلہ کا قافلہ والا بچھڑ گیا ۔۔۔ ہے ہے ہمارا کیسا بھرا گھر اجڑ گیا

پردیسیوں نے چھاؤنی جنگل میں چھائی ہے
بھائی نے میرے ایک نئی بستی بسائی ہے

مہمان بلا کے ہم سے دغا کی لعینوں نے ۔۔۔ کیا کیا نہ ہم پہ جور و جفا کی لعینوں نے
کچھ بھی ذرا نہ شرم و حیا کی لعینوں نے ۔۔۔ گردن قفا سے شہ کی جدا کی لعینوں نے

تجھے جلا کر اہلِ ستم شاد ہو گئے
ہم کربلا میں آن کے برباد ہو گئے

بھائی یہ میرے سامنے نیزے چلا گئے ۔۔۔ تیغ و تبر بدن پہ برابر لگا گئے
شبیرِ شکر شکر ہی منہ سے کہا گئے ۔۔۔ او ترا نہ شمر سینہ سے بے سر جدا کئے

روتی رہی میں وہ سرِ شبیرؑ لے گیا
بھائی کی میرے خون بھری تصویر لے گیا

فریاد ہم غریبوں کی سنتا نہیں کوئی | کس سے کہیں جو ہم پہ مصیبت گزر گئی
چادر بھی منہ چھپانے کو مست پر نہیں رہی | سر کھولے شہرِ شام میں آئی ہیں دل جلی

اعداء ہمیں دکھا کے سرِ شہ رولاتے ہیں
اب سامنے شقی کے مجھے لے کے جاتے ہیں

زینبؑ سے سن کے رونے لگے ساکنانِ شام | پھر اس طرح سے پیٹ کے سر کو کئے کلام
بتلاؤ اے ستم زدہ کیا ہیں تمہارے نام | تیروں کی نوکوں پر جو چڑھے ہیں یہ سر تمام

سردار اس میں کون ہے اور کس کے سر ہیں یہ
کس برج کے شکستہ ہیں کس کے قمر ہیں یہ

بانو نے دیکھ کر سرِ اکبرؑ کو یہ کہا | اٹھارویں برس پہ یہ چھوٹا مجھ سے مہ لقا
کن کن مصیبتوں سے اسے میں نے پالا تھا | مجھ سے چھڑا کے لے گئی اک آن میں قضا

جنگل بسایا گھر مرا ویران کر گیا
نیزہ جگر پہ کھا کے جوانی میں مر گیا

پھر بولی دیکھ کے سرِ اصغرؑ وہ نوحہ گر | مجھ بے نصیب ہی کا تھا شش ماہہ کا پسر
صدمہ جو پیاس کا ہوا ننھی سی جان پر | منہ سے زبان نکال دی ہونٹوں پہ پھیر کر

تیرِ ستم کے لگتے ہی نقشہ بدل گیا
ہچکی کے ساتھ بس مرے سینے سے دم نکل گیا

دولھا کے سر کو دیکھ کے مادر یہ کہتی تھی — مجھ دل جلی کا لاڈلا فرزند ہے یہی

ہے اونٹ پر اسی کی دلہن سر کو پیٹتی — حلقوم پہ چھری اس نوشاہ کے چلی

سینہ پہ روز عقد سناں اسی نے کھائی ہے

جاتی ہے قید ہو کے دلہن یہ دوہائی ہے

عباس کی یہ زوجہ پکاری بہ اشک و آہ — سقہ بھی بنا تھا سکینہ کا رشک ماہ

دریا پہ لے گئی تھی بھتیجی کی اس کو چاہ — اعدائے دیں نے روکی تھی آ کر اسی کی راہ

یہ ہے نشان علیؑ کا نشاں اسکی شان کے

شانے سے ہاتھ کاٹے گئے اسی جوان کے

سر پیٹ کر یہ زینبؑ بیکس نے پھر کہا — آگے سروں کے نیزے پہ جو سر ہے چاند سا

ہے یہ حسینؑ ابن علیؑ شاہِ کربلا — نانا نبیؐ اسی کے ہیں اور ماں ہے فاطمہؑ

مظلوم و بے وطن ہے یہ اور خستہ تن ہوں میں

بے غسل و بے کفن ہے وہ اور اسکی بہن ہوں میں

مرثیہ نمبر ۴

ورودِ کوفہ

جس دم شہید سرورِ قلعہ شکن ہوئے
کوفی تمام دشمن جانِ حسنؑ ہوئے
لے کر حرم کو شاہ غریب الوطن ہوئے
امِ حبیبہ کو بڑے رنج و محن ہوئے
بل مل کے سب وہ جگر افگار روتی تھی
لیکن جدا قدم سے نہ زینبؑ کے ہوتی تھی

کہتی تھی کب کنیز کو بی بی بلاؤ گی
مشتاق کو تو دل سے نہ اپنے بھلاؤ گی
ناچیز کو جمالِ مبارک دکھاؤ گی
پھر بھی دیار میں کبھی کوفے کے آؤ گی
تسکین ہوتی ہے دلِ پُراضطراب کو
دیکھیں خدا دکھاتا ہے کس دن جناب کو

راہی ہوئے غرض حرمِ نامدار ہائے
اور ہو گئے حسینؑ غریب الدیار ہائے
دنیا سے اٹھ گئے حسنِ دل افگار ہائے
دشتِ بلا میں حشر ہوا آشکار ہائے
آلِ رسول رنج و مصیبت میں گھر گئی
سید کے خشک حلق پہ تلوار پھر گئی

کوفہ کی سمت ہو کے بہم اہلِ شہ چلے — محبوبِ حق کے پیاروں کے نیزوں پہ سر چلے
سر پیٹتے ہوئے حرمِ نوحہ گر چلے — زنجیر پہنے عابدِ والا گہر چلے
گر چاہتے تو دم میں الٹتے جہان کو
پر شکر کر کے شاہ نے روکا زبان کو

یاں اس طرح رواں ہوا رانڈوں کا کارواں — کوفے میں جشنِ عیش کا ساماں ہوا عیاں
پہنے لباس فاخرہ ہر ایک ہے شادماں — ہیں بے نقاب فاطمہ زہرا کی بیٹیاں
ساماں ہر اک سمت کو ہے زیب و زین کا
فریاد ہے کہ جشن ہے قتلِ حسین کا

پھرتے ہیں شاد شاد زن و مرد ادھر ادھر — آپس میں تہنیت کوئی دیتا ہے آن کر
کچھ عورتیں بھی امِّ حبیبہ کے آئیں گھر — بولیں کہ تم کو جشن کی شاید نہیں خبر
مجمع دو راستہ ہے صغار و کبار کا
آتا ہے سر سناں پہ کسی تاجدار کا

کنبہ بھی ساتھ ساتھ ہے حیران دیکھ لو — شہزادیوں کے قید کا سامان دیکھ لو
سب بیبیوں کا چاک گریبان دیکھ لو — گو لٹ گئے ہیں پہ ہے عجب شان دیکھ لو
سر زانوؤں پہ شرم و حیا سے جھکائے ہیں
اس طرح کے کبھی نہیں محبوس آئے ہیں"

اک آہ سرد کھینچ کر بولی وہ باوفا — بنت نبی کی مجھ پہ ہے تاکید یہ سدا
یعنی کہ قیدیوں کا تماشا نہ دیکھنا — کیا جانئے یہ کون ہیں آفت کے مبتلا

کس طرح ان کے حال پہ شادیانی کروں
یہ بی بیاں تو سوگ میں ہوں میں خوشی کروں

شوہر مرا سفر میں ہے لوگوں یہاں نہیں — بے اذن اس کے جا نہیں سکتی ہوں میں کہیں
حد سے زیادہ عورتیں جس دم مصر ہوئیں — ناچار آئی بام پہ ساتھ ان کے وہ حزیں

کوٹھے پہ تک کے حشر کے ساماں نظر پڑے
کالے نشان فوج بد ایماں نظر پڑے

ناگاہ دور دور رنج کے ساماں عیاں ہوئے — نیزوں پہ فرق ہائے شہیداں عیاں ہوئے
اٹھارہ آفتاب درخشاں عیاں ہوئے — کرتے ہوئے تلاوت قرآں عیاں ہوئے

دیوار و در بھی خم ہوئے تسلیم کے لئے
اٹھی یہ دل کو تھام کے تعظیم کیلئے

یہ حال تھا کہ صاحب ماتم نظر پڑے — آل نبی بدیدۂ پرنم نظر پڑے
اونٹوں پہ سب بتول کے ہمدم نظر پڑے — زنجیر پہنے عابد پرغم نظر پڑے

درجے یہ ہیں حبیب الٰہی کی آل کے
کانوں سے خون بہتا ہے اک خورد سال کے

کہتی تھی ہاتھ اٹھا کے وہ معصوم بار بار
ہے شدت عطش سے کلیجہ مرا فگار
پانی کوئی پلا دے مجھے بہر کردگار
واجب ہے مجھ پہ رحم کہ ہوں سخت بیقرار

جو پیاسا مر گیا ہے میں اس کی کمائی ہوں
بیکس ہوں بے پدر ہوں فلک کی ستائی ہوں

نادان کے بیان پہ روئی وہ زار زار
جمالوں سے پکار کے بولی وہ دل فگار
ٹھہرا لو ایک دم کیلئے اونٹوں کی قطار
پانی اسے پلاؤں تو آگے ہے اختیار

چھوٹے سے سن میں مور دِ رنج و تعب ہے یہ
اے نارو عطش کے سبب جاں بلب ہے یہ

رحم آ گیا ٹھہر گئے شامی بدسر
لے آئی جام آب اس دم وہ دوڑ کر
کی عرض پیجئے اسے صدقے میں آپ پر
کیجئے دعا خدا سے میرے واسطے مگر

پیش خدا ہے قدر بڑی خستہ حالوں کی
ہوتی ہے مستجاب دعا خوردسالوں کی

بھر لائی اشک آنکھوں میں لخت دل حسین
گویا ہوئی یہ اے جیبہ بشوروشین
شوہر سفر میں جب سے ہے مجھ کو نہیں ہے چین
کیجئے دعا یتیم نہ ہوں میرے نور عین

وارث سے اپنے یہ جگر افگار چھٹ نہ جائے
تم ہی بیوں کی طرح مرا راج لٹ نہ جائے

لیکن اس امر خاص میں فرمائیے دعا — یعنی کنیزِ حضرتِ زینبؑ ہے فدا
دیکھوں جمال پاک جگر بند مرتضیٰ — آنکھیں ملوں تو قدوم مبارک پہ میں سدا

شبیرؑ کی شتاب زیارت نصیب ہو
کیجئے دعا کہ مجھ کو یہ دولت نصیب ہو

اس ذکر سے تڑپ گئی دل بند مرتضیٰ — گویا ہوئی یہ دل میں کہ افسوس کی ہے جا
ایسا فلک نے خاک میں ہم کو ملا دیا — اپنے بھی آہ بھول گئے وا مصیبتا

زینبؑ کو بنت شیر خدا جانتے نہیں
افسوس روشناس بھی پہچانتے نہیں

مشتاق ہے حسینؑ کی یہ سوختہ جگر — کیوں کر اسے میں بھائیؑ کے مرنے کی دوں خبر
حسرت ہے دیکھنے کی مرے اس کو کس قدر — کس طرح اس سے حال کہوں اپنا سر بسر

کوکھ اجڑی اور پیاروںؑ کی گل جلی ہوں میں
منہ سے نہیں نکلتا کہ بنت علیؑ ہوں میں

مرثیہ نمبر ۵

ورودِ کوفہ

ہفتاد و دو تن کے لئے جب رو چکے عابدؑ زخمِ شہدا آنسوؤں سے دھو چکے عابدؑ
بیوؤں کی ردا اپنی عبا کھو چکے عابدؑ اور قافلہ سالارِ حرم ہو چکے عابدؑ

پرسا نہ دلاسہ دیا بے کس کو کسی نے
زنجیر میں جکڑا اسے بس فوجِ شقی نے

وہ شدتِ تپ اور مسیحا سے بچھڑنا وہ سوجے ہوئے پاؤں میں زنجیر کا پڑنا
اور کہہ کے یہ ہر ایک قدم پاؤں رگڑنا غش آتا ہے اے شیرِ خدا ہاتھ پکڑنا

اعدا سے یہ کہنا نہ دوا دو نہ غذا دو
میں راہ چلوں جلد مجھے آب پلا دو

فاقے سے کئی دن کے ہوں پانی دو خدارا تا راہ کے چلنے کا ہو کچھ مجھکو سہارا
وہ کہتے تھے کیا ہم نے لیا ہے یہ اجارا لے جائیں گے جی چاہے گا جس طرح ہمارا

یوں کہتے کہ تم پیاس کی شدت سے چلوگے
ہر ایک قدم درّے کی ضربت سے چلوگے

اس طرح سے بڑی جانسوز نے دیکھا — وہ قافلہ جس وقت درِ کوفہ پہ آیا
دروازہ پہ اک لاشہ لٹکتا ہوا دیکھا — اک درد اسیروں کے جگر میں ہوا پیدا

زینبؑ نے کہا چھاتی پھٹی جاتی ہے لوگو
اس لاش سے کچھ اور ہی بو آتی ہے لوگو

رو رو کے پھر اس طرح سے عابدؑ کو پکاری — یہ لاش ہے کس بیکس و مظلوم کی واری
اس کے لئے بیتاب ہے کیوں روح ہماری — اس لاش کی تنہائی پہ دل کرتا ہے زاری

کیوں بے کفن اس شہر میں یہ روح حزیں ہے
کیا قبر بنانے کی یہاں رسم نہیں ہے

رو کر کہا عابدؑ نے کہ یہ رونے کی جا ہے — یہ لاش ہے اس کی جو غریب الغربا ہے
یہ اس کا ہراول ہے جو بیگور پڑا ہے — یہ مسلم مظلوم ہے یہ میرا چچا ہے

آوارہ وطن بیکس و مظلوم یہی ہے
مظلوم وکیلِ شہ مغموم یہی ہے

پھر غور سے اس لاش کو زینبؑ نے جو دیکھا — تھے داغ کئی لاش کے پاؤں پہ ہویدا
رو کر کہا عابدؑ سے کہ یہ نیل ہے کیسا — عابدؑ نے کہا مرنے پہ بھی دی انہیں ایذا

باندھا قدم لاش میں اعدا نے رسن کو
کوچوں میں پھرے کھینچتے آوارہ وطن کو

مادر سے رقیہ نے یہ تب رو رو کے پوچھا اے والدہ یہ لاش مرے باپ کی ہے کیا
یہ لاش پدر کی ہے تو میں بھی کروں مجرا وہ بولی ہاں لاڈلی یہ ہے ترا بابا
لاشہ یہاں لٹکایا ہے سر کاٹ لیا ہے
مظلوم پدر کا ترے یہ حال کیا ہے

جب ننھے سے ہاتھ اس نے اٹھائے بدل زار اور دوڑ کے لاشے کی بلائیں لیں کئی بار
پھر رو کے یہ چلائی کہ اے والد غم خوار تسلیم کو آئی ہے یتیم آپ کی دلدار
سر کٹ گیا اے عاشق غفار تمہارا
کس طرح سے اب دیکھوں میں دیدار تمہارا

بابا تری بیٹی پہ مصیبت ہوئی کیا کیا ظالم نے سکینہ کو طمانچہ جو لگایا
تب اس کو بچانے لگی رو رو کے میں دکھیا میں کیا کہوں بے رحم نے جیسا مجھے گھرکا
دل کانپ گیا ہاتھ مرا اور آنسو رواں تھے
میں آپ کو چلاتی تھی سو آپ کہاں تھے

روداد سنی جب کہ رقیہ سے یہ ساری تب لاشۂ مظلوم پہ لرزہ ہوا طاری
اور حلق بریدہ سے یہ کلمہ ہوا جاری اب صبر کرو روح ہے بے چین ہماری
سر ہم نے تو صدقے سر مولا پہ کیا ہے
اور تم کو کنیزی میں سکینہ کی دیا ہے

مرثیہ نمبر ۶

ورودِ کوفہ

آئے قریب کوفہ جو مہمانِ کربلا — غل تھا کہ آئے سترِ سلطانِ کربلا
کرب و بلا میں ہیں جو اسیرانِ کربلا — پیش نظر ہے حال پریشانِ کربلا
لاکھوں ستم جو راہ میں ان سب پہ ہوتے تھے
کرتے تھے یاد وارثوں کو اور روتے تھے

لکھا ہے یہ کتاب صحیحہ میں مومنو — محبوس تھے جو کوفہ میں مختار نیک خو
ان کو نہ یہ خبر تھی کیا قتل شاہ کو — لائے میانِ کوفہ سرِ شاہ کینہ جو
محبوس ہو کے عابدِ بیمار آئے ہیں
جنت سے رونے احمدِ مختار آئے ہیں

مابینِ قید کہتا تھا مختار باوفا — کچھ غم نہیں جو قید مصیبت میں ہو رہا بیٹھا
میری خبر سنیں گے اگر سبطِ مصطفا — مشکل کشا کے صدقے سے چھٹ جاؤں گا رہا
گردش زمانے کی ہے نہ قسمت کا پھیر ہے
آقا کو میرے کوفہ میں آنے کی دیر ہے

مختار سے تو تھے یہ سخن اور یہ کلام
اس کی نہ تھی خبر انہیں مارے گئے امام

لشکر جو تھا قلیل ہوا قتل وہ تمام
ہمشکل مصطفٰے ہے نہ عباس تشنہ کام

اکبرؑ نے نیزہ کھایا ستم پر ستم ہوئے
سقائے اہلبیت کے شانے قلم ہوئے

قاسمؑ ہیں زندہ اور نہ زینبؑ کے لاڈلے
مرنے کے بعد تیغوں سے کاٹے گئے گلے

اصغرؑ جو چھ مہینے کے تھے نازوں کے پلے
جنّت میں جا کے پہنچے نہ وہ گھٹیوں چلے

سجادؑ اک بچے ہیں جو صدمے اٹھائے ہیں
بابا کے سر کے ساتھ اسیری میں آئے ہیں

ابن زیاد کی یہ تقید تھی بار بار
رانڈوں پہ شود سے کریں سب ظلم بیشمار

جو رحم ان پہ کھائے گا ہوگا گناہ گار
چادر نہ اوڑھنے کے لئے دینا زنہار

سر ننگے ہوں بندھے ہوئے رسی میں ہاتھ ہوں
حاضر اسیر سب سرِ سرور کے ساتھ ہوں

ناگاہ آئے محفل حاکم میں سب اسیر
سر ننگے بال کھولے بہ رنج و تعب امیر

غیرت سے مارے مرتے تھے مقبول رب اسیر
ڈرتے تھے وارثوں کو بچا لائیں عجب اسیر

کس منہ سے وہ بیاں کروں جو ظلم ہوتے تھے
ابن زیاد ہنستا تھا سجادؑ روتے تھے

بیٹھا ہوا تھا حاکمِ بے پیر اک طرف
طشتِ طلا میں تھا سرِ شبیر ایک طرف
سر ننگے سب تھے صاحبِ تطہیر اک طرف
غم کھا رہے تھے عابدِ دلگیر ایک طرف
تازہ جو بیکسوں پہ مصیبت پڑی تھی آہ
ہاتھوں سے منہ کو ڈھانپے سکینہ کھڑی تھی آہ

بولا تو راہِ فخر عبید اللہ زیاد
لاؤ اسے جو قید ہے مختارِ خوش نہاد
آئندہ پھر نہ کوفے میں ہم سے کرے فساد
مارے گئے وہ جن سے یہ رکھتا تھا اعتقاد
آقا کا سوگ چاہیے رکھنا غلام کو
دیکھے سرِ حسین علیہ السلام کو

یہ کہہ کے کچھ پیادے روانہ کئے شتاب
مختار کے جو پاس گئے خانماں خراب
بولے کیا ہے قید میں بادیدۂ پُر آب
برپا ہے جشنِ قتلِ شہِ آسماں جناب
حاضر ہو چل کے تو بھی بڑا اژدہام ہے
محفل ہے آج جشن کی دربارِ عام ہے

یہ سن کے اپنے ہاتھوں کو مختار نے ملا
پوچھا کہاں کا شاہ تھا جس کا کٹا گلا
کہنے لگے پیادے وہ تھا شاہِ کربلا
پیاسا تھا جس پہ خنجرِ ظلم و جفا چلا
وہ بولا ٹکڑے ٹکڑے دل اپنا تمام ہے
للہ یہ بتاؤ کہ کیا اس کا نام ہے

کہنے لگے پیادے کہ کیا پوچھتا ہے نام — باتیں نہ کر زیادہ نہیں دیر کا مقام

خود چل کے دیکھ لینا سرِ شاہ تشنہ کام — ناموس اس کا جتنا ہے وہ قید ہے تمام

جس جا اس کا سر ہے تجھ کو بھی بتلائے گا وہاں

دریافت اس کا نام بھی ہو جائے گا وہاں

مختار جا کے پہنچا جو دربارِ عام میں — دیکھا وہاں امیر ہیں کچھ ازدحام میں

روتی ہیں رانڈیں ماتمِ شاہ انام میں — سب خوش ہیں اہلِ کوفہ میں و اہلِ شام میں

اک لڑکی کہہ کے ہائے پدر وائے جی روتی ہے

رونے نہ پائے کوئی یہ تاکید ہوتی ہے

یہ دیکھا جو آگے بڑھا وہ نکو نہاد — دیکھا کہ بیٹھا خوش ہے عبید اللہ زیاد

کہتا ہے فضلِ حق سے بر آئی مری مراد — مانندِ عید جشن ہے ہر اک ہے شاد شاد

دربار دشمنوں سے سارا بھرا ہوا

طشتِ طلا میں ہے سرِ پُرخوں دھرا ہوا

حیراں ہوا یہ دیکھ کے مختار خوش خصال — پھر دیکھا غور سے تو یہ کرنے لگا مقال

یہ تو سرِ حسینؑ ہے رشکِ کمال — ہے ہے شہید ہو گیا کیا فاطمہ کا لال

کیا کیا تھیں حسرتیں دلِ اندوہناک میں

ارمان میرے مل گئے سب ہائے خاک میں

حال راہِ شام

جب شام کے قریب حرم کا گذر ہوا ــــــ سردار فوج شام رواں بیشتر ہوا
دربار میں یزید کے داخل عمرؔ ہوا ــــــ شدت سے شاد حاکم بیدادگر ہوا
بولا عمرؔ کو کہ آج عجب دن ہے عید کا
آتا ہے سر کٹا ہوا شاہِ شہید کا

ابن معاویہ نے سنا جب یہ ماجرا ــــــ مارے خوشی کے تخت سے وہ اٹھ کھڑا ہوا
اپنے گلے سے اس نے عمرؔ کو لگا لیا ــــــ بولا کہ ملک رے تجھے میں نے عطا کیا
رخنہ جو سلطنت میں مری تھا مٹا دیا
تو نے نشان احمدؐ و زہراؑ مٹا دیا

یہ کہہ چکا جو حاکمِ مردود بد گہر ــــــ بولا عمرؔ سے جنگ کا اب تو بیان کر
بولا عمرؔ کہ طول ہے وہ حال سربسر ــــــ فی الحال عرض کرتا ہوں تجھ سے میں مختصر
سجادؑ کے سوا، کوئی باقی رہا نہیں
مرنے تلک حسینؑ کو پانی دیا نہیں

زہرا کی بہوویں بیٹیاں سب ہیں برہنہ سر
بٹھلا کے ان کو لایا ہوں میں ننگے اونٹوں پر
نیزے کی نوک پر ہے سرِ شاہ بحر و بر
اور سترہ سر اور ہیں نیزوں پہ خوں سے تر

ہے کون سخت بات جو منہ سے کہی نہیں
زینبؑ کے منہ چھپانے کو چادر بھی ہی نہیں

بولا لعیں کہ صبح سے ہے مجھ کو انتظار
ساعات تک تو آچکا ہے فوج کا گزار
کیوں جلد قیدیوں کو نہیں لاتے ہیں سوار
اونٹوں پہ ہیں سوار اسیران دل فگار

لا جلد انتظار کی طاقت رہی نہیں
پیدل تو ساتھ اہل حرم کے کوئی نہیں

جس دم عمرؔ سے حاکم بے دین نے کہا
اس سنگدل نے کھینچ کے اک آہ رو دیا
کہنے لگا کہ کیا کہوں میں تجھ سے ماجرا
ہے ساربان آلِ محمدؐ پیادہ پا

شبیر کے پسر کو شتربان بنایا ہے
وہ ننگے پاؤں کوفے تا شام آیا ہے

پہنے ہے اک طوق سلاسل وہ ماہ وش
بیمار ہے ضعیف ہے اور اس پہ فاقہ کش
اس پر حضور شاہ سے ہے شدتِ عطش
کیونکر چلے وہ جلد کہ آتے ہیں غش پہ غش

حاکم نے پوچھا کیا اسے پانی دیا نہیں
بولا عمر دیا بھی تو اس نے پیا نہیں

سن کر عمرؔ سے حاکم بیدیں نے یوں کہا
اک اونٹ پر بٹھا کے اسے جلد یاں لے آ
عابدؔ کے پاس جا کے عمرؔ نے یہ تب کہا
لے ہو سوار حکم ہوا ہے یزیدؔ کا

حاکم کو سن کے حال ترا رحم آیا ہے
تجھ کو شتاب سامنے اپنے بلایا ہے

سن کر یہ حکم حاکمِ مردود نابکار
رونے لگے کمال ہی سجادِؔ دل فگار
کہنے لگے کہ خاک ہیں ہوں اونٹ پر سوار
پیدل ہیں میرے ساتھ میرا جدِ نامدار

میرے الم سے دادی میری ملتی ہاتھ ہے
پیدل بتولؑ نیزۂ خولی کے ساتھ ہے

کہنے لگا پکار کے سجادِؔ نیک خو
پوتا علیؑ کا آتا ہے اے ظالمو ہٹو
بیمار کو اسیر کو سید کو راہ دو
رانڈوں کے سر کھلے ہیں مخاطب ادھر نہ ہو

کیا غور سے اسیروں کو بس دیکھتے ہو تم
کنبہ نبیؐ کا قید ہے کیا دیکھتے ہو تم

حیرت مجھے بھی ہے کہ تم دیکھتے ہو کیا
زہراؑ کی بہوویں بیٹیاں آتی ہیں بے ردا
زینبؑ کا سر نہیں ہے یہ زہراؑ کا سر کھلا
تم اس کو سیر سمجھتے ہو آتی نہیں حیا

بھیجا کفن نہ شاہ کے لاشے کے واسطے
آئے ہو قیدیوں کے تماشے کے واسطے

مرثیہ نمبر ۸

راہ شام

جب لعبدِ عصر کٹ گیا تن سے سرِ امام
لکھتے ہیں راویانِ جگر سوز یہ کلام
مقتل میں ابن سعد نے شب بھر کیا مقام
ہنگام صبح شام کو راہی ہوئے تمام
سردار کارواں سرِ شاہ امم بنا
اور سوئے شام جانے کو نیزہ قدم بنا

راہی تھے ملکِ شام کو اعدائے بدگہر
اک باغ تو دیدہ پڑا راہ میں نظر
بلوا کے باغبانوں کو کہنے لگا عمر
تعمیر کس نے باغ کیا اس مقام پر
ہر ایک باغباں نے کہا اس پلید سے
یہ باغ تو لگایا ہے حکم یزید سے

اس باغ سے یزید کا تھا بس یہ مدعا
جب فتح کر کے شام کو لشکر پھرے مرا
یاں شب گزار کے جشن کی محفل کریں بپا
اک دن میں کام ہم نے مہینوں کا ہے کیا
تیار بھی ہنوز نہ یہ بوستاں ہوا
اور کربلا میں باغِ پیمبر خزاں ہوا

یہ باغ غیر کا نہیں سمجھو تم اپنا گھر
چاہو اسی چمن میں شب باش آن کر
یہ تیری طبع ہو گی شگفتہ نہ اے عمر
یعنی ابھی نہ سبزہ نہ گل ہے نہ ہے ثمر

وہ بولا خیر شب کو میں سو ؤں گا چین سے
دل تو مرا شگفتہ ہے قتلِ حسینؑ سے

پھر بولا باغباں سے کچھ دل میں سوچ کر
یہ باغ نو دمیدہ ہے گو بے گل و ثمر
شاخوں میں سر شہیدوں کے لٹکا دو سر بسر
ہوں گے گل و ثمر سے بھی لائق زیادہ تر

ترتیب جشنِ فتح سے دے کر مکان کو
بس اس روش سے دیکھئے بوستان کو

القصہ باغیوں نے کیا باغ میں مقام
شاخوں میں سر شہیدوں کے لٹکا دیئے تمام
زہراؑ کی روح ہی تھی کیوں چرخِ نیل فام
ماتم میں آلِ فاطمہؑ عشرت میں اہلِ شام

تجویز میرے دل کو کیا داغ کے لئے
زہراؑ کے پھول توڑے ہیں اس باغ کیلئے

راوی نے یہ لکھا ہے کہ پہنچی جو کی نظر
اصغرؑ کا اور حسینؑ کا اک شاخ پر تھا سر
خورشید کے قریں گلِ خورشید کا گذر
پھر پھر کے دیکھتا تھا سر شاہِ بحر و بر

اور زیرِ شاخ پیٹ کے زہراؑ تو روتی تھی
دونوں سروں پہ روحِ علی اصغرؑ ہوتی تھی

اک شاخ میں سرِ علیِ اکبر تھا آشکار　　دکھلا رہا تھا صاف گُلِ تازہ کی بہار
لٹکا تھا اک طرف سرِ عباسِ نامدار　　زینبؑ کے نونہالوں کے سر دونوں غنچہ دار

وہ دونوں فدیہ سبطِ جنابِ رسولؐ کے
چھوٹے بڑے وہ پھول ریاضِ بتولؑ کے

بے فصل اس چمن میں ہوا موسمِ بہار　　بے میوہ ہر شجر ہوا اک دم میں میوہ دار
ہر اک سرِ بریدہ کا تھا فیض آشکار　　گردن جھکی شاخ شاخ کی احساں سے زیر بار

حورانِ خلد چار طرف اشکبار تھیں
شاخوں پہ بلبلوں کی طرح بیقرار تھیں

ناگہ عمر پکارا کہ اہلِ حرم کو لاؤ　　اُن کو بھی اس چمن کا تماشہ ذرا دکھاؤ
کیا باغ تازہ پھولا ہے مژدہ انہیں سناؤ　　پھر تو یہ قیدیوں کو تقید تھی جلد آؤ

آیا چمن میں کنبہ شہِ مشرقین کا
زنجیر پہنے سرو خراماں حسینؑ کا

میں کیا کہوں اسیروں کا اس دم ہوا جو حال　　دل سب کا ہو گیا روشِ سبزہ پائمال
شاخوں میں تو شہیدوں کے سر پھول کی مثال　　سنبل کی طرح بیبیاں کھولے تھیں سر کے بال

سب مثلِ عندلیبِ قفس نالہ کش ہوئیں
واغربتا زباں سے کہا اور غش ہوئیں

آئے جو باغ میں حرمِ حضرتِ رسولؐ بولے فلک کو دیکھ کے وہ بیکس و ملول
اے چرخ اس جفا سے ہوا کیا تجھے حصول یہ باغ ہائے اور یہ خیر النساءؑ کے پھول
تو نے چمن نبیؐ کا تو برباد کر دیا
ویران تھا یہ باغ سو آباد کر دیا

جس شاخ پر لٹکتا تھا سبطِ نبیؐ کا سر بالی سکینہؑ اس کے تلے آئی دوڑ کر
پھیلا کے ننھے ہاتھ پکاری بچشمِ تر گیسو تمہارے شاخ سے میں کھول دوں پدر
کیوں بابا جان گود میں بیٹی کے آؤ گے
یا آج بھی جدائی سے ہم کو رلاؤ گے

رستے میں تو سکینہؑ کو تم نے کیا نہ پیار ہم اونٹ پر سوار تھے تم نیزے پر سوار
اب آؤ گود میں کہ مرا دل ہے بیقرار بابا تمہاری خون بھری شکل پر نثار
بیٹی کے پاس آؤ پیمبرؐ کا واسطہ
اصغرؑ کا واسطہ علی اکبرؑ کا واسطہ

سمجھاری تھی بیٹی کو بابو نے خستہ جاں مارا طمانچہ شمر نے بیکس کو ناگہاں
اور چھین لے گیا سرِ مولائے بیکساں آنسو حسینؑ کے آنکھوں سے تھے رواں
گذرا ملال فاطمہؑ کی روحِ پاک پر
تھرا کے گر پڑا سرِ عباسؑ خاک پر

مرثیہ نمبر ۹

راہِ شام

جاتا ہے شہر شام کو کنبہ بتولؑ کا
لرزہ میں ہے مزار جنابِ رسولؐ کا
ہے یہ بیان خواہرِ سبطِ رسولؐ کا
لو بھائی جان سلام لو بجھ دلِ ملول کا

جو کچھ کہا تھا اس کو بجالاتی ہے بہن
لو بھائی شہر شام کو جاتی ہے اب بہن

اے کربلا کے بن کے مسافر مرا سلام
اے دشت ماریہ کے مجاور مرا سلام
اے تشنہ کام کشتہ خنجر مرا سلام
اے دکھوں زدی بہن کے برادر مرا سلام

دیتی ہوں ضامنی میں تجھے کردگار کی
حافظ ہے کون لاش کا تجھ بے دیار کی

لکھتا ہے ایک راویِ غمگین یہ خبر
پہنچے جو اک مقام پہ یہ بانیانِ شر
بٹھلایا اہل بیت کو ایک جا برہنہ سر
آئے جو لوگ بہر تماشہ اِدھر اُدھر

حالت تباہ ہو گئی آلِ رسولؐ کی
غیرت کے مارے غش ہوئی جائی بتولؑ کی

فضہ بھی ساتھ قید تھی اہلِ حرم کے آہ — یہ دیکھ کر نہ ضبط ہوا اس سے مطلقا
شانہ ہلا کے حضرت زینبؑ کو دی ندا — اے خواہرِ حسینؑ یہ لونڈی ترے فدا
صورت بگڑ گئی میرے آرام و چین کی
اٹھو تمہیں قسم ہے جناب حسینؑ کی

غش سے افاقہ حضرت زینبؑ کو جب ہوا — فضہ نے ہاتھ باندھ کے تب عرض یہ کیا
ارشاد ہے یہ مجھ سے جناب امیرؑ کا — مانے گا میری تین دعائیں میرا خدا
لونڈی ہوں فاطمہؑ کی علیؑ کی کنیز ہوں
درگاہ ذوالجلال میں میں بھی عزیز ہوں

ہر دکھ میں شریک رہی فاطمہؑ کے آہ — جھولا جھلایا شبر و شبیرؑ کا سدا
فاقے کئے الم بھی اٹھائے ہزار ہا — لیکن سوائے صبر نہ کچھ حق سے کی دعا
اب تاب کچھ نہیں ہے دلِ پر ملال میں
کرتی ہوں شکوہ بارگاہِ ذوالجلال میں

یہ کہہ کے کانپتی ہوئی اٹھی وہ دل فگار — چہرے سے اپنے بال اٹھائے پھر ایکبار
منہ کر کے سوئے قبلہ یہ بولی بحالِ زار — اے خالقِ زمین و زمان میرے کردگار
حالت ہے غیر غم سے علیؑ و بتولؑ کی
یا کبریا یہ آل ہے تیرے رسولؐ کی

یا کبریا نبیؐ کی رسالت کا واسطہ — یا کبریا علیؑ کی شہادت کا واسطہ
یا کبریا بتولؑ کی عصمت کا واسطہ — یا کبریا حسینؑ کی غربت کا واسطہ

برباد کر دے لشکرِ قومِ جہول کو !
تشہیر کر رہے ہیں یہ آلِ رسولؐ کو !

یہ کہہ رہی تھیں حضرتِ فضہؑ کہ ایک بار — آیا جو جوش میں غضبِ قہرِ کردگار
لرزہ ہوا زمین کو تھرائے کوہسار — نزدیک تھا کہ ہووے فنا قومِ نابکار

اللہ رے رحم بادشہ مشرقین کا
فضہ کے پاس جھک کے سر آیا حسینؑ کا

آواز دی یہ فضہ کو اے غم کی مبتلا — ہاں ہاں یہ غصہ کیسا ذرا ہوش میں تو آ
فضہ یہ صابروں کی نہیں شان مطلقا — صابر ہے وہ نہ رنج میں شکوہ کرے ذرا

واقف ہے تو تو سب مرے رنج و ملال سے
شکوہ بھی پر سنا کبھی زہراؑ کے لال سے

بیٹا جوان مر گیا شکرِ خدا کیا — عباس نے قضا کی تو کی حمدِ کبریا
شکوہ ہے بھوک پیاس کے لب تک گئے نہ ذرا — تجھ کو بھی صبر چاہیئے اے غم کی مبتلا

شکوہ سے تیرے خلق میں تباہی ہوئیگی
محنت ترے حسینؑ کی برباد جائیگی

حالِ راہِ شام

پہنچا دیارِ شام میں جب سر امام کا — آراستہ تمام تھا بازار شام کا
مجمع تھا راستہ میں ہر اک خاص و عام کا — تھا سر برہنہ عترتِ خیر الانام کا
قیدی تھے سب اٹے ہوئے گرد و غبار میں
اور تھا دہک رہا تنِ عابدؑ بخار میں

تھا سب کے آگے آگے وہی زار و ناتواں — طوقِ گراں گلے میں تھا پاؤں میں بیڑیاں
کھنچ سکتی تھی نہ ہاتھ سے وحشوں کی ریسماں — ایذا رگوں کو دیتی تھی زنجیر کی تکان
خوں ہو گیا تھا خشک یہ امت کا جور تھا
گویا کہ سارے تن میں تشنج کا طور تھا

سر ننگے دیکھ دیکھ کے ہنستے تھے بے حیا — کہتا تھا کوئی یہ بھی ہے کنبہ رسولؐ کا
دیکھو اسیری خلفِ ابن مرتضےٰ — دیکھو ہے ایک رات کی بیوہ کا سر کھلا
کنگنا بھی ہے بندھا ہوا دستِ حنائی میں
بستہ رسن بھی ہے اسی نازک کلائی میں

جس نیزہ پہ دھرا تھا سرِ ابنِ مرتضیٰؑ
ناگاہ چلتے چلتے وہ رستہ میں رُک گیا
ہرچند زور کرتا تھا خولیِ بے حیا
پَر ہوتی تھی جگہ سے جنبش اُسے ذرا
بازو تھکے یہ زور گھٹا اہلِ شام کا
لیکن نہ اُس جگہ سے بڑھا سر امام کا

تب لے کے تازیانہ بڑھا شمرِ بدلقیں
آیا جناب سیدِ سجّادؑ کے قریں
بدبخت وہ کی کہ رہ گئی تھرا کے سب زمیں
سر اپنا پیٹنے لگی تب زینبؑ حزیں
جب خون تازیانے میں دیکھا بھرا ہوا
کہرام اہلِ بیت نبیؐ میں بپا ہوا

اس ظلم پر تھا دیکھنے والوں کو بھی عجب
نیزہ پہ رو رہا تھا سرِ شاہِ تشنہ لب
آکر قرینِ نیزہ یہ سجّادؑ بولے تب
کیوں میرے بابا آگے نہ بڑھنے کا کیا سبب
بیکس کو تازیانہ یہ اعدا لگاتے ہیں
اب مجھ سے تازیانے نہیں کھائے جاتے ہیں

اعجاز سے حسین نے اس دم صدا یہ دی
اُشتر سے میری پیاری سکینہؑ ہے گر پڑی
دیکھو کوئی کہاں ہے وہ آغوش کی پلی
بٹھلاؤ ڈھونڈھ کر اُسے تم اونٹ پر ابھی
اس واقعہ نے رانڈوں کے دل کو ہلا دیا
اُشتر سے خود کو بنتِ علیؑ نے گرا دیا

زینبؑ نے اس گھڑی جو نظر کی اِدھر اُدھر
دیکھا کہ اک مخدّرہ بیٹھی ہیں خاک پر
کالا لباس جسم میں پہنے ہیں سر بسر
زانو پہ بنتِ شاہ کا رکھے ہوئے ہیں سر
آنسو رواں ہیں آنکھوں سے اور لب پہ آہ ہے
اس نیل گوں غدار پہ ہر دم نگاہ ہے

بنتِ علیؑ نے دیکھ کے یہ مہربانیاں
کی عرض بڑھ کے آپ پہ قربان میری جاں
احساں کیا وہ مجھ پہ کہ جس کا نہیں بیاں
دے اجر اس کا آپ کو خلاقِ دو جہاں
ماں سر پرست فاطمہؑ یا با علیؑ نہیں
ہم بیکسوں کا پوچھنے والا کوئی نہیں

آگاہ ہوں کہ آپ کا ہے کیا حسب نسب
کیوں سر کھلا ہے آپ کا اس کا ہے کیا سبب
کیا نوجواں پسر سے ہوا ہجر ہے غضب
چہرے پہ خون کس کا ملا ہے بصد تعب
یادِ شہادتِ شہِ بیکس رلاتی ہے
بو اس لہو سے تو مرے بھائی کی آتی ہے

فرمایا اُن مخدّرہ نے تب بہ شور و شین
پہچانا تو نے مجھ کو نہ اے میری نورِ عین
میں وہ ہوں جس کو بعد فنا بھی ملا نہ چین
زانو پہ میرے کاٹا گیا ہے سرِ حسینؑ
زہراؑ ہے میرا نام فلک کی ستائی ہوں
میدانِ کربلا سے ترے ساتھ آئی ہوں

گردن میں باہیں ڈال کے زینبؑ نے یہ کہا
اماں اُٹھئے ظلم جو ہم نے بیاں ہو کیا
لشکر ہمارے بھائی کا سب قتل ہو گیا
یاں تک کہ چھ مہینے کا بچہ نہیں بچا

اُمڈی تھیں فوجیں آپ کے اک نورِ عین پر
لاکھوں کا تھا یورش تنِ تنہا حسینؑ پر

ناوک تھے اس قدر تنِ مجروح پر لگے
جب وا سے عذار کے بل خاک پر گرے
تیروں پہ قتل گہ میں معلق پڑے رہے
بیٹھے زمین پہ شمرِ ستمگر کے بوجھ سے

لوگوں کے منہ کو آئے جگر دل الٹ گئے
دب دب کے اور زخم تنِ شاہ پھٹ گئے

کس طرح سے بیاں ہو سکنا حسینؑ کا
وہ اپنے ہاتھ پاؤں ٹپکنا حسینؑ کا
حسرت سے سوئے خیمہ وہ تکنا حسینؑ کا
وہ شدتِ عطش سے پھڑکنا حسینؑ کا

لب کھولے وقتِ تشنہ دہانی حسینؑ نے
پایا نہ ایک بوند بھی پانی حسینؑ نے

لاشہ بھی دشتِ ظلم میں پامال ہو گیا
نیزے پہ بھی چڑھا سرِ فرزندِ مصطفےٰ
ملبوس چاک چاک تو اعدا نے لیا
غسل و کفن نہ بیکس و مظلوم کو دیا

جا ہے یہ خاک اڑانے کی اور شور و شین کی
اب تک لحد بنی نہیں میرے حسینؑ کی

مرثیہ نمبر ۱۱

ملاقاتِ شیریں

شیریں کو جب حسینؑ نے آزاد کر دیا   زیور دیا حرم نے شہِ دیں نے زر دیا
لعل و گہر سے دامنِ امید بھر دیا   شہ بولے ہم کو موت نے وقفہ اگر دیا
پہلے تو کربلا کو مدینہ سے جائینگے
پھر کربلا سے ہو کے ترے گھر بھی آئینگے

شیریں نے تب کہا کہ کنیز آپ پر فدا   تب تم آؤ گے کہ مع آلِ مصطفٰی
شہ بولے سارا کنبہ مرے ساتھ ہوئیگا   ہے قصد یہ آگے جو کچھ مرضیِ خدا
اک رات آن کر ترے گھر بھی رہیں گے ہم
تکلیف کھانے پینے کی تجھ کو نہ دیں گے ہم

اب یوں بیان ہے راویِ شیریں کلام کا   شیریں لبو گئی شام گئی غم کی مبتلا
واں اک یہودی کی ہوئی زوجہ وہ باوفا   یاں بعد کتنے روز کے شہ نے سفر کیا
پہنچے جو کربلا میں وفورِ ملال تھا
نرغہ میں ظالموں کے محمد کا لعل تھا

اک دوپہر میں قتل ہوا لشکرِ حسینؑ — دریا پہ پیاسے مارے گئے یاورِ حسینؑ
اعدا نے چاک چاک کیا پیکرِ حسینؑ — سر پیٹنے کی جا ہے کہ کاٹا سرِ حسینؑ
غل تھا کہ شہ نے وعدہ طفلی ادا کیا
امت پہ سر حسینؑ نے اپنا فدا کیا

روزِ ازل سے آج تلک یہ نہیں سنا — مرنے کے بعد بھی کوئی وعدہ کرے وفا
شیریں سے جو حسینؑ نے اقرار تھا کیا — وہ وعدہ بھی وفا کیا حضرت نے واہ واہ
کوفہ کو کاروانِ شہ بحر و بر چلا
نیزہ پہ سر حسینؑ کا شیریں کے گھر چلا

پہنچے قریب شام جو ناموسِ مصطفیٰ — بلوے کئے کھڑے تھے تماشائی جا بجا
کہتا تھا کوئی کوفیوں نے آہ کیا کیا — ہے قید اک دلہن بھی اسیروں میں بے ردا
بنڑی ہے سر کھلے موئے کیا واردات ہے
نیزہ پہ سر بنے کا ہے کیسی برات ہے

اب اس طرح سے لکھتا ہے راوی معتبر — وہ اہلبیت محترم اور شاہ بحر و بر
اک قلعہ کے قریب غرض پہنچے ننگے سر — کفار نے مقام کیا اس مقام پر
اعدا تو فرش کرتے تھے سونے کے واسطے
قیدی زمیں پہ بیٹھے تھے رونے کے واسطے

شیریں جو تھی کنیزِ امامِ فلک جناب
اُس شب کو کیا وہ دیکھتی ہے اپنے گھر میں خواب
یہ کہہ رہا ہے خواب میں فرزندِ بوتراب
مہمان کی تواضع و دعوت میں ہے ثواب
مہمان کا اپنے تجھ کو نہیں کچھ بھی دھیان ہے
اِک شب کی شب حسینؑ ترا مہمان ہے

شیریں سے کہہ کے یہ تھے یہ شبّیرِ نامدار
ناگاہ آنکھ کھل گئی شیریں کی ایک بار
شوہر سے اپنے کہنے لگی ہو کے بیقرار
جا تو میاں شہر سے کر دیر زینہار
لا دے خبر یہی مرا مقصد تمام ہے
کیا مہماں حسینؑ علیہ السلام ہے

یہ بات سن کے شوہرِ شیریں رواں ہوا
نکلا جو اپنے گھر سے تو دیکھا یہ ماجرا
کچھ بیبیاں زمین پہ بیٹھی ہیں ایک جا
نیزے پہ سر کٹے ہوئے استادہ ہیں جدا
اک ناتواں ہے اس کو عبادت کا شوق ہے
زنجیر بھاری پاؤں میں گردن میں طوق ہے

اور ایک فوج گرد ہے بے حد و انتہا
نوبت ہے اور نشان ہے اور خیمے جا بجا
آ کر سپاہِ ظلم سے وہ پوچھنے لگا
یہ تو کہو ہے کون سا خیمہ حسینؑ کا
شوقِ زیارتِ شہِ عالی مقام ہے
کس خیمے میں حسینؑ علیہ السلام ہے

ظالم پکارے منس کے تجھے ہو گیا ہے کیا — سونے دے ہم کو رات کا ہے وقت یاں سے جا
خیمہ کہاں حسینؑ کہاں کیا نہیں سنا — مارا گیا وہ خیمہ جلا اور گھر لٹا

اس وقت جس حسینؑ کی تجھ کو تلاش ہے
بے گور کربلا میں پڑی اس کی لاش ہے

وہ مرد رو کے بولا مجھے کچھ خبر نہیں — میں نے سنا تھا آئی ہے یاں فوج شام کی
لے آیا اس کو شمر سرِ شاہ کے قریں — دکھلا کے سر شہیدوں کے یہ بولا وہ لعیں

لے دیکھ مرتبہ تو شہِ مشرقین کا
یہ سر حسینؑ کا ہے یہ کنبہ حسینؑ کا

شیریں کو جا کے شوہرِ شیریں نے دی خبر — بے ساختہ وہ گھر سے نکل آئی ننگے سر
نزدیک جب اسیروں کے پہنچی بہ چشمِ تر — یوں شکلِ شہر بانو پر اس کی پڑی نظر

اصغرؑ کا کرتا گود میں ہے خوں بھرا ہوا
بکھرے ہیں بال گھٹنے پہ ہے سر دھرا ہوا

شیریں نے پاؤں چوم کے تب یہ کیا بیاں — کیا آپ کے یہ سر پہ ہوا ظلمِ ناگہاں
تجھ کو بڑھایا آپ نے اے مخدومۂ جہاں — آقا مرا حسینؑ ہے بتلائیے کہاں

یہ کیا ہوا کہ آپ کی حالت تباہ ہے
بی بی کہاں شبیہ رسالت پناہ ہے

بانو نے سر کو پیٹ کے شیریں سے تب کہا
وارث کا میرے خشک گلا تیغ سے کٹا
فوجِ یزید نے ہمیں محبوس کر لیا
اب ہم کو لے کے شام میں جاتے ہیں اشقیا
اس حالتِ خراب سے میں جابجا پھری
لوٹی گئی اسیر ہوئی بے ردا پھری

شیریں یہیں لٹ گئی مرا شوہر ہوا تمام
اٹھارویں برس علی اکبرؑ ہوا تمام
کس کس کا مجھ سے نام لوں سب گھر ہوا تمام
بن دودھ چھ مہینے کا اصغرؑ ہوا تمام
الفت بہت تھی اس پسرِ شیر خوار سے
اصغرؑ کا کرتا سونگھ رہی ہوں میں پیار سے

عابدؑ کے پاس پھر گئی شیریں جگر فگار
پاؤں پہ گر کے کہنے لگی میں ترے نثار
فرمایئے کہ نذر کروں کیا میں بیقرار
آنکھیں جھکا کے بولے یہ سجادؑ نامدار
منہ دخترانِ فاطمہؑ کا بے نقاب ہے
دے ان چادریں کہ یہ کارِ ثواب ہے

شیریں نے اپنے ہاتھ میں تب لے کے اک ردا
سر پر اڑھا کے فاطمہؑ کبرا سے یہ کہا
تم تازہ ہو دلھن تمہیں روپوشی ہے روا
کبرا پکاری مجھ کو نہ چادر ابھی اڑھا
مقتل میں بے کفن مرے وارث کی لاش ہے
دو گز کفن کی دولھا کے خاطر تلاش ہے

مرثیہ نمبر ۱۲

ملاقات شیریں

جب حرم قلعہ شیریں کے برابر آئے　　غل ہوا کعبہ سے مولا مع لشکر آئے
کہا شیریں نے کہ ارمان دلی بر آئے　　مرے مولا مرے سلطان مرے سرور آئے

نورِ حق شانِ خدا قدرت باری دیکھو
جاؤ لوگو مرے آقا کی سواری دیکھو

حیدری صف میں حسینی علم آتے ہوں گے　　ہاشمی دبدبہ ہاشم کا دکھاتے ہوں گے
نوبتی داخلہ کے طبل بجاتے ہوں گے　　خضر اس قافلے میں پانی پلاتے ہوں گے

دل کو نورِ رخِ مولا سے تسلی ہوگی
کوہ پر طور کے مانند تجلی ہوگی

جن سے روشن ہے مدینہ وہ قمر آتے ہیں　　جن کا مدفن ہے نجف میں وہ گہر آتے ہیں
جن کا گھر عرش پہ ہے وہ مرے گھر آتے ہیں　　یہ خبر اس کو نہ تھی نیزوں پہ سر آتے ہیں

کہہ رہی تھی کہ چراغ حرمین آتا ہے
اے مسلمانوں مبارک کہ حسین آتا ہے

بی بی گودی میں سکینہؑ کو بٹھائے ہوگی　　چھاتی سے اصغرِ ناداں کو لگائے ہوگی
چاند کے ٹکڑوں کو دامن میں چھپائے ہوگی　　دونوں پر گوشۂ چادر کو اڑھائے ہوگی

یہ نہ معلوم تھا وارث نہیں اصغر بھی نہیں
تاج و مسند کہاں برقع نہیں چادر بھی نہیں

تھا خیال اس کو کہ چوگرد تو یاور ہوں گے　　بیچ میں لشکرِ اسلام کے سرور ہوں گے
گھوڑوں پر ناقۂ زینبؑ کے برابر ہوں گے　　پردہ محمل کا سنبھالے علی اکبرؑ ہوں گے

واں نہ محمل تھا نہ حشمت تھی نہ زیبائی تھی
سرِ شبیرؑ کے ہمراہ بہن آئی تھی

سنتی ہوں قاسمؑ و کبریٰ کی ہوئی ہے شادی　　دولہا آقا کا بھتیجا دلہن آقا زادی
دوں گی اس بیاہ کی میں نذر مبارکبادی　　یہ نہ تھا علم کہ شادی میں ہوئی بربادی

گھونگٹ الٹا جو دلہن نے یہ تماشا دیکھا
بیاہ کے تخت پہ نوشاہ کا لاشہ دیکھا

شوکتِ آمدِ سادات کا سن سن کے بیاں　　مرد و عورت ہوئے قریہ سے پئے یارت رواں
اور مدارات کا شیریں نے کیا یاں ساماں　　فرش آنکھوں کو کیا جھاڑ کے پلکوں سے مکاں

ظرف دھو دھو کے رکھے آب و غذا کی خاطر
کھانے تیار کئے آلِ عبا کی خاطر

مسند آراستہ کی سبطِ پیمبر کے لئے
کشتیاں ہدیہ کی ذریتِ حیدر کیلئے
جھولا دالان میں ڈالا علیؑ اصغر کیلئے
لا کے گلدستہ برابر چنے علی اکبرؑ کیلئے

جامِ شربت کئے بھرے ابنِ حسنؑ کی خاطر
گہنا پھولوں کا منگار کھا دلہن کی خاطر

روک دی سامنے دروازہ کے پردہ کی قنات
اور چلائی یہ ہمسایوں کو وہ خوش ذات
صاحبو جوڑ کے ہاتھوں کو میں کہتی ہوں یہ بات
جب اترنے لگیں ساداتِ رفیع الدرجات

پاؤں مردوں کا نہ دروازوں سے بڑھنے دینا
اپنے لڑکوں کو بھی کوٹھے پہ نہ چڑھنے دینا

دفنِ زہراؑ کی تو تم نے بھی سنی ہوگی خبر
لونڈیاں رات کو نکلی تھیں جنازہ لے کر
ساتھ تابوت کے مردوں میں فقط تھے حیدرؑ
یا حسینؑ اور حسنؑ پیٹتے تھے سینہ و سر

گر پڑی صبح کو چادر جو سرِ زینبؑ سے
شمس طالع نہ ہوا چرخ پہ حکمِ رب سے

ناگہاں راہ میں برپا ہوا شورِ ماتم
سن کے منفق ہوا دل ہل گئے تھرائے قدم
دیکھنے کو جو گئے تھے حشم شاہِ اُمم
وہ زن و مرد پہ سے خاک اڑاتے باہم

سخت بے چین ہوئی طالبِ آرامِ حسینؑ
دل پہ انگشتِ شہادت سے لکھا نامِ حسینؑ

کہا شوہر سے خبر لا کہ یہ غل ہے کیسا
کس پہ آفت پڑی گھر کس کا لٹا کون موا
رونے والوں کو مری سمت سے جا کر سمجھا
بدشگونی نہ کرو آتا ہے ابنِ زہراؑ

یہ محل شکر کا ہے وقت مناجات کا ہے
داخلہ آج بر آرندۂ حاجات کا ہے

عقدے کھل جائیں گے جب مل کے ملائیں گے حسینؑ
گر کوئی تجھ سے بچھڑا ہو ملائیں گے حسینؑ
مر گیا ہو گا جو کوئی تو جلائیں گے حسینؑ
جام صحت کے مریضوں کو پلائیں گے حسینؑ

ایک شبیرؑ کو اللہ نے کیا کیا بخشا
رخِ یوسف کفِ موسیٰ دمِ عیسیٰ بخشا

ایک عورت نے یہ باہر سے پکارا ناگاہ
اری شیریں ترے ارمان ملے خاک میں آہ
گھر کا گھر ہو گیا خاتونِ قیامت کا تباہ
وارثِ آلِ نبی مر گیا انا للہ

ہم زیارت کو گئے تھے سو یہ محشر دیکھا
بے ردا حضرتِ زینبؑ کو کھلے سر دیکھا

بے تحاشہ وہ یہ کہتی ہوئی دوڑی باہر
خاک منہ میں ترے کس منہ سے یہ دیتی ہے خبر
کون زینبؑ جسے دیکھ آئی ہے تو ننگے سر
وہ پکاری کہ حسینؑ ابنِ علیؑ کی خواہر

اک فقط میں ہی نہیں دیکھ کے سب آئے ہیں
ریسماں باندھ کے شانوں میں عدو لائے ہیں

مرثیہ نمبر ۱۳

ملاقاتِ شیریں

جب کہ شیریں نے سنا سیدِ والا آئے
اُٹھ کے شوہر کو پکاری کہ مرے آقا آئے

لے مبارک ہو شہ یثرب و بطحا آئے
عید ہے آج کہ گھر میرے مولا آئے

قلعہ روشن ہے شہ جن و بشر آتے ہیں
عرش اعظم کے ستارے مرے گھر آتے ہیں

دھیان رکھنا کہ جب پہنچے سواریِ حرم
بند و بست ان کے اترنے کا بہت ہو اس دم

آنے پائے نہ سرِ بام کوئی نا محرم
دختر فاطمہؑ ہے فخرِ جنابِ مریم

پردہ رکھے ہوئے عباسِ علیؑ آئیں گے
آپ حضرت انہیں محمل سے اتروائیں گے

اتری یہ کہتے ہوئے کوہ سے شیریں ناگاہ
سب خوشی ہو کے پکارے کہ وہ ہے لشکرِ شاہ

غور سے تھم کے جو کی چار طرف اس نے نگاہ
دور سے اس کو نظر آئے علمہائے سیاہ

غم کا ساماں ہے جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھا
دامن کوہ میں اترا ہوا لشکر دیکھا

بولی گھبرا کے وہ لوگو کوئی دیکھو تو لغور ‌ یہ تو ہے صاف سپاہِ حسدُ کینہ و جور
مطلقاً ان میں حسؓ انانِ عرب کے نہیں طور ‌ فوجِ شبیرؑ کہاں یہ تو ہے لشکر کوئی اور

اُن کو دکھلادو مجھے جس کی طلبگار ہوئی ہے
علم سبز ہے نے خیمۂ زنگاری ہے

دل کچھ اس وقت پریشان ہے خدا خیر کرے ‌ مضطرب تن میں مری جان ہے خدا خیر کرے
چشم میں اشکوں کا طوفان ہے خدا خیر کرے ‌ یہ تو کچھ اور ہی سامان ہے خدا خیر کرے

خبرِ سبطِ نبیؐ دیکھئے کیا آئی ہے
میرے کانوں میں تو رونے کی صدا آئی ہے

سب کو تشویش ہوئی سن کے یہ شیریں کا بیاں ‌ اک کنیز اس کی گئی اسے تھے وہ لوگ جہاں
سب سے پوچھا پہ نہ پایا علمِ دیں کا نشاں ‌ چاند سے سر نظر آئے کئی بالائے سناں

گرد تلواریں لئے فوجِ ستم کو دیکھا
ننگے سر قافلۂ اہلِ حرم کو دیکھا

اشک آنکھوں میں بھرے دل سے پھری وہ غمگیں ‌ اور اظہار کیا آکے یہ شیریں کے قریں
آپ سچ کہتی تھیں بی بی یہ تو ہے لشکرِ کیں ‌ عمرِ سعد ہے اور فوجِ یزیدِ بے دیں

کربلا سے کوئی جا وارسے یہ سب آتے ہیں
کسی سردار کا سر کاٹ کے لے جاتے ہیں

حال اس طرح کا دیکھا ہے کہ ٹکڑے ہے جگر ہائے معلوم نہیں یہ کہ لٹا کون سا گھر
غرق خوں نیزوں کی نوکوں پہ ہیں رکھے ہوئے سر زلفیں چہروں پہ لٹکتی ہیں ادھر اور ادھر
بیکسی ان کی نہیں مجھ سے بیاں ہوتی ہے
پیاس سوکھے ہوئے ہونٹوں سے عیاں ہوتی ہے

بی بیاں خاک پہ بیٹھی ہیں حسین خوشرو رخ ہیں مٹی سے بھرے ماتھے سے بہتا ہے لہو
قتل وارث ہوئے اور رونے سے مانع ہیں عدو ایک اک رسی میں جکڑے ہوئے دونوں بازو
آسماں ہلتا ہے ان بی بیوں کے نالوں سے
منہ کوئی ہاتھوں سے ڈھانپے ہے کوئی بالوں سے

بی بی میں کیا کہوں بچے کئی دیکھے ہیں غریب کہ نہ دشمن کی بھی اولاد کو یہ دن ہو نصیب
ان میں دختر معصوم کی حالت ہے عجیب دیکھ آئی ہوں میں اس کو ہلاکت کے قریب
کئی دن کا ہے جو فاقہ تو سسکتی ہے وہ
باپ کے سر کو عجب یاس سے تکتی ہے وہ

اک دلہن قیدی ہے اک نیزہ پہ دولہا کا ہے سر یہ ادھر یاس سے تکتی ہے وہ تکتا ہے ادھر
رشک خورشید بنا ہے تو بنی رشک قمر رات کو عقد ہوا رانڈ ہوئی وقت سحر
اپنی شادی میں چلن اس نے نرالے دیکھے
چوتھی ماتم میں ہوئی قید میں چالے دیکھے

کوئی وارث نہیں بس ایک ہے لڑکا بیمار
تپ سے دن رات پھنکا کرتا ہے جس کا تنِ زار
طوق گردن میں ہے اور پاؤں میں زنجیر کا بار
آبلے تلووں میں اور آنکھوں میں دشت کے خار
شان چہرے سے یتیمی کی عیاں ہوتی ہے
ہائے بابا جو وہ کہتا ہے تو ماں روتی ہے

سن کے شیریں نے یہ شوہر کو پکارا ناگاہ
کیا قیامت ہوئی کیوں کرتے ہیں سب نالہ دلکاہ
قتل بے جرم ہوا کونسی اقلیم کا شاہ
کون سا گھر تھا لعینوں نے کیا جس کو تباہ
جلد بتلاؤ یہ فریاد و بکا کیسی ہے
اے یہ ہائے حسینا کی صدا کیسی ہے

دور سے شوہر شیریں نے کہا پیٹ کے سر
رکنِ دیں ٹوٹ گیا لٹ گیا سادات کا گھر
فاطمہ سوگ میں ہیں پیٹتے ہیں حیدر
مر گیا فاتحہ خوانِ لحدِ پیغمبر
خلق میں فاطمہ کا گیسوؤں والا نہ رہا
چھپ گیا چاند زمانے میں اجالا نہ رہا

ہائے بس سید مظلوم کو مارا شیریں
تن سے سر شمر نے سجدے میں اتارا شیریں
اسد اللہ کا گھر لٹ گیا سارا شیریں
ہائے شہزادہ ہوا قتل ہمارا شیریں
ام کلثوم بھی ہے زینب دلگیر بھی ہے
اسی لشکر میں سناں پر سر شبیر بھی ہے

سن کے یہ بین چلی آگے جو وہ سینہ فگار
نظر آئی اسے سادات کی بندی اکبار
رو کے چلائی کہ شہزادیو میں تم پہ نثار
واحسینا کی ہوئی آلِ پیمبر میں پکار
بی بیاں دیکھ کے شیریں کو خجل ہونے لگیں
ڈھانپ کے منہ کو بندھے ہاتھوں سے سب رونے لگیں

پاس زینبؑ کے جو روتی ہوئی شیریں آئی
دخترِ فاطمہ سر پیٹ کے یوں چلائی
میں تو جیتی رہی تم مر گئے بیبی بھائی
خوں بھری شکل کے قرباں یہ اماں جائی
سر اکبر لب جاں بخش سے کچھ بات کرو
آؤ صدقے گئی شیریں سے ملاقات کرو

جا پڑی سر کی طرف شہ کے جو شیریں کی نگاہ
نظر آیا سر نیزہ فلک حسن کا ماہ
پہنچی اس نیزہ کے نزدیک جو با نالہ و آہ
ہاتھ پھیلا کے یہ چلائی کہ ہے ہے مرے شاہ
خوں میں ڈوبا ہوا چہرہ نظر آیا مجھ کو
خوب صدقے گئی دیدار دکھایا مجھ کو

مرثیہ نمبر ۱۴
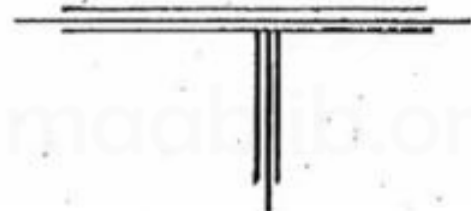
بازارِ شام

جب آئی شام کی بستی میں ننگے سر زینبؑ
اسیر و مضطر و بیتاب و نوحہ گر زینبؑ
منہ اپنا بالوں سے ڈھانپے تھی اونٹ پر زینبؑ
یہ رو کے کہتی تھی ہر دم بچشمِ تر زینبؑ

بہن حسینؑ کی ہوں فاطمہؑ کی جائی ہوں
میں کربلائے معلیٰ سے لٹ کے آئی ہوں

اوجاڑ ماریہ میں، ہو گیا چمن میرا
بچھڑ گیا علیؑ اکبرؑ سا گلبدن میرا
ہوا شہید ہر اک شیر صف شکن میرا
پڑا ہے بھائی بیاباں میں بے کفن میرا

نبیؐ کی آل کو اہلِ جفا نے لوٹ لیا
ہمارے کنبہ کو رن میں قضا نے لوٹ لیا

ہمارے پیارے کو مہماں بلا کے مارا ہے
علیؑ کے لال کا خنجر سے سر اتارا ہے
ہر اک شہید جفا تشنہ لب ہمارا ہے
ہر ایک گل سا بدن رن میں پارہ پارہ ہے

چمن پہ فاطمہؑ کے آ گئی خزاں افسوس
نشانِ مرتضویؑ کا مٹا نشاں افسوس

ہماری تھی جو بضاعت اجڑ گئی ہے ہے — بہن حسینؑ سے رن میں بچھڑ گئی ہے ہے
ہماری زیست کی صورت بگڑ گئی ہے ہے — اک اور تازہ مصیبت پڑ گئی ہے ہے

بندھے ہیں ہاتھ منہ اپنا چھپا نہیں سکتی
یہ حکم ہے کہ زباں بھی ہلا نہیں سکتی

سوار اونٹ پہ ہیں اور ردا نہیں سر پر — چھپائے رہتے ہیں بالوں سے منہ کو شام و سحر
گذرتے ہیں ہمیں فاقوں پہ فاقے اونٹوں پر — ضعف ہے کہ غش آجاتا ہے ہمیں اکثر

جو چادریں بھی کوئی رحم کھا کے دیتا ہے
تو شمر آ کے اسی وقت چھین لیتا ہے

یہ بین کرتی تھیں اشتر پہ زینبؑ دلگیر — قریب اونٹ کے لایا لعیں سرِ شبیرؑ
پکڑ کے ہاتھوں سے دل کو تڑپ گئی ہمشیر — پکاری بھائی بچا لو ہمیں کسی تدبیر

تمہارے مرنے سے ایذا اٹھاتی ہے زینبؑ
لعیں کے سامنے سر ننگے جاتی ہے زینبؑ

سکینہ بولی کہ اماں بتاؤ میں قرباں — یہ کس کے سر سے پھوپھی بات کرتی ہیں اس آں
پکارا شاہ کا سر تم کو باپ کا نہیں دھیان — بس اتنے روزوں میں ہم کو بھلا دیا مری جاں

خبر نہیں تمہیں کس حق جو کے پیاسے کا سر ہے
لہو میں غرق نبی کے نواسے کا سر ہے

سکینہؑ بالی نے تب ہاتھ جوڑ کر یہ کہا معاف ہو مری تقصیر اے مرے بابا
کہ مجھ ستم زدہ نے تھا نہ تم کو پہچانا ورم سے آنکھوں کے مجھ کو نہ کچھ دکھائی دیا

طمانچے شمر کے کھائے ہیں بارہا میں نے
رسن سے ظلم کی بندھوا دیا گلا میں نے

پھر آئی سر سے ندا جو ستم ہوا تجھ پر اے میری لاڈلی نیزے سے دیکھتا تھا پدر
لئے تھے شمر نے کانوں سے جب ترے گوہر تڑپ رہی تھی ہماری بھی روح نیزے پر

رواں تھے اشک نہ مجھ کو قرار آتا تھا
سناں پہ مجھ کو بھی غش بار بار آتا تھا

یہ کہہ رہا تھا سرِ شہ اور اشک تھے جاری سر اور ننھا سا نیزے پہ لایا اک ناری
قریب بانوؑ کے مضطر کے لایا اک باری پکاری رو رو کے اس کو یہ درد کی ماری

اے میرے لال مرے بیکفن حزیں اصغرؑ
سناں پہ چڑھ کے اب آئے مرے قریں اصغرؑ

اے میرے راحتِ جاں تیرے پر کیا مسکن پڑا ہے خاک پہ لاشہ ملا نہ گور و کفن
سرِ سناں لئے پھرتے ہیں دربدر دشمن ہمک کے گود میں آجاؤ میرے رشکِ چمن

غمِ فراق میں منہ آنسوؤں سے دھوتی ہوں
تمہارے واسطے میں صبح و شام روتی ہوں

پدر کے بعد بتاؤ کہ تم پہ کیا گذری　　تمہاری ننھی سی میت کو کس نے ایذا دی
زمیں پہ بھی نہ تری لاش ابھی اٹھی ہو گی　　پھرائی حلق پہ میت کے کس لعیں نے چھری

لحد ملی نہ تجھے ہائے اے پسر افسوس
لعیں نے کاٹ لیا تن سے سر ترا افسوس

کہو تو حال کچھ اے میرے یوسفِ ثانی　　پیو گے دودھ یا تم نے پی لیا پانی
یہ کیسی ظالموں نے کی تمہاری مہمانی　　گلا بھی کٹ گیا سر بھی کٹا مرے جانی

تمہارے دردِ جدائی نے مار ڈالا ہے
ترے فراق نے گھر سے ہمیں نکالا ہے

کبھی یہاں تو نہ یاد آئی ہو گی اے دلبر　　کہو تو سوتے ہو تم شب کو کس کی چھاتی پر
کہیں ڈرے تو نہ جنگل میں میرے رشکِ قمر　　بتاؤ دادی نے کیا کیا دیا تمہیں اصغر

پدر کا ساتھ دیا ہم سے منہ کو موڑ گئے
کھلے سر اونٹ پہ پھوپھی نے کو تم کو چھوڑ گئے

اے میرے راحتِ جاں یہ ماں ترے قرباں　　اے میرے ہنسلیوں والے یہ ماں ترے قرباں
مجھے بھی پاس بلالے یہ ماں ترے قرباں　　اے میرے گھر کے اجالے یہ ماں ترے قرباں

گلے پہ تیرِ ستم کھا کے مر گئے بیٹا
ہماری گود کو ویران کر گئے بیٹا

مرثیہ نمبر ۱۵

بازارِ شام

محشر کی صبح آج نمایاں ہے شام میں — کنبہ شفیعِ حشر کا ہے اژدہام میں
سر ننگے روحِ فاطمہؑ ہے اہتمام میں — خاصانِ ذوالجلال ہیں بلوائے عام میں

جبریل کی شہزادیاں تشریف لائی ہیں
مشکل کشا کی بیٹیاں بندی میں آئی ہیں

بولے سب ایک بار وہ آئے گناہ گار — آئے قصور وار وہ آئے گناہ گار
خبردار ہوشیار وہ آئے گناہ گار — وہ آئے بے قصور وہ آئے گناہ گار

جب سے کہ آسمان خدا نے بنائے ہیں
آلِ رسول آج ہی بندی میں آئے ہیں

روکا عمر نے بڑھ کے علم کو سپاہ کو — مجرا پرا جما کے کیا بارگاہ کو
اور ہنس کے دیکھا آلِ رسالت پناہ کو — آواز دی شمرؔ شیرِ الٰہ کو

ہاں مہار روکنا اونٹوں کو تھامنا
اب ہے یزیدؔ کے فرِ دولت کا سامنا

پہنچے مُراد کو سفر اپنا تمام ہے — اترو اسیرو اترو ادب کا مقام ہے
آگے تو آستانۂ سلطانِ شام ہے — دیکھو تو کیا جلال ہے کیا احتشام ہے
اس کی ولا میں عرش کو ہم نے ہلا دیا
گھر پنجتن کا خاک میں بالکل ملا دیا

سننا تھا یہ کہ سب کے گلے پر چھری چلی — اونٹوں سے اتریں بیبیاں کہہ کہہ کے یا علیؑ
آنکھیں پھرا کے رہ گئی بانو کی لاڈلی — روحِ حسینؑ کو ہوئی جنت میں بے کلی
طاقت بدن کی گھٹ گئی اور ضعف بڑھ گیا
اتریں جو بے سہارے تو دم سب کا چڑھ گیا

سینے میں دم ابھی نہ سمائے تھے ہے غضب — جو آئے ریسماں لئے ہاتھوں میں بے ادب
گھبرا کے پوچھا بیبیوں نے تجویز کیا ہے اب — بولا عمر کہ مجلسِ حاکم میں ہے طلب
منظور ہے کہ روحِ علیؑ پھر ملول ہو
مجمع میں روبکاریٔ آلِ رسولؐ ہو

مظلومیت سے رو کے یہ مظلوموں نے کہا — حاکم کی یہ خوشی ہے تو پھر عذر ہم کو کیا
بازار میں تو پھر چکے بے مقنعہ و ردا — آساں کرے گا مشکلیں دربار میں خدا
حاضر ہیں لے چلو ہمیں جب چاہو لے چلو
سر پر نہیں حسینؑ جہاں چاہو لے چلو

کچھ اب بھی اوڑھنے کیلئے دوگے یا نہیں — حاکم کا سامنے ہے سروں پر ردا نہیں
لائے ہو اپنے شہر میں یہ بھی حیا نہیں — کیسے عرب ہو تم کہ حمیت ذرا نہیں
سیدانیوں کی کچھ تو مدارات چاہیئے
چادر بجائے ہدیہ سوغات چاہیئے

بولے کہ اب قبول کوئی التجا نہیں — سب بے حیا تھے پر نہیں تم سے حیا نہیں
حاکم کے دشمنوں پر ترحم روا نہیں — کچھ تم کو احتیاجِ لباس و ردا نہیں
آلودہ وارثوں کے لہو سے جبیں تو ہے
چہروں پہ اور خاک لگا لو زمیں تو ہے

بیوی پکاریں سچ ہے حقیقت ہے یوں ہی — پر اپنا منہ تو خاک کے قابل بھی اب نہیں
وہ وقت ہے کہ ہم سے کنارہ کرے زمیں — پیوند خاک کیوں نہ ہوئے بیٹیِ شاہِ دیں
منظور ہے تمہیں کہ سروں پر ردا نہ ہو
سر ننگے ہی چلیں گے ہم اچھا خفا نہ ہو

پر آتا ٹھہرو وارثوں کے سر سے پوچھ لیں — شاہِ اُمم کے فرقِ مطہر سے پوچھ لیں
دربار جانے کو علی اکبر سے پوچھ لیں — عباسؑ ابنِ حیدرؑ و صفدر سے پوچھ لیں
مردہ نہ سمجھو زندہ یہ حیدرؑ کے پیارے ہیں
مختار ہم نہیں ہیں یہ مالک ہمارے ہیں

نیزوں پہ تھے نصب جو شہیدوں کے سر تمام — زینبؑ نے بڑھ کے بھائی کے سر کو کیا سلام
چلائی کیوں ذبیحِ خدا بھائی تشنہ کام — مرضی ہے کیا حضور کی کیا کہتے ہیں امام

دربار میں طلب ہے سو ہمشیر روتی ہے
عزت رہی سہی مری برباد ہوتی ہے

سنتی ہوں ساز و رقص ہے اور مجمعِ کثیر — بیٹھے ہیں کرسیوں پہ فقط چار سو امیر
وہاں جا کے اور بھی یہ بہن ہوئے گی حقیر — ہیں حضرتِ امیر سے واقف جوان و پیر

دربار مٹ گیا مرا خوں رن میں بہہ گیا
میرے لئے یزید کا دربار رہ گیا

نامِ یزید سن کے جو بچے دہلتے ہیں — سجادؑ سر جھکائے ہوئے ہاتھ ملتے ہیں
بولو حسینؑ بولو کہ اب دم نکلتے ہیں — آئی ندا کہ تم بھی چلو ہم بھی چلتے ہیں

راہِ رضا میں جو قدم ایذا اٹھاتی ہو
گویا کہ بتولؑ نے کو امت سے جاتی ہو

اکبرؑ کے سر پہ دور سے بانوؑ ہوئی نثار — چلائی اے غیور پسر میرے پردہ دار
عاشور کو جو آئی تھی در پر میں بیقرار — غیرت کے مارے رو کے تھے آپ بار بار

اب در بدر میں پھرتی ہوں کچھ بولتے نہیں
داری رسن سے ہاتھ میرے کھولتے نہیں

مرثیہ نمبر ۱۶

بازارِ شام

شام میں جب حرمِ شاہِ شہیداں آئے
بے ردا منہ پہ کئے بال پریشاں آئے
قید ہو ہو کے ہوئے بے سر و ساماں آئے
عابد اونٹوں کو لئے مثلِ شتربان آئے
ہر طرف دھوم تھی سادات کے سر آتے ہیں
کوئی سیدانیوں کو قید کئے لاتے ہیں

ہم کو معلوم ہوا لوگ ہیں اشرافِ عرب
ہیں نبی فاطمہؑ ناموس ہیں سادات کے سب
اس گھڑی کہنے لگی ہو کے مخاطب زینبؑ
جد ہمارا ہے نبی حیدرِ کرار ہیں باپ
نہ خطا ہم سے ہوئی ہے نہ گنہگار ہیں ہم
رجس سے پاک ہیں اور عترتِ اطہار ہیں ہم

ایک مومن سرِ بازار کھڑا تھا اس دم
اس نے جب جانا کہ شبیرؑ کے ہیں اہلِ حرم
سر لگا پیٹنے اور کہنے لگا ہائے ستم
شام میں آتے ہیں قیدی حرمِ شاہِ امم
دیکھا انبوہ کو سر شرم سے نہوڑائے ہیں
سر کھلے روم کی بندی کی طرح آئے ہیں

خاک پر پھینک دیا سر سے عمامے کو اتار
بھیڑ کو چیر کے گھر اپنے گیا وہ دیندار

گھر کے لوگوں نے جو روتا اسے دیکھا یکبار
سب لگے رونے کہا حال کرو کچھ اظہار

بولا کیا تم سے کہوں آج میں گھبرایا ہوں
سر کھلے زینبؑ و کلثومؑ کو دیکھ آیا ہوں

بیٹیاں اور بہویں رو کے کہیں اے بابا
کون زینبؑ تمہیں کچھ خیر ہے یہ کہتے ہو کیا

بولا زینبؑ مری مخدومہ ہے بنتِ زہراؑ
جس کا نانا ہے نبیؐ بابا علیؑ شیرِ خدا

بنتِ زہراؑ کو ستمگاروں نے ایذا دی ہے
سر کھلے شام کے بازار میں شہزادی ہے

بیٹیاں رونے لگیں سن کے یہ مومن کا بیاں
بولیں اے بابا ہے ان کا تو مدینے میں مکاں

وہ کہاں شام کہاں آئی ہیں کس طرح یہاں
بولا میں کیا کہوں یارا نہیں دیتی ہے زباں

کوفے میں حضرتِ شبیرؑ تو کام آئے ہیں
اہلِ کیں شام میں زینبؑ کو پکڑ لائے ہیں

کور ہو آنکھیں مری مجھ کو یہ معلوم نہ تھا
جو میں بازار میں غل سن کے گیا دیکھوں کیا

ہے سناں پر سرِ فرزندِ علیؑ واویلا
خون سے منہ پہ بھرا سرخ ہے سارا چہرہ

ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں تشنہ لبی ظاہر ہے
چہرے سے شانِ رسولِ عربیؐ ظاہر ہے

پیش دلہن اس کے کٹے سر ہیں لہو میں سرشار گل سے رخساروں پہ ہے حسنِ جوانی کی بہار
کوئی بیٹا کوئی بھائی ہے کوئی شاہ کا یار پیچھے پیچھے حرمِ شاہ ہیں اونٹوں پہ سوار
اہلِ عصمت پہ عجب سخت گھڑی آئی ہے
گردِ انبوہ ہے اک خلق تماشائی ہے

ایک لڑکی ہے کہ بلوے میں وہ گھبراتی ہے ایک بی بی ہے کہ ہر دم اسے بہلاتی ہے
ایک دلہن ہے کہ نہایت ہی وہ شرماتی ہے ایک بی بی ہے کہ غیرت سے موئی جاتی ہے
کوئی کہتی ہے کہ ہے ہے مرے اصغرؑ ہے ہے
کوئی کہتی ہے کہ ہے ہے علی اکبرؑ ہے ہے

یہ بیاں کر کے لگا کھانے پچھاڑیں ایکبار بیٹیاں رونے لگیں سر در و دیوار سے مار
چادریں بانٹ کے آگے دھریں سر سے اتار اور کہا حضرت زینبؑ پہ یہ گھر بار نثار
چادریں اپنی تو حاضر ہیں نہ تاخیر کرو
جلد انہیں پیشِ کشِ زینبؑ دلگیر کرو

ہم کو فرماؤ تو ہم ساتھ چلیں ننگے سر ان پہ قرباں ہوں اور جا کے گریں قدموں پہ
چھوڑ دیں اُن کو ہمیں قید کریں بداختر ہائے ہم گھر میں ہوں بازار میں بنتِ حیدرؑ
لے چلو ہم کو بھی زینبؑ کی زیارت کیلئے
لونڈیاں چاہییں شہزادی کی خدمت کیلئے

کوئی کہتی ہے کہ زینبؑ کے تصدق ہوں گی | کوئی کہتی تھی دلہن کی میں بلائیں لوں گی
کوئی کہتی تھی سکینہؑ کو میں پانی دوں گی | کوئی کہتی تھی کہ میں بانوؑ کے قدم چوموں گی

قید سے آلِ پیمبرؐ کو چھڑا دو بابا
سر کھلے ہم کو ان اونٹوں پہ بٹھا دو بابا

چادریں لے کے غرض آیا وہ غمگین و ملول | اور کہا حضرتِ زینبؑ سے کہ اے بنتِ بتولؑ
نذر لایا ہوں میں خدمت گر ہوئے قبول | دیکھ کر چادروں کو رونے لگے آلِ رسولؐ

بولیں زینبؑ کہ نہیں چادریں درکار ہمیں
سر کھلے دیکھ چکے سب سرِ بازار ہمیں

دامنِ پاک کا زہراؑ کا ہے سایہ ہم پر | بس ہے اک آیۂ تطہیر بجائے چادر
کوفے سے شام تلک آئے ہیں ہم ننگے سر | لطف باقی نہ رہا اب نہیں پردہ بہتر

رن میں مارے گئے پردہ کے بٹھانیوالے
چادریں لے گئے خیمے کے جلانیوالے

اس گھڑی کہنے لگی فاطمہ کبریٰ رو رو | ایک چادر تو پھوپھی جان مجھے دلوا دو
دیکھتے جاتے ہیں بلوے میں ستمگر مجھ کو | رو رو زینبؑ نے کہا تم پہ پھوپھی صدقے ہو

اہلِ کیں سر نہ تمہیں آج چھپانے دیں گے
قید کر لائے ہیں چادر نہ اوڑھانے دیں گے

مرثیہ نمبر ۱۷

بازارِ شام

بے پردہ کوئی پردہ نشیں ہو نہ سفر میں
یارب نہ لگے آگ کسی پیاسے کے گھر میں

ناسور پڑے مرگ پسر سے نہ جگر میں
برباد نہ ہو گھر کوئی لیوں تین پہر میں

بھائی کا کٹے حلق نہ ہمشیر کے آگے

پر زور کسی کا نہیں تقدیر کے آگے

اب نوحہ کا ہنگام ہے رقت کی گھڑی ہے
شہ مر گئے زینبؑ پہ قیامت کی گھڑی ہے

دربار میں اب آمدِ عترت کی گھڑی ہے
حیدرؑ کے نجیبوں پہ مصیبت کی گھڑی ہے

جاتے ہیں حرم مجلسِ میخوار میں جائیں

عابد لئے ماں بہنوں کو دربار میں جائیں

دربار بھی ظالم کا ہے عادل کا نہیں ہے
اندیشہ عدو کو حق و باطل کا نہیں ہے

وقت اس سے زیادہ کوئی مشکل کا نہیں ہے
کچھ بس حرم بیکس و بیدل کا نہیں ہے

منظور ہے یہ طوق تو گردن میں پڑے ہوں

سب کرسیوں پہ بیٹھے ہوں سادات کھڑے ہوں

دربار میں اب غل ہے کہ سادات کو لاؤ — یہ کہتے ہیں للہ وہاں لے کے نہ جاؤ
چلاتے ہیں اعدا کہ ہمیں ضد نہ دلاؤ — مقتل سے کسی روکنے والے کو بلاؤ

بندے ہیں خلیفہ کے نہیں خوف کسی سے
فریاد ہماری کرو اللہ و نبی سے

یہ سن کے سکینہؑ نے کہا ماں بے میں قرباں — دربار میں کس کے ہے طلب آپ کی اس آں
کیا بیٹھا ہے انصاف پہ اس عہد کا سلطاں — گر یہ ہے تو بی بی نہ حزیں ہو نہ ہراساں

نے خون کیا ہم نے کسی کا نہ خطا کی
چل کر سرِ دربار دوہائی دو خدا کی

چل کر کہو حاکم سے کہ حیدرؑ کے حرم ہیں — زوارِ پیمبرؐ کے ہیں حجاجِ حرم ہیں
دسویں سے محرم کے گرفتارِ ستم ہیں — سر ننگے ہیں ہم پیاروں کے سرتن سے قلم ہیں

دے داد ہماری کہ عزیزوں سے چھٹے ہیں
کعبے کے مسافر تیری سرحد میں لٹے ہیں

زینبؑ علیؑ اکبرؑ کا کہیں واقعہ سارا — یوں نیزہ لگا یا کہ جگر ہو گیا پارا
تم کہیو کہ برقعہ سرِ ظالم نے اتارا — نالش میں کروں گی کہ طمانچہ مجھے مارا

گر لوچھے گا وہ کیا تری مرضی ہے بتا دے
میں ہاتھوں کو جوڑوں گی کہ بابا سے ملا دے

تو شہر کا حاکم ہے تجھے ہوئے گا معلوم عاشوں سے رو پوش ہوئے ہیں شہ مظلوم
بے پیلس سے مضطر ہوں فاقوں سے ہوں مغموم غم یہ ہے کہ بابا کی زیارت سے ہوں محروم

غم باپ کا رلواتا ہے چپ ہو نہیں سکتی
دہشت سے طمانچوں کی مگر رو نہیں سکتی

ماں بولیں بخیر ایسا مقدر نہیں اپنا پرساں کوئی جز خالق اکبر نہیں اپنا
اس شہر میں منہ لائق چادر نہیں اپنا دشمن کوئی حاکم کے برابر نہیں اپنا

کہنے سے اسی کے ہوا گھر صاف ہمارا
اللہ کے آگے ہے اب انصاف ہمارا

بانو و سکینہ میں یہ تھی درد کی گفتار رسی لئے ہاتھوں میں غضبناک تھے کفار
ناگاہ ادھر ہند محل میں ہوئی بیدار ہاتھوں کو کلیجہ پہ دھرے آنکھیں تھیں خونبار

اس وقت جسے ہند کا عالم نظر آیا
ماتم کا مرقع اسے بر ہم نظر آیا

لے لیکے بلائیں یہ کنیز ایک پکاری کچھ آپ کو اس وقت تردد ہے میں واری
باہر تو بڑا جشن ہے خیرات ہے جاری فرمائیں جلوس آپ بھی نذریں لیں ہماری

مجھکو رعیت پہ بھی تاکید ہوئی ہے
اس فتح کی حاکم کو بڑی عید ہوئی ہے

وہ بولی کہ ہے یہ جشن نہیں کرنے کی زنہار — لیجاؤ و بٹاؤ یہ ہر اک خلعتِ زرتار

مسند بھی اٹھا دو مجھے اب کچھ نہیں درکار — کیوں سوئی میں اسوقت پناہ اے مرے غفار

کرتے ہوئے کعبہ کے ستوں خواب میں دیکھے

قرآں کے ورق غرق بخوں خواب میں دیکھے

ویرانے میں ایک گنجِ شہیداں نظر آیا — خورشید فلک خون میں غلطاں نظر آیا

اک غول لئے خنجرِ براں نظر آیا — سب حادثوں کے بعد یہ ساماں نظر آیا

نیزہ پہ جگر کاٹ کے رکھا ہے نبیؐ کا

اور رخ ہے مرے گھر کی طرف فوجِ شقی کا

سب نے کہا بس آپ ہیں اس خواب سے مضطر — مدت ہوئی بی بی کہ جنا نمیں ہیں پیمبرؐ

تو بہ کہاں احمد کا کلیجہ کہاں خنجر — وہ بولی وفات انکی تو مشہور ہے گھر گھر

ہے ہے مجھے دھڑکا ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

وہ دل ہے نبیؐ کا وہ کلیجہ ہے نبیؐ کا

اک بولی کہ یہ بات تو بندی نے نہ مانا — اللہ کو دیکھا نہیں پر عقل سے جانا

جو کل کا پیمبرؐ ہے وہ شبیرؑ کا نانا — حاکم بھی کلمہ پڑھتا ہے اور سب زمانا

امت کا نہ ہاتھ اٹھیگا سید پہ بلا لوں

اس بات پہ کہئے تو میں قرآن اٹھا لوں

اب چل کے قدم رنجہ کرو بام پہ بی بی　　فرماؤ نظر تہنیت عام پہ بی بی
غش قیدیوں کو آتا ہے ہر گام پہ بی بی　　کھانا دو انہیں فاطمہؑ کے نام پہ بی بی
چھڑ وا دو انہیں نام حسینؑ ابن علیؑ پر
آ جائیگی منہ پھر کوئی بلا سبطِ نبیؐ پر

یا فاطمہؑ کہتی ہوئی وہ بام پہ آئی　　مسند وہیں غرفہ میں کنیزوں نے بچھائی
ناگاہ اٹھا شور کہ اللہ دھائی　　ہے ہے کہا ہندنے اور یہ بات سنائی
واللہ لگی چوٹ مرے قلب حزیں پر
نوحہ و شیون ہے فلک پر کہ زمیں پر

چلمن کو اٹھا کر یہ کنیز ایک پکاری　　رسی سے اسیروں کے گلے میں بندھے واری
چھل چھل کے رگیں سینوں تلک خون ہے جاری　　دم رکتے ہیں تو کرتے ہیں گھبرا کے وہ زاری
عریاں بدن و فاقہ کش و تشنہ جگر ہیں
کچھ بی بیاں کچھ بچے ہیں کچھ مرد نہتے سر ہیں

خولی نے جو نیزہ درِ حاکم پہ جھکایا　　پرتو سر شبیرؑ نے ہر سمت گرایا
دل ہند کا اس نور کے شعلہ نے جلایا　　جھک جھک کے رخ اپنا طرفِ نیزہ بڑھایا
منہ پیٹ کے سر خم کیا تسلیم کی خاطر
مسند پہ کھڑی ہو گئی تعظیم کی خاطر

مرثیہ نمبر ۱۸

دربارِ شام

جب محفلِ یزید میں داخل حرم ہوئے — غش آیا ہر قدم پہ بظلم و ستم ہوئے
زینبؑ پکاری حادثے ایسے بھی کم ہوئے — سرکٹ گیا حسینؑ کا سر ننگے ہم ہوئے
کیوں آسمان گر نہیں پڑتا دہائی ہے
زہراؑ کی بیٹی سامنے حاکم کی آئی ہے

موجود انجمن میں صغیر و کبیر ہیں — حاکم کے گرد کرسیوں پر سب امیر ہیں
خاصانِ ذوالجلال ذلیل و حقیر ہیں — مشکل کشا کے خورد و کلاں سب اسیر ہیں
کہدے کوئی علیؑ سے یہ دار السلام میں
زینب کا داخلہ ہوا دربارِ عام میں

اے لوگو کربلا سے مرے بھائی کو بلاؤ — اے لوگوں میرے گیسوؤں والے جواں کو لاؤ
اے لوگوں میرا حادثہ عباسؑ کو سناؤ — اے لوگو یادگار حسنؑ سے کہو کہ آؤ
قاسم سے ہائے کمک کچھ نہ اس گھڑی ہوئی
یہ بال کھولے کس کی دولہن ہے کھڑی ہوئی

ہو کر اسیر دخترِ حاتم جو آئی تھی — نانا نے میرے خود اسے چادر اوڑھائی تھی
پوشاک ، ماں نے نئی اس کو پہنائی تھی — سب کو یہ پاس تھا کہ سخی کی وہ جائی تھی

امت کو ہائے پاسِ رسولِ خدا نہیں
زینبؑ برہنہ سر ہے اور ان کو حیا نہیں

بابا کو میرے پوچھو تو کیسا سخی ہے وہ — مشکل کشا ہے کُل کا خدا کا ولی ہے وہ
نانا کو میرے دیکھو تو سب کا ولی ہے وہ — بھائی کے صدقے فخرِ نبیؐ و علیؑ ہے وہ

میری خبر اسیری میں لیتا نہیں کوئی
کپڑا بھی منہ چھپانے کو دیتا نہیں کوئی

حاضر وہاں تھا ایک فرنگی بھی اس گھڑی — رو کر کہا یزید سے اس نے کہ اے
تیرے معاملے سے لرزتا ہے میرا جی — سر ہے طبق میں جس کا یہ مجرم ہے کیا

حاشا جو میں کہوں کہ یہ اہلِ قصور ہے
زلفوں میں بوئے مشک ہے چہرے پہ نور ہے

زنجیر بیٹے کا پہنتا ہے یہ جو ناتواں — کیا نام اس مریض کا ہے جلد کر بیاں
یہ ننھی لڑکی جس کے گلے میں ہے ریسماں — اس کا تو وہ ہے سن کہ ہو کافر بھی مہربانی

رانڈوں سے انتقام تو لیتا ہے حیف ہے
آزار ننھے بچوں کو دیتا ہے حیف ہے

تیرے معاملے سے مراہوش جاتا ہے — کیا حرف بد تجھے یہ کٹا سر سناتا ہے
جو چوب بید اس کے لبوں پر لگاتا ہے — کوئی بھی ہاتھ مردے کے سر پر اٹھاتا ہے

اس کا گناہ تو مجھے حیران کر گیا
باقی قصاص رہ گیا اور سر اتر گیا

مذہب پہ اس کی جنگ ہوئی یا کہ ملک پر — کیا منحرف تھا قبلہ سے لوٹا جو اس کا گھر
کیا تارک الصلوٰۃ تھا کاٹا جو اس کا سر — زینبؑ سے ضبط ہو نہ سکا بولی پیٹ پر

حق پہ ہوا ہے فرقۂ باطل سے پوچھ لے
سجدے میں سر کٹا ہے تو قاتل سے پوچھ لے

یہ سن کے اور کانپ فرنگی کے دست و پا — کہنے لگا یزید سے تو نے نہ کچھ کہا
پوچھے جو شاہِ روم کروں اس سے عرض کیا — یہ کس کا سر ہے نام بتا اور نسب بتا

بولا شقی کہ بند کرو شور و شین کو
کہہ دیجیو یزید نے مارا حسینؑ کو

س نے کہا جو کل کا ہے سلطانؑ وہ حسینؑ — نانا کو جس کے آیا ہے قرآن وہ حسینؑ
جس کے پدر کے سب پہ ہیں احسان میں حسینؑ — ماں جس کی فاطمہؑ ہے میں قربان وہ حسینؑ

جس پر نبیؐ نے اپنے پسر کو فدا کیا
خالق نے جس کو بچپن ہو علا کیا

حاکم نے سر ہلایا کہ ہاں ہاں وہی حسینؑ منھ پیٹ کر پکارا فرنگی یہ شور و شین
غارت کرے شتاب تجھے ربِ مشرقین سر کاٹ کر حسینؑ کا کھویا علیؑ کا چین

اے اہلِ شام کیوں یہی مذہب تمہارا ہے
نانا کا کلمہ پڑھ کے نواسے کو مارا ہے

ظالم پکارا جلد سر اس کا کرو جدا رسوا کرے گا روم میں مجھ کو یہ جا بجا
شیرانہ جست کر کے فرنگی نے دی ندا رسوا خدا کرے گا میں رسوا کروں گا کیا

سید کا خون کر کے کہاں چھپ جائے گا
محشر میں فاطمہؑ سے کہاں منھ چھپائے گا

پھر دوڑ کر حسینؑ کے سر کو اٹھا لیا اور کلمہ پڑھ کے سینے سے اپنے لگا لیا
جلاد نے گرے وہیں نیمچا لیا عابدؑ کا اختیار نہ تھا سر جھکا لیا

آیا کسی کو پاس نہ اس بے گناہ کا
تن پرزے پرزے کر دیا غم خوارِ شاہ کا

جب تن سے اس جری کے ہوا خوں بہت رواں غش ہو کے خاک پر گرا آخر وہ خستہ جاں
پر یا حسینؑ کہتا تھا وہ حیدری جواں سرور کے سر کو دیکھ کے کرتا تھا یہ فغاں

فدیہ ترا میں اے شہِ عالم پناہ ہوں
آئی تھی شہ کے سر سے صدا میں گواہ ہوں

مرثیہ نمبر ۱۹

دربارِ شام

پڑھتی ہے خطبہ شام میں خواہرِ حسینؑ کی   ہر شے سے ہے بلند صدا شور و شین کی
صورت نہیں کوئی جو عزیزوں کے چین کی   روتی ہے روح فاتحِ بدر و حنین کی
اعداء تو بیٹھے کرسیوں پہ شاد ہوتے ہیں
سر کو جھکائے عابدؑ ناشاد روتے ہیں

بیٹھا ہے تختِ زر پہ یزیدِ زبوں خصال   رکھا ہے زیرِ تخت سرِ شاہِ بے مثال
پہنے کھڑا ہے بیڑیاں مشکل کشا کا لال   زینبؑ کھڑی ہے چہرے پہ بکھرے سر کے بال
کبریٰؑ اور سکینہؑ کی حالت تباہ ہے
آنسو رواں ہیں باپ کے سر پر نگاہ ہے

ب یوں بیان کرتا ہے راویِ نیک نام   زینبؑ سے یوں یزیدِ لعیں نے کیا کلام
کیوں دیکھا مرے اوج کو اے خواہرِ امامؑ   بھائی کو تیرے قتل کیا میں نے تشنہ کام
ہوتا نہ گھر تباہ جنابِ بتولؑ کا
بیعت جو میری کرتا نواسہ رسولؑ کا

شکرِ خدا کہ مجھ کو ظفر یہ خدا نے دی ۔ تھا انتشار مجھ کو بہت سخت بیکلی
میں خوش ہوا جو قتل ہوا دلبرِ علیؑ ۔ مدت کے بعد دل کی میری آرزو ملی

مقتول آج کیا ہوئے بدر و حنین کے
ننگے سر آکے دیکھیں حرم کو حسینؑ کے

یہ سن کے کانپنے لگی زینبؑ جگر کباب ۔ چہرے سے اپنے بال ہٹا کر دیا جواب
کیا بک رہا ہے ہوش میں آ خانماں خراب ۔ گردش سے چاند کے کہیں مٹتی ہے آب و تاب

ہوتا نہ وعدہ گر خلفِ بوترابؑ کا
سر کاٹتا تو سبطِ رسالت مآب کا

سن او یزیدِ بد اور اسیرِ بند بد خصال ۔ تو ہمسری کرے مرے بھائی کی کیا مجال
تو دشمنِ خدا ہے تو وہ شیدائے ذوالجلال ۔ کافر کا تو پسر ہے تو وہ شاہِ نجف کا لال

ہوتا نہ پاس دینِ شہِ مشرقین کو
کر سکتا قتل تو میرے بھائی حسینؑ کو

تو کیا ہے او لعینِ تیرا تخت و تاج کیا ۔ بھائی کو میرے حق نے کیا شاہ دوسرا
منظور تھا یہی میرے خالق کو بے حیا ۔ گردن کٹے حسینؑ کی زینبؑ ہو بے ردا

عترت بھی ہو اسیر شہِ دل ملول کی
بخشی جائے حشر میں امت رسولؐ کی

امت کے واسطے میرے بھائی نے سر دیا
رہ جائے پردہ امتِ جد میں نے دی ردا
خالق کرے قبول یہ ہدیہ فقیروں کا
کافی ہے ہم کو چادرِ تطہیر سی ردا

نازاں اس عروج پہ او نابکار ہو
اس کی ظفر ہے جس سے کہ خوش کردگار ہو

احساں ہمارے سب ہیں او بانیِ جفا
دکھلائی ہم نے معرفتِ نورِ کبریا
بعد از خدا ہے کس کی ولا فرض یہ بتا
پیدا خدا کے گھر ہوا ہے کس کا پدر ہوا

کس در پہ آ کے شاہ صدا سر جھکاتے تھے
وہ گھر ہے کون سا جہاں جبرئیلؑ آتے تھے

خالق نے کس کے جد کو کیا ختم انبیاءؐ
بابا کو کس کے ساقیِ کوثر لقب ملا
مادر ہے کس کی فاطمہؑ سی اشرف النساؑ
کچھ شرم کر او بانیٔ بدعت پے خدا

جس کو شرف ملے ہوں ربِّ مجید سے
بیعت کرے وہ فاسق و فاجر یزید سے

بیعت جو تیری کرتے کبھی سلطانِ کربلا
دین رسولؐ کا کہیں ملتا نہ پھر نشاں
پڑھتا نہ کوئی کلمۂ توحید بدگماں
اس دین کے لئے میرے بھائی نے دی ہے جاں

جو کچھ تھا پاس راہِ خدا میں لٹا دیا
بھائی نے میرے دینِ خدا کو جلا دیا

فرماتی تھیں یہ حضرتِ زینبؑ جگر فگار
بیٹھا تھا سر جھکائے یزیدِ زبوں شعار
حیراں تھے اس کلام سے فصحائے روزگار
آپس میں چپکے چپکے یہ کہتے تھے بار بار

ظاہر ہے انقلاب ہر اک پر زمانے کا
طرزِ کلام ہے یہ علیؑ کے گھرانے کا

بولا یہ تب یزید سے اک مردِ نیک نام
عورت ہے کون یہ تو بتا اے امیرِ شام
سننے میں ایسا آج تک آیا نہیں کلام
ہے کون سے گھرانے سے اور کیا ہے تیرا نام

جتلا کے تو نے چین دلِ پُر ملال کو
کیوں تو نے قید کر لیا اس خستہ حال کو

اس مرد سے یہ زینبؑ ناشاد نے کہا
یہ کیا کہے گا مجھ سے ہی سن میرا ماجرا
میں وہ ہوں جس کے بھائی کا سر تن سے کٹ گیا
میں وہ ہوں جس کا کوئی بھی وارث نہیں رہا

ناشاد ہوں غریب ہوں غم کی ستائی ہوں
میں کھو کے مال دیں بھرے گھر کو آئی ہوں

جد کا ہمارے احمدِ مختار نام ہے
بابا کا میرے حیدرِ کرار نام ہے
اماں کا میری فاطمہؑ ناچار نام ہے
بھائی کا میرے سیدِ ابرار نام ہے

بنت علیؑ نواسی شہ مشرقین کی
زینبؑ ہے میرا نام بہن ہوں حسینؑ کی

مرثیہ نمبر ۲۰

دربارِ شام

جب کہ دربار میں ناموسِ پیمبرؐ آئے　　بال کھولے ہوئے بے مقنع و چادر آئے
سر کے بالوں سے چھپائے رُخِ انور آئے　　بیڑیاں تھامے ہوئے عابدِؑ مضطر آئے
سخت آفت میں گرفتار وہ سب خوش خو تھے
ریسماں ایک تھی اور آہ کئی بازو تھے

کسی گھر پہ نہ فلک ایسی مصیبت ڈالے　　وا در یغا وہ ہجوم اور وہ پردہ والے
رنگِ رُخ زرد زباں خشک لبوں پر نالے　　تازہ اولاد کا غم زخمِ جگر پر آلے
لٹ گیا گھر کہیں چھپنے کو بھی کونا نہ ملا
قتل وارث ہوئے اور بیٹھ کے رونا نہ ملا

رسنِ ظلم سے چھلتے تھے یتیموں کے گلے　　سہمے جاتے تھے کشاکش میں وہ نازوں کے پلے
مائیں آفت میں گرفتار تھیں کیا زور چلے　　رو کہ دیکھا کبھی عابدؑ کو کبھی ہاتھ ملے
شمر کہتا تھا کہ حاکم کا غضب آئے گا
قیدیوں میں کوئی رویا تو سزا پائے گا

تھا مکیں تخت مرصع پہ لعینِ غدار
فرق پر تاج تھا اور بر میں لباس زرتار
دست بستہ عقب پشت غلاموں کی قطار
نیچے رکھا تھا سرِ پاک امامِ ابرار
رؤساء جمع عراق و عرب و روم کے تھے
اور حرم باسرِ عریاں شہ مظلوم کے تھے

کرتے تھے بہرِ خوشامد یہ مصاحب مذکور
کس دلیری و شجاعت سے لڑی فوج حضور
فتح پائی تھی نبی فاطمہ پر عقل سے دور
لیکن اس گھر کے نمکخوار جری ہیں مشہور
آج نوفل سا جواں خلق میں ممتاز نہیں
ابن کاہل سا جہاں میں قدر انداز نہیں

ایک نے تیر سے چھیدا علی اصغر کا گلو
مرگیا باپ کے ہاتھوں پہ وہ بچہ مہ رو
ایک نے حضرتِ عباسؑ کے کاٹے بازو
جس سے ٹوٹی کمرِ پاک امامِ خوشخو
جس نے جو کام کیا قابل انعام کیا
غل ہے لشکر میں کہ دو نو نے بڑا کام کیا

اور یہ رستم سے نہ ہوگا جو کیا شمر لعیں نے کام
جب گرے خاک پہ گھوڑے سے شہ عرش مقام
کھینچ کر خنجرِ خونریز پئے قتل امام
کر دیا لختِ دلِ فاطمہ کا کام تمام
کچھ وصیت کا سخن لب تلک آنے نہ دیا
سر بھی سجدے سے نمازی کو اٹھانے نہ دیا

سب تو یہ کہتے تھے ہوتا تھا خوش وہ غدار — حرمِ شاہ رسن بستہ کھڑے تھے ناچار
طیش میں آن کے یہ کہنے لگی زینبِ زار — کسی منصف سے سُن اس ذکر کو اُو نابہنجار

حال مقتل کا یہ آوارہ وطن جانتی ہے
جو ستم بھائی پہ گزرے وہ بہن جانتی ہے

ابن کاہل کی شجاعت کے ہیں بیجا اوصاف — اس سے سرزد ہوا یہ ظلم شجاعوں کے خلاف
یہ بھی جرأت ہے کوئی دل میں ذرا کر انصاف — اس خطا کو کبھی خالق نہیں کرنے کا معاف

تیرے اُس نے دلِ شیرِ خدا چھیدا ہے
دودھ پیتے ننھے بچے کا گلا چھیدا ہے

ایک سے ایک لڑے ہے یہی دستورِ عرب — جنگ میں ٹوٹ پڑے فاطمہ کے لال پہ سب
اس کی تعریف سے خوش ہوتا ہے تو ہائے غضب — نہ حمیت جنہیں کچھ تھی نہ محمد کا ادب

چڑھ کے چھاتی پہ جو سر تن سے اُتارا تو کیا
مل کے دو لاکھ نے گر ایک کو مارا تو کیا

یہ عداوت پسرِ سیدِ لولاک سے ہائے — جسم سے کاٹ کے سر لاش پہ گھوڑے دوڑائے
جاگ کر راتوں کو زہرا نے جسے دودھ پلائے — بعد مرنے کے سید کفن و گور نہ پائے

تنِ عریاں کو عجب حال سے رَن میں چھوڑا
کہنہ جامہ بھی نہ سید کے بدن میں چھوڑا

میرے نانا نے نہ لوٹا کسی کافر کا بھی گھر
عورتوں سے نہ کوئی بولتا تھا بعدِ ظفر
قید میں حاتمِ طائی کی جو آئی دختر
خود اسے احمدِ مرسل نے اڑھائی چادر

کہتے تھے دخترِ جوادیہ کہلاتی ہے
اس کے ہاتھوں کو نہ باندھو مجھے شرم آتی ہے

تھا محمدؐ کو تو کافر کی بھی حرمت کا خیال
ہاتھ سے تیرے ہوا آلِ محمدؐ کا یہ حال
منہ چھپانے کو نہ برقع نہ ردا نے رومال
اپنے چہرے پہ بندھے ہاتھوں سے بکھرائے ہیں بال

کھو کے بھائی کو مصیبت میں پڑی ہے زینبؑ
تیرے دربار میں سر ننگے کھڑی ہے زینبؑ

سن کے یہ شمر سے کہنے لگا یہ حاکمِ شام
کون ہے یہ کہ فصاحت سے جو کرتی ہے کلام
غیظ میں آکے یہ کہنے لگی ہمشیرِ امام
اس کیا پوچھتا ہے مجھ سے سن او بد انجام

اب تو قیدی ہوں رسن بستہ ہوں پیاسی ہوں میں
جس کی امت میں ہے تو اس کی نواسی ہوں میں

شمر کو دیکھ کے بولا وہ علیؑ کا دشمن
کھول دے قیدیوں کے بازو و گردن سے رسن
جب چھٹیں بند رسن سے وہ گرفتارِ محن
تب سکینہؑ نے لیا کرتے کا منہ پر دامن

باپ کے غم میں دلِ زار جو تن میں تڑپا
ایسا روئی کہ سرِ پاک لگن میں تڑپا

بولا حاکم کہ نہایت ہے تجھے باپ کی چاہ — تخت کے نیچے یہ کیا طشت میں ہے کر تو نگاہ

پاس جا کر جو لگی دیکھنے با نالہ و آہ — خون میں ڈوبا ہوا اس کو نظر آیا سرِ شاہ

طشت پر گر کے پکاری کہ یہ حال آپ کا ہے

لو پھوپھی جان یہی سر تو مرے باپ کا ہے

گود میں لے کے سرِ ابنِ علیؑ چلائی — اِن کھلی آنکھوں کے قربان تمہاری جائی

ایسے بھولے کہ نہ بیٹی بھی تمہیں یاد آئی — اتنی مدت میں یہ کیا شکل مجھے دکھلائی

کیا خموشی ہے لبِ لعل تو کھولو بابا

کیا غضب ہو گیا کچھ منہ سے تو بولو بابا

تیر اس چاند سے ماتھے پہ لگایا کس نے — حلق پہ خنجرِ بیداد پھرایا کس نے

خون اس گردنِ نازک کا بہایا کس نے — چھوٹے سے سن میں مجھے تم سے چھڑایا کس نے

اماں سر پیٹتی ہیں کیا انہیں سمجھاؤں میں

آؤ کرتے میں چھپا کر تمہیں لے جاؤں میں

مرثیہ نمبر ۲۱
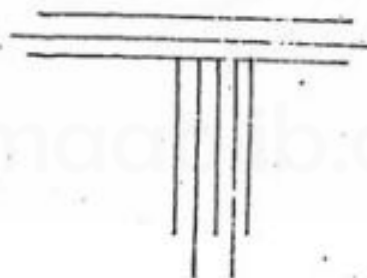
دربارِ شام

آتا ہے سر امام کا بزمِ یزید میں
محشر بپا ہے آلِ رسولؐ مجید میں
سامانِ رقص و عیش ہیں قصرِ پلید میں
سینہ زنی ہے عترتِ شاہِ شہید میں
دربارِ عام میں تو سبھوں کا ہجوم ہے
سیدانیوں میں ہائے حسینا کی دھوم ہے

راوی بیان کرتا ہے لب پہ لیوں بچشمِ نم
داخل ہوا جو شام میں سب لشکرِ ستم
پہنچی یزید کو خبرِ آمدِ حرم
بولا حسینؑ پر ہوئے منصور آج ہم
سر طشت میں دکھاؤں گا ابنِ بتولؑ کا
دربار میں ہو داخلہ آلِ رسولؐ کا

یہ سن کے رسیاں لئے اٹھے کئی شقی
آئے حرم کے قافلہ میں جب وہ مدعی
زینب کا بازو گردنِ سجاد بندھ گئی
دربار کو چلے حرمِ دلبرِ نبیؐ
پھر کیا تھا مو بمو جو یہ تازہ غضب تھا
رک رک کے دم سکینہ کا نکلے عجب تھا

پیشِ یزید آیا حرم کا جو کارواں ‏ اغلب تھا جانِ دخترِ حیدر کی ہو رواں
دیکھا یزید نے جو سکینہ کو ناگہاں ‏ پوچھا یہ کون ہے تو کیا شمر نے بیاں

بیٹی ہے یہ جنابِ شہِ مشرقین کی
بالی سکینہ ہے یہی دخترِ حسینؑ کی

پوچھا یزید نے کہ پدر تیرا کیا ہوا ‏ بولی سکینہ جانبِ دربارِ حق گیا
ہوتے پدر جو زندہ تو بند ھتا مرا گلا ‏ یوں سر برہنہ آتی میں بلوے میں بے ردا

اک جان سو طرح کی بلادِ عنا میں ہے
وارث ہے ایک بھائی سو قیدِ جفا میں ہے

بولا یزید دل میں ترے آرزو ہے کیا ‏ بولی سکینہ سر مجھے دکھلا دے باپ کا
القصہ کھل گیا رسنِ ظلم سے گلا ‏ طشت طلا دکھا کے یہ حاکم نے دی صدا

آلودہ خاک سے ہے تو خوں سے بھرا ہوا
لے اس میں تیرے باپ کا سر ہے دھرا ہوا

پرشر طہے اٹھا کہ نہ سر کیجیو تو بین ‏ آپ ہی سے آگئے گود میں تیرے سرِ حسینؑ
سرپوش کو اٹھا کے پکاری وہ نورِ عین ‏ اے فاطمہؑ کے لعل حبیبِ مصطفےٰ کے چین

چھونے کو سر کو حکم نہیں غم کی ماری ہوں
آجاؤ میری گود میں گر تم کو پیاری ہوں

دیکھا سبھوں نے کانپ گیا سر حسینؑ کا　　بولا سکینہ لاڈلی تم پر سے میں فدا
پھیلاؤ ہاتھ آیا ہوں میں غم کا مبتلا　　یہ کہہ کے اٹھا طشت سے فرقِ شہدا
کانپی زمین تختِ ستمگر الٹ گیا
بیٹی سے آن کر سرِ سرور لپٹ گیا

منہ رکھ کے منہ پہ بولی سکینہ کہ یا حسینؑ　　بعد آپ کے ملا نہ ہمیں ایک لحظہ چین
پہنائے تھے جو آپ نے گوہر زیب و زین　　اُن کے لئے یہ ظلم ہوا شاہِ مشرقین
شمرِ لعیں نے چھین کے یہ حال کر دیئے
مارے طمانچے نیلے مرے گال کر دیئے

کیا کیا نہ بعد آپ کے ہم پر ہوئی جفا　　کھائے طمانچے شمرِ لعیں کے مابینِ کربلا
آئی جو شام میں تو بندھا ننھا سا گلا　　معصوم میں جو بھوکا تھا ہرگز نہ وہ مٹا
بلوا لو پاس صدمے اٹھائے نہ جائیں گے
اب تو طمانچے شمرؔ کے کھائے نہ جائیں گے

رونے لگے بیانِ سکینہ پہ اہلِ شام　　حاکم نے تب یہ شمر سے ہنس کر کیا کلام
دربار میں ہے اس گھڑی انبوہِ خاص و عام　　ایسا نہ ہو کہ برسرِ پرخاش ہوں تمام
صدمہ ہے ایک ایک کے جانِ ملول پر
واللہ جانے رحم ہے آلِ رسول پر

کیا دیکھتا ہے چھین لے فرقِ شہِ ہدا اٹھا یہ سن کے قاتلِ دلبندِ مصطفےٰ
بولا سکینہ باپ کے سر سے ہو اب جدا بس بس بیان حال جو ہونا تھا ہو چکا

اب پھر وہی الم ہے وہی ننھی جان ہے
اب پھر وہی گلا ہے وہی ریسمان ہے

یہ کہنا تھا کہ سہم گئی شہ کی گلعذار بولی ابھی تو آئے ہیں بابائے نامدار
ظالم خدا کے واسطے کر نہ دے مجھکو پیار یہ سنتے ہی غضب میں بڑھا شمرِ نابکار

دھڑ کا دلِ حزیں کو ہوا سانس الٹ گئی
بابا کے سر سے خوف کے مارے لپٹ گئی

آیا قریب شمر تو بھاگی وہ دل حزیں زینب کے پاس آ کے وہ حضرت کی نازنیں
چلائی سوئے عابدِ بیکس وہ مہ جبیں بھیا چھپاؤ جلد کہ آتا ہے اب لعیں

ہرگز نہ مانے گا وہ ہزار اب بکا کروں
سجادؑ بولے ہاتھ بندھے ہیں میں کیا کروں

اتنے میں شمر آن ہی پہنچا قریب آہ چاہا کہ تازیانہ لگائے وہ روسیاہ
ناگاہ سب نے دیکھی عجب قدرتِ الٰہ اک پنجہ آشکار ہوا آ کے مثلِ ماہ

آئی صدا کہ دیکھ اٹھانا نہ ہاتھ کو
دوں گا ابھی الٹ ورقِ کائنات کو

مارے بہت طمانچے کہاں تک لب جفا
شیرِ خدا کو بھولا تھا وہ دشمن خدا

پوتی کو میری اب تو طمانچہ لعیں لگا
یہ سن کے وہ لعین تو غش کھا کے گر پڑا

بولی سکینہ قید الم سے چھڑا لیا
صدقے میں دادا جان کے مجھ کو بچا لیا

زینب بھی اس طرح سے ہوئی پھر تو نعرہ زن
بیٹی کی کچھ خبر بھی ہے یا شاہِ بت شکن

جو ہاتھ میں پنہائے تھے حضرت نے نورتن
سو دیکھو وہی بازو ہے وابستہ رسن

مر جاؤں اب دعا پئے ربِ علا کرو
مشکل کشا پدر مرے عقدہ کو وا کرو

بابا سرِ حسینؑ کٹا جب کہاں تھے تم
اہلِ حرم کا خیمہ جلا جب کہاں تھے تم

اتری ہمارے سر سے ردا جب کہاں تھے تم
پوتا تمہارا قید ہوا جب کہاں تھے تم

بابا عجب طرح کی بلا میں پڑی ہوں میں
دربار میں لعیں کے کھلے سر کھڑی ہوں میں

مرثیہ نمبر ۲۲

دربارِ شام

دربارِ شام میں جب بیکسوں کو شام ہوئی — وہ رات پیٹنے رونے میں سب تمام ہوئی
ہوئی جو صبح کمربستہ فوجِ شام ہوئی — ہوا یزیدِ لعیں برآمد یہ دھوم دھام ہوئی

فلک ستائی مصیبت کی مبتلا زینبؑ
چلی یزید کی محفل میں بے ردا زینبؑ

تمام شہر کے باشندے سن کے یہ اخبار — نکل نکل کے گھروں سے چلے سوئے بازار
یہ ایک ایک سے کہنے لگا پکار پکار — یہ سیر پھر نہ کبھی ہاتھ آئے گی زنہار

علیؑ و فاطمہؑ کی گود کے پلے قیدی
چلو یزیدِ لعیں کے دربار میں چلے قیدی

لکھا ہے یہ کہ وہ بارہ اسیر بے تقصیر — بندھے تھے ایک رسن میں بہ حالت تغیر
سر اپنا خم کئے سجادؑ جانب زنجیر — اور ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے سرِ زنجیر

لرز لرز گیا لاشہ شہ مدینہ کا
رسن کا جھٹکا تھا اور حلق تھا سکینہؑ کا

یہ راہ گیروں سے کہتے تھے سیدِ سجادؑ کہ ہم اسیر تمہارے نبیؐ کی ہیں اولاد
غریب و بیکس و مظلوم خانماں برباد یہ جان لو کہ یتیموں کی ہے بری فریاد

خدا کے عرش کو اس وقت زلزلہ ہوگا
جو قیدیوں کو نہ دیکھو گے تم تو کیا ہوگا

پھر اپنے بچوں کو وہ صدقے کر کے سیب و انار سکینہؑ جان کو دکھلا کے کرتے تھے گفتار
یہ میوے نوش کر اے دخترِ شہِ ابرار کہ رنج فاقہ کشی سے کچھ آئے تجھ کو قرار

رہے گی پیاس کی سوزش نہ تیرے سینے میں
نہ کھائے ہوں گے یہ میوے کبھی مدینے میں

علیؑ کی پوتی نے ان عورتوں سے جب یہ سنا اٹھا اٹھا کے سر اپنا سوئے فلک دیکھا
پھر ایک آہ بھری اور یہ جواب دیا ہم ایسے بھوکے نہیں جو کھائیں میوہ

اگرچہ آج میں بھوکی ہوں اور پیاسی ہوں
مگر میں صاحبِ معراج کی نواسی ہوں

اسی طرح سے غرض پھر کے دربدر وہ سب گئے یزید کے دربار میں وہ قیدی جب
دلوں پر اور ہوا صدمہ ملال و تعب وہ بارگاہ نظر آئی بزم عیش و طرب

خوشی دلوں کو وہ تھی کہ جیسے عید کو ہووے
یہ غل ہے فتح مبارک یزید کو ہووے

لکھا ہے پہلے جو آیا وہ روبروئے یزیدؔ
وہ شمرؔ تھا شہِ دیں کو کیا تھا جس نے شہید
دکھا کے سرِ شہِ بیکس کا وہ لعین پلید
امیرِ شام سے کہنے لگا بصد تاکید
میں پنجتن کو جہاں سے مٹا کے آیا ہوں
یہ تحفہ تیرے لئے کربلا سے لایا ہوں

کہا یزیدؔ نے جب شہ کو تو نے ذبح کیا
بتا مجھے پسرِ فاطمہؑ کا حال تھا کیا
وہ شکر کرتا تھا یا کچھ ملول خاطر تھا
پکارا شمرؔ کہ صابر نہ تھا کوئی ایسا
قسم خدا کی ہے خنجر گلے پہ چلتے تھا
وہاں زخم سے پر شکرِ حق نکلتا تھا

یہ کہہ کے سامنے حاکم کے رکھ دیا وہ سر
کمر سے اپنے نکالے پر اس نے دو گوہر
کہا یزیدؔ نے کیا ہے یہ بولا وہ ہنس کر
یہ جو اسیروں میں بیٹھی ہے شاہ کی دختر
یہ موتی کانوں کے اس بچی کے اتارے ہیں
اسے طمانچے بھی غصے میں میں نے مارے ہیں

مرثیہ نمبر ۲۳

دربارِ شام

عزیزو حادثہ نو فلک دکھاتا ہے
حرم کا قافلہ پیش یزید جاتا ہے
گلے بندھے ہیں بدن سب کا تھرتھراتا ہے
نہ سانس لیتے ہیں قیدی نہ بولا جاتا ہے
جو گرتے ہیں تو ستمگار نیزے مارتے ہیں
وہ رو کے حیدر کرار کو پکارتے ہیں

کہوں اسیروں کا سب حال کیا مجال ہے کیا
یہ ہاتھ باندھنے کا مضمون ہے، دست بستہ کھڑا
ہوا ہے بیڑیوں سے بس کہ غلغلہ پیدا
بتول خلد میں حیدر کو دے رہی ہے صدا
بلند کرتی ہے فریاد یا علیؑ زینبؑ
چلو یزید کے دربار میں چلی زینبؑ

جفائے راہ کے کہنے میں کانپتی ہے زباں
غرض کہ داخل مجلس ہوئے بہ آہ و فغاں
مگر کب آئے حضور یزید بے ایماں
کہ چوب بید تھی اور شاہ کے لب و دنداں
چھڑی تو ایک تھی پر ظلم دو نمایاں تھے
بزیر چوب کبھی لب تھے گاہ دنداں تھے

یہ ظلم دیکھ کے زینبؑ نے کرلیں آنکھیں بند
پکارا شمر یہ دربار کیا نہ آیا پسند
تو آنکھیں کھولو نہیں ظلم ہوئیگا دو چند
فلک کو دیکھ کے رونے لگی وہ غیرت مند

کہا یزید نے کیا آسمان کو دیکھا
وہ رو کے بولی کہ خالق کی شان کو دیکھا

کہا یزید نے تب شمر سے بہ طیش تمام
یہ کون ہے کہ جو بڑھ بڑھ کے کر رہی ہے کلام
وہ بولی پوچھ مجھی سے یہ جانے کیا مرا نام
میں لٹنے والی ہوں کنبے کی زینبؑ ناکام

علیؑ کی آئی ندا میری پیاری دختر ہے
سرِ حسینؑ پکارا ہماری خواہر ہے

یزید جائزہ پھر قیدیوں کا لینے لگا
نظر پڑی اسے اک شاہزادی ماہ لقا
الٹ کے ڈالا ہے منہ پر بیٹھا ہوا کرتا
اور اس پہ ہاتھوں سے پردہ کیا ہے چہرہ کا

ہے سن میں خرد بزرگوں کا پر قرینہ ہے
کہا یہ کون ہے بولا عمر سکینہؑ ہے

یزید حال سکینہؑ پہ رو دیا اور یہ کہا
سکینہؑ تجھ کو بہت چاہتا تھا باپ ترا
وہ بولی چاہنا کیسا پدر تھے مجھ پہ فدا
زباں پر تھا سکینہؑ سکینہؑ صبح و مسا

سلاتے تھے مجھے شبیرؑ اپنے داماں میں
اور اب تو خاک میں سوتی ہوں وہ زنداں میں

یزید نے کہا جنت میں میوے ہیں اکثر
سکینہؑ تم کو کھلاتا تھا کیا تمہارا پدر
رطب رطب کہا اس بے پدر نے تتلا کر
دکھا کے نیل طمانچوں کا بولی گھبرا کر

پدر نے تحفہ رطب کھلائے ہیں
اور ان کے بعد تو ہم نے طمانچے کھائے ہیں

یزید بولا رطب دوں تو کھا لیگی ناداں
سکینہ بھوکی تو تھی ہو کے خوش پکاری ہاں
مگر سکینہؑ کی خاطر وہاں رطب تھے کہاں
دیا شقی نے طبق میں سر امام زماں

پکاری حصر میں میرے رطب یہ کیا ہے
کسی یتیم نے لوگو یہ میوہ کھایا ہے

اٹھایا اس نے جو سرپوش تو یہ آیا نظر
تڑپ رہا ہے سر اک مردہ کا لہو میں تر
ڈری وہ پہلے تو اور پھر کہا یہ رو رو کر
رطب نہیں ہے رطب کے کھلانے والے کا سر

سلام کر کے طبق سے اٹھا لیا سر کو
لہو بھرا ہوا کرتا دکھا دیا سر کو

لہو کے ٹوٹے حلقوم کا جبیں پہ ملا!
لبوں پہ رکھ دیئے لب اور پکاری یا ابتا
حسینؑ چھوٹے سے سن میں مجھے یتیم کیا
شہید بابا مجھے بچپنے میں داغ دیا

جہاں سے ہائے جو یوں جلد تم کو جانا تھا
تو صدقے جاؤں نہ اتنا مجھے ہلانا تھا

مرثیہ نمبر ۲۴

زندان شام

سر کھلے قید میں جب دخترِ زہرا آئی
دیکھنے ہند اسیروں کا تماشہ آئی
جب کہ نزدیک سرِ سید والا آئی
دیکھ کر اس نے کہا سر پہ بلا کیا آئی

پوچھوں ان قیدیوں میں کس سے حقیقت انکی
ملتی ہے احمدِ مختار سے صورت انکی

کہا لونڈی سے کہ جا بیبیوں سے پوچھ ذرا
کس قبائل سے ہو تم اور وطن ہے کس جا
گر مدینہ کہیں تو پوچھیو حالِ آقا
ٹھیک اس سر سے ہے شبیر کا نقشہ ملتا

قیدان بیبیوں میں دخترِ حیدر تو نہیں
پوچھیو یہ سرِ فرزند پیمبر تو نہیں

کہا لونڈی نے چلو گھر تمہیں اس قصے سے کیا
آئی تھیں دیکھ لیا خیر جو ہونا تھا ہوا
ہند نے غور سے پھر جانب زندان دیکھا
دیکھا اک لڑکی ہے بیٹھی ہوئی کونے میں جدا

کہا لونڈی سے وہ لڑکی جو نظر آتی ہے
اس تلک چل کہ طبیعت مری گھبراتی ہے

ہند اٹھی یاں سے سکینہ نے ادھر دیکھا یہ چلی اور سکینہ نے بھی زانو بدلا
ہند پھر بیٹھ گئی دیکھ کے گردن کو جھکا کہا لونڈی سے کہ جا جلدی مری بیٹی کو لا

بڑے ملنے سے اگر غیروں کے شرماتے ہیں
بچے دستور ہے بچوں سے بہل جاتے ہیں

لونڈی دوڑی گئی بیٹی کو لے آئی جا کر دیکھا بیٹی نے کہ ماں کے نہیں سر پہ چادر
پوچھا گھبرا کے کہ کیوں کھول دیا اپنا سر ہند نے رو کے کہا چپکے سے بولو دختر

صورت اک دم کو بگاڑو نہ سنوارو ٹوپی
تم بھی سر کھول دو للہ اتارو ٹوپی

سنا تھا تم نے بھی غل قیدیوں کے آنے کا واری ماں مجھ کو بھی پھر ہوا آنے اس جا
آئی کچھ دیکھنے کو آکے یہاں کچھ دیکھا سنی ان قیدیوں میں ہائے حسینا کی صدا

سن کے اس نام کو دم سینے میں گھبراتا ہے
اپنے آقا کی طرف سے مجھے تنگ آتا ہے

تجھے بلوایا ہے اس واسطے میں نے بیٹی دیکھ کر حال مجھے پوچھتے ہے شرم آتی
خاک پر بیٹھی ہوئی سامنے جو ہے لڑکی بیٹھ جا خاک پہ کچھ فرق سے جا کر تو بھی

جائے عبرت ہے بھلا دے یہ جو گھر کی باتیں
کرکے کچھ بات سن اس خستہ جگر کی باتیں

ہند نے بیٹی سے اپنی کیا جس دم بیاں
بچی گھبرا کے ہوئی سوئے سکینہ نگراں

ماں کی گودی سے چلی پھینک کے ٹوپی ناداں
آئی نزدیک سکینہ کے جو وہ سوختہ جاں

کر کے تسلیم پکاری مری ناداں بہن
خاک پر بیٹھی ہے کیوں اے ترے قرباں بہن

پھٹ کر تا ہے پر داغ ہیں اس میں کیسے
کہا گھبرا کے سکینہ نے لہو کے دھبے

رنج ہوتا ہے بہن کہہ کے پکارو نہ مجھے
اجنبی سے نہیں اس طرح سے ملتے جلتے

تو بہن کہتی ہے بس جان چلی جاتی ہے
ایک بچھڑی بہن اپنی مجھے یاد آتی ہے

ماں سوا اس کے میں تجھ سے کہوں کیا حال اپنا
جب سے پیدا ہوئی میں اپنے پرائے پر کیا

نہ بہن مجھ کو کسی نے کہا بی بی کے سوا
تو نے بہنا جو کہا یہ بھی ہے احساں ترا

خیر سن لیتی ہوں جیسی کوئی کہہ جاتا ہے
قیدی کہہ جاتا ہے لونڈی کوئی کہہ جاتا ہے

سن کے ناداں کی تقریر کو ناداں روئی
کہا اب آپ کو لونڈی نہ کہے گا کوئی

بی بی غم کھائیے تو کیا ہوا اور کیا گزری
کہا ناداں نے باتوں کی نہیں میں عادی

یاں تلک خیر ہے باتیں جو سوا ہوئیں گی
سامنے بیٹھی ہیں اماں وہ خفا ہوئیں گی

ہوتی ہے کون سی راحت جو نہ پائی میں نے
باپ بھائی بھی ملے بہنیں بھی پائی میں نے
آج تک گھر کی کسی کی نہیں کھائی میں نے
میری آنتو نخ اٹھائی نہ اٹھائی میں نے

پھوپی نے آنکھ دکھائی نہ چچی نے گھر کا
آج تک مجھ کو نہ کنبہ میں کسی نے گھرکا

کیا کہوں گھر کبھی کنبہ سے بھرا تھا میرا
میں ہی اک گھر میں نہ تھی کنبہ سوا تھا میرا
چچیاں تھیں بہنیاں تھیں بھائی تھا چچا تھا میرا
باپ ہو گا نہ کسی کا جو چچا تھا میرا

سارا گھر چاہنے والا تھا ادھر اور میں تھی
گود عباس کی تھی آٹھ پہر اور میں تھی

گر چچی جان سے ہمشکل نبی نے چھینا
پیار میں آ کے بھتیجے سے چچی نے چھینا
چچی کی گود میں آئی تو پھوپی نے چھینا
شمر کے ہاتھ سے لیکن نہ کسی نے چھینا

چلنے پھرنے کا مزا کبھی نہیں چکھا میں نے
اب سوا پاؤں زمیں پر نہیں رکھا میں نے

سوتی بستر پہ نہ تھی باپ کے سینے کے سوا
جاگ اٹھتی تھی تو لے لیتے تھے گود میں چچا
ان سے لے کر چچی منہ ہاتھ دھلاتی تھیں اپنا
گوندھ کر سر مرا پہناتی تھیں اجلا کرتا

شمر کے ہاتھ سے اب شاق ہے جینا مجھکو
چھین لیں بالیاں اور سارا طمانچہ مجھکو

مرثیہ نمبر ۲۵

زندانِ شام

سر ننگے جب حرم گئے دربارِ شام میں — شور و فغاں تھا مرقدِ خیر الانام میں
دکھلا کے بیکسوں کو عدو اژدہام میں — لائے رسن میں باندھ کے دربارِ عام میں
دربار میں جو چار گھڑی تک کھڑے رہے
زنداں میں جا کے غش کئی ساعت پڑے رہے

بانو کو جو سوادِ شبِ اسود نظر پڑا — اصغر کو قید خانے میں دل ڈھونڈنے لگا
دوڑی وہ قتل گاہ کی جانب برہنہ پا — زینب پکاری روکے کہ بھابی ہوا یہ کیا
زنداں سے بھی اسیر کہیں بھاگ جاتے ہیں
وہ بولی کیا کروں علی اصغر بلاتے ہیں

سب وارثوں کی یاد میں کرتے تھے یہ کلام — وردِ زباں سکینہ کے تھا شاہ دیں کا نام
کہتی تھی ڈھونڈتی ہوئی آئی ہوں تا بہ شام — لیکن نظر نہ آئے کہیں بھی ہمیں امام
حیران ہوں اب وہ الفتِ شبیر کیا ہوئی
کھلتا نہیں سکینہ سے تقصیر کیا ہوئی

نزدِ سکینہ رونے لگے آن کر حرم — سینے پہ ہاتھ رکھ کے کوئی دیکھتا تھا دم
شانہ کوئی ہلاتا تھا اس کا بچشم نم — کہتی تھی رو کے بانوئے شاہنشہِ امم
واری ملیں پدر سے مری آس توڑ کے
جنّت کو چل بسیں مجھے زنداں میں چھوڑ کے

زینبؑ نے رو کے بانوئے مغموم سے کہا — بے آس ہو نہ بھابی یہ غش میں ہے سا مہ لقا
اور مر گئی تو خیر جو اللہ کی رضا — اب اس کے رفعِ غش کی ہے اموقتہ دردا
ہے عاشقِ حسین یہ پیاری حسینؑ کی
سب غل کرو کہ آئی سواری حسینؑ کی

غش میں سکینہ باپ کی پائے گی جب خبر — فی الفور کھول دیگی ابھی آنکھیں نوحہ گر
آخر پکارے اہلِ حرم رو کے یک دِگر — اٹھو سکینہؑ جان اٹھو آئے ہیں پدر
عباسؑ بھر کے نہر سے مشکیزہ لائے ہیں
قاسمؑ بھی آئے ہیں علی اکبر بھی آئے ہیں

شانہ ہلا کے سب نے جو کی یہ صدا بلند — اٹھ بیٹھی آنکھیں کھول کے غش سے وہ دردمند
اور سہم کر اندھیرے سے پھر کرلیں آنکھیں بند — پھیلا کے ہاتھ بولی کہ لے شاہِ ارجمند
بابا کدھر ہو آ کے اٹھاؤ سکینہ کو
صدقے گئی گلے سے لگاؤ سکینہ کو

چپکے سے ماں نے عابدؑ بیمار سے کہا
بیٹا گلے لگا لو بہن کو تم ہی ذرا
عابد نے آکے اس کو گلے سے لگا لیا
سمجھی وہ بے پدر کہ یہی ہے پدر مرا

تاریک گھر میں شکل نظر گو نہ آتی تھی
عابدؑ کے پاؤں آنکھوں سے رو کر لگاتی تھی

رو کر پکارتی تھی اسے روشنی منگاؤ
بابا کو مرے کانوں کا لو گو ورم دکھاؤ
بانو سے کہتی تھی کہ اِدھر آؤ جلد آؤ
بے رحم کے طمانچوں کی روداد تم سناؤ

بابا میں صبح کو بھی اگر تم کو پاؤں گی
اپنا لہو بھرا ہوا کرتا دکھاؤں گی

ناگاہ ہاتھ جا پڑا زنجیر و طوق پر
رو کر پکاری قید ہوئے تم بھی اے پدر
لو میں گلا یہ کرتی تھی ہر شام و ہر سحر
بابا نے ہم سے کر لئے لب بند اس قدر

روتی تھی میں تمہاری زیارت کے شوق میں
پر یہ خبر نہ تھی کہ ہو زنجیر و طوق میں

بابا بتاؤ اصغر بے شیر ہے کہاں
اس کے گلے میں طوق ہے منت کی ہنسلیاں
بھیا نے پایا آبِ بقا خشک تھی زباں
کڑھتے تو ہو لگے مری جان آئی سے بھائی جان

یہ تو کہو کہ سیر تم آب و غذا سے ہو
یا تم بھی ہم سبھوں کی طرح بھوکے پیاسے ہو

مرثیہ نمبر ۲۶

زندانِ شام

داخلِ خانۂ زنداں ہوئے جس دم قیدی
خاک پہ بیٹھ کے رونے لگے باہم قیدی
بین کرتے تھے یہ اس طرح سے پُرغم قیدی
مر گیا فاطمہؑ کا لال ہوئے ہم قیدی

کوئی وارث نہیں اور دولت و زر پاس نہیں
دائم الحبس ہوئے چھٹنے کی آس نہیں

کون اپنا ہے کہیں کس سے مصیبت اپنی
درد کس کو ہے دکھائیں کسے حالت اپنی
استخوان باقی ہیں تن میں ہے یہ صورت اپنی
بیٹھ کر اٹھ نہیں سکتے گئی طاقت اپنی

لونڈیاں صدقے کہاں بیٹھے ہو آؤ شبیرؑ
ہم کو زنداں کی مصیبت سے چھڑاؤ شبیرؑ

اتنے میں وقت چراغوں کا ہوا شام ہوئی
در مقفل ہوا دربانوں نے بدلی چوکی
قبر کی طرح سے زنداں میں ہوئی تاریکی
ایک کو ایک کی صورت نظر آنے سے رہی

بیبیاں رو رو کے لگیں خاک سے سر ٹکرانے
رکھ کے ہاتھ آنکھوں پہ لگے معصوم چلانے

اپنی اماں سے کوئی کہتا تھا بچہ رو رو — اماں ڈر لگتا ہے چھاتی سے لگا لو ہم کو
کوئی کہتا تھا کہ گودی میں بٹھا لو ہم کو — جھانکتا ہے کوئی دروازے سے اماں دیکھو

کوئی کہتا ہے کہ بابا کو بلاؤ اماں
کوئی چلاتا تھا کہ بابا کو بلا لو اماں

بیبیاں رو رو کہتی تھیں بلائیں کسے ہم — جنکو بلواتے ہو تم وہ تو گئے سوئے عدم
نہ تو بابا ہے تمہارا نہ برادر ہے نہ عم — رن میں سب مارے گئے سب پہ چلی تیغ ستم

داد رس کون تمہارا ہے نہ فریاد کرو
بابا یاد آئیں تو اللہ کو تم یاد کرو

ننھی سے جان تو بکو ڈھارس ہوئی سنکر یہ کلام — بیوؤں کی زینت آغوش ہوئی وہ گلفام
ماں کی گودی میں سکینہ نے کیا جب آرام — خواب میں دیکھی کیا ہے کھڑے ہوتے ہیں امام

سینکڑوں خون کے دھبے ہیں لباس شہ میں
اجلا رومال سا لپٹا ہے کمر کی تہ میں

دوڑ کر شاہ کی چھاتی سے سکینہ لپٹی — اور کہنے لگی کیا خوب خبر لی میری
بابا صاحب مجھے یہ آپ سے امید نہ تھی — منہ چھپا بیٹھو تم اور کان ہوں میرے زخمی

حیف دم میرا گھٹے اور میں کڑھوں غم کھا کر
تم نہ رسی میری گردن سے نکالو آ کر

پھر لگی پوچھنے بابا کیا ہے احوال خاک ہے گیسوؤں میں تیغ عمامہ کے ہیں لال

دبے پوشاک میں ہیں ساری قبا ہے غربال پھوپھی کڑھ جائیں گی یہ دیکھ کے حضرتؑ کا جمال

بیٹھو مسند پہ بس اب یاں نہ کھڑے ہو بابا

چل کے حمام کرو کپڑے بدل لو بابا

بھر کے اشک آنکھوں میں حضرتؑ نے یہ ارشاد کیا لشکرِ ظلم کے ہاتھوں یہ میرا حال ہوا

اے سکینہؑ میرا سر تن سے جدا جب کہ ہوا تن بدن نیزوں سے سارا میرا غربال ہوا

خون عمامہ میں بھرا گیسوؤں میں خاک بھری

میں جو تڑپا تو لہو میں میری پوشاک بھری

شاہ نے بچے کے رخسار سے سرکائی ردا دیکھا اس شکل سے اس بچی نے چہرہ اس کا

آنکھیں تو بند ہیں اور دودھ سے باچھ منہ میں بھرا بولی وہ مانو کوئی دن ہوئے ماں سے ہو جدا

کس کی آغوش کو آباد کیا ہے بھیا

ماں کے بے اذن کہاں دودھ پیا ہے بھیا

شہؑ نے فرمایا نہ ہر دم علی اصغرؑ کو پکار چین سے سوتا ہے سونے دے اسے اے دلدار

تب سکینہؑ نے یہ کی عرض کہ میں تم پہ نثار دیکھ لے ماں بھی ذرا بیٹے کا اپنے دیدار

تم نہ جانا کہیں بابا میں ابھی آتی ہوں

اماں کو جا کے اسی دم میں بلا لاتی ہوں

کہہ کے یہ بات سکینہؑ نے جو نہی منہ موڑا
کھل گئی آنکھ نظر آئے نہ شاہِ والا
سن کے جی ہو گیا دل سینہ میں گھبرانے لگا
ماں کی گودی میں تھی اور اندھیرا گھر کا

آنکھیں ملتی ہوئی ہاتھوں سے وہ مضطر اٹھی
باپ کو ڈھونڈتی گودی سے تڑپ کر اٹھی

ہاتھ پھیلائے ہوئے دوڑی وہ غم کی ماری
ڈھونڈتی پھرتی ہے حضرتؑ کو بلکتی روتی
پھاڑ پھاڑ آنکھیں ہر اک سمت نظر تھی کرتی
پر نظر آتی نہ تھی شکل حسینؑ ابنِ علیؑ

ہو کے مایوس وہ چلاتی تھی ہے ہے بابا
کس جگہ بیٹھے ہو کس جا پہ کھڑے ہو بابا

پوچھے دربانوں سے دروازے پہ جا کر کوئی
باہر آئے تو نہیں لوگو حسینؑ ابن علیؑ
اٹھ کے سجادؑ سرِ راہ کھڑے ہو جلدی
راہگیروں سے پتا دے کہ یہ پوچھو تو سہی

سر سے پا تک کسی کو خون میں تر دیکھا ہے
بچہ گودی میں لئے کوئی بشر دیکھا ہے

روئے سب اہلِ حرم سن کے سکینہؑ کا یہ بین
قید خانہ میں ہوا جلسۂ فزوں شیون و شین
بولی کلثومؑ کہاں بیٹھے ہو اے بھائی حسینؑ
شکل دکھلا دو اسے سوتی ہے یہ نور العین

کہا زینبؑ نے سلامت جو وہ سرور ہوتا
اے مری جان جدا ظلم یہ تم پر ہوتا

سن کے یہ شور ہوا سونے سے حاکم بیدار — پوچھا لوگوں سے یہ کیا شور ہے کیوں ہے یہ پکار

دیکھو تو عابدِ بیمار ہے کھینچے تلوار — کاٹ لیں اس کا بھی سر جائیں پیادہ اسوار

کہا لوگوں نے لڑائی نہیں کچھ ہوتی ہے

ایک لڑکی ہے وہ حضرت کیلئے روتی ہے

سن کے یہ خولی سے کہنے لگا وہ بد اختر — خوان میں رکھ کے سرِ شاہ اسے دکھلا کر

سن کے فرمان چلا لے کے لعین شاہ کا سر — خوان پوش اس پہ پڑا اور سنہری چادر

بہرِ تعظیم پدر عابدِ مضطر آئے

خون کے جوش سے بہنوں کے جگر بھر آئے

کھول کر خوان کو کیا دیکھتی ہے بنتِ علیؑ — بھائی کا سر ہے دھرا خوب سر اپنا پیٹی

امِ کلثوم نے سرِ شاہ کا ڈھانکا جلدی — شہ کی بو پا کی سکینہؑ کو ہوئی بے چینی

روئی اور کہنے لگی چھاتی پھٹی جاتی ہے

کچھ مرے باپ کی اس خوان سے بو آتی ہے

مرثیہ نمبر ۲۷

زندانِ شام
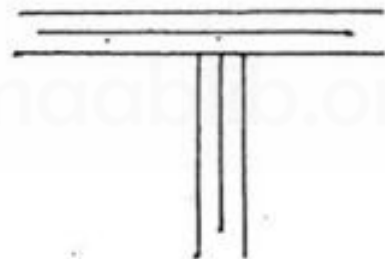
اے مومنو زندان میں روتی ہے سکینہؑ — پانی کے لئے جان کو کھوتی ہے سکینہؑ
ہرگز نہ بہلتی ہے نہ سوتی ہے سکینہؑ — سمجھاتے ہیں سب چپ نہیں ہوتی ہے سکینہؑ

مشکیں لئے سقے جو گزرتے ہیں اُدھر سے
اِک شعلہ سا اٹھتا ہے سکینہؑ کے جگر سے

ضد کرتی ہے ماں سے یہ کنبہ کی پیاری — ان سقوں میں ڈھونڈو مرے سقے کو دوا ری
ماں کہتی ہے ان میں کہاں وہ عاشق باری — سقہ مری بی بی کا بہشتی ہے یہ ناری

وہ تو پسرِ فاطمہؑ کے پاس ہے بی بی
شبیرؑ جہاں ہے وہیں عباسؑ ہے بی بی

اب جان لبوں پہ ہے یا نہ ہے ضبط کر پیاس — پانی کی رکھو آس نہ جینے کی رکھو آس
لکھا ہے یہ سن سن کے سخن دخترِ عباسؑ — آ بیٹھی یتیم پسرِ فاطمہؑ کے پاس

بولی کہ ملے مشک تو کاندھے پہ دھروں میں
اس شہر میں بی بی تیری سقائی کروں میں

کچھ سوچ کے ماں کو یہ پکاری وہ خوش اقبال
ہے ہے مرے ہوتے ہو سکینہ کا یہ احوال
تن فاقہ سے تھراتا ہے منہ غصہ سے ہے لال
ہو ہو کے خفا نوچتی ہے گیسووں کے بال

اللہ کو سونپا تمہیں میں جاتی ہوں اماں
پانی کہیں ملتا ہے تو لے آتی ہوں اماں

بولی وہ سدھارو کیا خالق کے حوالے
پھر آن کے ملنا جو کوئی مار نہ ڈالے
رخصت ہوئی بیٹی تو کئے ماں نے یہ نالے
للہ کوئی میرے کلیجے کو سنبھالے

دیکھو تو عجب شان ہے ربِ ازلی کی
پانی کی گدائی کو چلی پوتی علیؑ کی

القصہ سرِ راہ جو وہ بے پدر آئی
شرما کے کہا دل میں کہ میں بھی کدھر آئی
پانی کی سبیل ایک طرف کو نظر آئی
ہر جام کی آنکھ اس کی گدائی پہ بھر آئی

شربت بھی پیالے بھی سبو چپ بھی کھڑے تھے
پر خیر سے خالی تھے گناہوں سے بھرے تھے

یوں خلق تھی امڈی ہوئی جیسے کہ گھٹا چھائے
پیمانہ طلب تھا کوئی ہاتھ کو پھیلائے
ساقی کا تھا یہ شور کہ مطلب بر آئے
ہاں نذرِ خدا پانی ہے پیاسا نہ کوئی جائے

اس آب سے ٹھنڈا کریں سب اپنے جگر کو
پانی نہ ملے ساقیِ کوثر کے پسر کو

سن کر یہ صدا آتے تھے سب وارد و صادر
اور جام لبالب انہیں دیتا تھا وہ کافر
شرمائی ہوئی یہ بھی گئی پانی کی خاطر
اس نے کہا تو کون ہے یہ بولی مسافر
پیاسی کئی منزل کی ہوں اک جام عطا کر
بولا وہ ترحم سے کہ پی لے تو اٹھا کر

پیاسی نے لیا ہاتھوں جب ساغرِ سرشار
واں خلد میں بے چین ہوئی روحِ علمدار
اور کان میں ہاتف کی ندا آئی کئی بار
پیاسی ہے سکینہ ابھی پینا نہ خبردار
کیا ساتھ ترے باپ نے حضرت کا دیا ہے
عباسؑ نے پانی نہیں کوثر پہ پیا ہے

ناگاہ شقی بولا کہ حیرت مجھے کیا ہے
وہ بولی کہ اک قافلہ بے آب و غذا ہے
پانی میری بی بی نے طلب مجھ سے کیا ہے
یہ جام میں لے جاؤں وہاں تیری رضا ہے
گو پیاس کے صدمے سے مرونگی کہ جیونگی
بی بی مری پی لے گی تو میں پانی پیونگی

سر اس نے اٹھا کر کہا گھر تیرا کہاں ہے
یہ لہجہ کہیں کا نہیں یثرب کی زباں ہے
ہاشم کے یتیموں کا یہ اندازِ بیاں ہے
وہ بولی کہ مدت سے نہ گھر ہے نہ مکاں ہے
تکلیف میں بے فائدہ اظہار نسب ہے
سقائے سکینہ مرے بابا کا لقب ہے

غصے سے پکارا وہ شقی کون سکینہؑ — صادق نے کہا بنتِ شہنشاہِ مدینہ
اس نام مبارک سے جو وہ رکھتا تھا کینہ — بولا تری ہمانی کا ہے اور قرینہ
اب مجھ پہ کھلا پوتی ہے خالق کے ولی کی
یہ کہہ تو بھتیجی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی

یہ کہہ کے طمانچہ رخِ انور پہ لگایا — اور چھین کے ساغر کو حضور اسکے بہایا
پھر ہاتھ سے یوں اس کو گرایا کہ غش آیا — اور اہلِ تماشہ کو شقی نے یہ سنایا
کیا خوب نبی زادیوں نے پردہ کیا ہے
بچوں کو گدائی کے لئے بھیج دیا ہے

بے ہوش تھی بی بی نہ تکلم نہ اشارہ — راہ گیروں میں غل تھا اسے کس نے ہے مارا
اک کہتا تھا دیکھو تو کوئی بنتِ خدارا — ماں باپ ہے کیونکر کیا اس دکھ کو گوارا
پوچھو تو کوئی وارث و والی بھی ترا ہے
وہ ہوش میں آ کر یہ پکاری کہ خدا ہے

عارض پہ دھرے ہاتھ وہ زندان میں آئی — چلائی سکینہؑ کہ بھلا پانی بھی لائی
کچھ شرم سے بولی نہ علمدار کی جائی — اور رخ پہ جو ضربت تھی طمانچہ کی دکھائی
چلائی سکینہ کہ دہائی ہے خدا کی
ہاتھ اسکے ملیں خاک میں جس نے یہ جفا کی

مرثیہ نمبر ۲۸

زندانِ شام

زنداں میں مقید ہوئے جس دم حرمِ شاہ
انبوہ خلائق ہوا دروازہ پہ ناگاہ
بلوہ ہوا اس درجہ کہ مسدود ہوئی راہ
سر شرم سے زنجیر پہ عابدؑ نے کہا آہ
تھا دہ عرقِ شرم اسیروں کے بدن میں
روتا تھا ہر اک عضو غمِ شاہِ زمن میں

سب خورد و کلاں شہر کے موجود تھے اس جا
اک ایک تھا پہنے ہوئے پیراہن زیبا
اِک اک نگہ شوق سے مصروفِ تماشا
ہر سمت کو معصومیِ شبیرؑ کا چرچا
بازو کے یتیمانِ ید اللہ بندھے تھے
اور شامیوں کے طفل وہاں کھیل رہے تھے

مشغول جو تھے کھیل میں اطفال وہ سارے
کرتی تھی سکینہ وہاں حسرت سے نظارے
کہتی تھی کہ کیا ہو گئے ہمجولی ہمارے
بابا علیؑ اصغر کو کہاں لے کے سدھارے
سب بچے ہیں یاں کھیل میں اور خنداں یہاں ہیں
میں کھیلتی تھی جن سے وہ اطفال کہاں ہیں

ناگاہ نمودار ہوئی شامِ غریباں آیا غضب آلودہ وہاں شمرِ بدایماں
اور بولا تماشائیوں سے بالبِ خنداں اب جاؤ کہ ہوتا ہے مقفل درِ زنداں
ہووے گی رہائی نہ کبھی آلِ عبا کی
کل دیکھیو پھر سیر اسیرانِ بلا کی

یہ سن کے پریشاں ہوا انبوہ وہ سارا گم ہو گیا اک شخص کا فرزند قضا را
چلایا پدر اس کا رہا دل پہ نہ یارا فرزند بھی بابا بھی اسے کہہ کے پکارا
وہ طفل لپٹنے جو لگا اپنے پدر سے
پیدا ہوئی اک آہ سکینہ کے جگر سے

پھر بھر کے دم سرد یہ کی بانو سے گفتار اس طفل کو دیکھو تو کہ کیا خوش ہے یہ دلدار
کیا نام پدر پیار سے لیتا ہے یہ ہر بار اک ہم ہیں کریں باپ کی فرقت میں گرفتار
دل میں جو مرے درد ہے خالق پہ عیاں ہے
میں کس کو کہوں باپ مرا باپ کہاں ہے

یہ کہہ کے سکینہ پہ جو رقت ہوئی طاری بس ہائے پدر کہہ کے کئی بار پکاری
تڑپی جو زمیں پر تو زمیں ہل گئی ساری جھنجھلا کے کہا شمر نے پھر کرتی ہے زاری
اب خوب رلاؤں گا تجھے اب نہ ڈروں گا
اب تجھ کو اسیرِ دلِ جدا قید کروں گا

پھر شمر نے بازوئے سکینہ کو جو پکڑا | کنبہ کی طرف اس نے عجب یاس سے دیکھا
سب قیدیوں میں ایک قیامت ہوئی برپا | سجادؑ کے قدموں پہ مچل کر گری دکھیا
یوں لپٹی تھی بھائی سے وہ اس خوف و خطر میں
اک ہاتھ تو گردن میں تھا اک ہاتھ کمر میں

منہ دیکھ کے سجادؑ کا کہتی تھی وہ رو کر | اب آپ مرے رونے کے ضامن ہوں برادر
گر تم سے چھوٹی زیست مری ہوئیگی کیونکر | اب روؤں تو جا ہے کرے شمر ستمگر
بھیا مجھے تو شمر سے اس وقت بچا لے
اب روؤں تو کر دیجیو ظالم کے حوالے

اب ہوئی تو میں روئی نہ اب روؤنگی زنہار | اب روؤں اگر باپ کو لینے تو گنہگار
فرماؤ کہ اب چھوڑ دے مجھ کو یہ جفاکار | بازو مرا دکھنے لگا اے عابدؑ بیمار
کس طرح جدا کنبہ سے ہوئے گی سکینہؑ
تم کہہ دو قسم کھا کے نہ روئے گی سکینہؑ

یہ کہتی تھی کھینچا جو ستمگر نے قضارا | کرتا تو پھٹا تھا وہ پھٹا اور بھی سارا
تب عابدؑ بیمار نے رو کر یہ پکارا | اے شمر یہ بن باپ کی بچی ہے خدارا
غافل تری دہشت سے نہ ہوئیگی سکینہؑ
اب ایسی ڈری ہے کہ نہ روئیگی سکینہؑ

مرثیہ نمبر ۲۹

زندانِ شام

جس دم اسیر عترتِ مشکل کشا ہوئی — زنداں میں بے قرار سکینہ سوا ہوئی
جنت سے آمد آمدِ خیر النساء ہوئی — لے کربلا میں پوتی کی زہرا فدا ہوئی

زینبِ حسینؑ ہائے پدر کہہ کے روتی تھی
زوجِ بتولؑ ہائے پسر کہہ کے روتی تھی

لیکن کسی طرح نہ سکینہ کو تھا قرار — کہتی تھی ہاتھ باندھ کے زینبؑ سے بار بار
بی بی کہو تو ایسے ہیں ہم کیا قصور وار — زنداں میں جو اسیر ہیں مثل گناہ گار

سب اپنے اپنے گھر میں ہیں ہم قید خانے میں
بے گھر ہیں آج آلِ پیمبر زمانے میں

صدقے گئی بتاؤ کہاں ہیں گئے پدر — آئیں پدر تو جائے سکینہ بھی اپنے گھر
دنیا میں باپ والے ہیں جو دختر و پسر — کرتے ہیں کس مزے سے حیات اپنی وہ بسر

مل کر گلے سے باپ کے سب بچے ہنستے ہیں
اک ہم ہیں دیکھنے کو پدر کے ترستے ہیں

ارمان میرے دل میں بھرے ہیں ہزار ہا — پر آہ کیا کروں کہ پدر ہی نہیں مرا
زینبؑ یہ بولی تیری عزیزی کے میں فدا — داری نہ رو، وہ آتے ہیں سلطانِ کربلا

کچھ حادثہ پڑا ہے شہ کائنات پر
تیرے چچا کو ڈھونڈتے ہوں گے فرات پر

القصہ گزرے تین شب دردو یونہی آہ — سوئی نہ روز و شب میں کوئی دم وہ بنت شاہ
تھا چوتھی شب کو حالِ سکینہ بہت تباہ — آخر کہا پھوپی نے تجھے صبر دے الٰہ

قربان جاؤں بس کرو موقوف رونے کو
لو ہم کہانی کہتے ہیں بی بی کے سونے کو

یہ سن کے آئی پاس سکینہؑ جگر فگار — آغوش میں لٹا کے پھپی بولی میں نثار
سن تو سکینہؑ ہے یہ فسانہ بھی یادگار — یثرب میں بادشاہ تھا اک صاحبِ وقار

دنیا سے تھا نہ کام فقط حق سے کام تھا
بیکس حسینؑ ابن علیؑ اس کا نام تھا

دو بہنیں اس حسینؑ کی تھیں بیکس و غریب — کلثومؑ ایک دوسری زینبؑ بلانصیب
بولی سکینہؑ واہ یہ قصہ تو ہے عجیب — بس اک حسینؑ پدر حق کا ہے حبیب

بتلاؤ اے پھپی کہ نہیں مجھ کو چین ہے
کیا اور بھی جہان میں کوئی حسینؑ ہے

اس بادشہ کی بہنوں کے لیتی ہو تم جو نام — یہ نام دونوں ہیں میری پھپھیوں کے لاکلام
زینبؑ نے ہاتھ سے لیا اس دم دل کو تھام — بولی کہ ان غریبوں کے ناموں سے کیا ہے کام

قربان جاؤں تم رہو سونے کے دھیان میں
اِک نام کے بشر ہیں ہزاروں جہان میں

اس بادشہ کی بیٹیاں تھیں تین گلعذار — کبریٰ، سکینہؑ، فاطمہ صغرا جگر فگار
بولی سکینہؑ ٹھہرو پھوپھی تم پہ میں نثار — ان شاہزادیوں کا کرو حال آشکار

کیا باپ سے مرض میں یہ صغرا جدا ہوئی
بن کر عروس بیوہ یہ کبریٰ بھی کیا ہوئی

بتلاؤ اس سکینہؑ کی تقدیر کا بھی حال — کیا شمر کے طمانچوں سے اس کا بھی رخ ہے لال
فرماؤ یہ سکینہؑ ہے کچھ صاحبِ جلال — یا میری طرح قید رسن میں ہے چوتھے سال

صدقے گئی کہو یہ سکینہؑ امیر ہے
یا میری طرح یہ بھی یتیم و اسیر ہے

زینبؑ خموش رہ گئی سن سن کے یہ سوال — بولی کہ اب کہتی ہوں بیٹوں کا اس کے حال
زین العبادؑ اکبرؑ و اصغرؑ تھے تین لال — اس نے کہا ہیں یہ تو مرے بھائی خوش خصال

یہ اکبرؑ غریب جو فرزندِ شاہ تھا
کیا یہ بھی ہمشبیہ رسالت پناہ تھا

کیا اس کے بھی جگر پہ لگا نیزۂ جفا
کیا تیر ظلم کھا کے یہ اصغر بھی مر گیا
پہنے ہوئے ہے طوق یہ زین العبا بھی کیا
کیا منزلوں میں پھرتا ہے یہ بھی پیادہ پا
کیا عارضے میں اس کو بھی ظالم ستاتے ہیں
کیا ننگے پاؤں کانٹوں پہ اعدا پھراتے ہیں

رو کر جواب دخترِ زہرؑا نے یہ دیا
ان کے بھی جو نصیب لکھا تھا وہ ہوا
القصہ بی بی وہ جو امیرِ حجاز تھا
اس کے امیرِ شام نے لکھا خطِ دغا
رہنے دیا نہ اُس کو فلک نے مدینے میں
بچوں کو لے کے نکلا رجب کے مہینے میں
آخر کو کربلا میں پہنچا وہ بادشاہ
گرد اس کے آن کر ہوئی کفار کی سپاہ
اک دوپہر میں گھر کا گھر اس کا ہوا تباہ
لشکر کو مارا بیبیوں کو لوٹا بے گناہ
اب اس کے ننھے ننھے پسر دستگیر ہیں
وہ بے کفن ہیں اور حرم بھی اسیر ہیں
یہ کہہ کے پیٹنے لگی زہرؑا کی نورِ عین
منہ ڈھانپ ڈھانپ کر کے سیدانیوں نے بین
کہنے لگی پھوپھی سے سکینہ بشور و شین
واللہ اب یقین ہوا اے خواہرِ حسینؑ
ہے یہ کہانی فاطمہؑ کے نورِ عین کی
سب سرگذشت ہے مرے بابا حسینؑ کی

مرثیہ نمبر ۳۰

آمدِ ہند در زندانِ شام

آمدِ ہند کا غل عترتِ شبیرؑ میں ہے — شورِ ماتم کا بپا صاحبِ تعزیر میں ہے
دخترِ فاطمہؑ رو پوشی کی تدبیر میں ہے — کہتی ہے جاؤں کہاں پاؤں تو زنجیر میں ہے
کس غضب کی یہ خجالت ہے دہائی لوگو
ہند آپہنچی مجھے موت نہ آئی لوگو

کیا کروں کیا نہ کروں مجھ کو بتاؤ لوگو — صدقہ اکبرؑ کا حقارت سے بچاؤ لوگو
اوٹ کر کے ہو کھڑے مجھ کو چھپاؤ لوگو — یا کسی گوشے میں لیجا کے بٹھاؤ لوگو
پھوپھی کے مرنے پہ عابدؑ کو رضا مند کرو
ہند آتی ہے مجھے خاک کا پیوند کرو

اور جو پہچان کے مجھ پر کیا خلق و احساں — لونڈیاں ہند کی گھبرا کے کریں گی یہ بیاں
بی بی کچھ خیر ہے زینبؑ کہاں زنداں کہاں — باپ تو عقدہ کشا بیٹی اسیرِ زنداں
بے ردائی ہے تباہی ہے پریشانی ہے
توبہ توبہ یہ نبیؐ زادی ہے بیمانی ہے

کس طرح ہند کے آنے سے نہ گھبراؤں میں
بنتِ حیدرؑ ہوں نہ کیوں قید میں شرماؤں میں
کوئی دیوار جو شق ہو تو سما جاؤں میں
سیدھی ماں جائے کے مقتل کو چلی جاؤں میں

کربلا میں نہ یہ ذلّت نہ یہ رسوائی ہے
بے ردا میں ہوں تو بے گور مرا بھائی ہے

ناگہاں فضہ نے دی اہلِ حرم کو یہ خبر
ہند آتی ہے بڑی جاہ و تجمل سے ادھر
بیر قیں نقرۂ و زر کی ہیں جلو کے اندر
پر کنیزیں تو ردا اوڑھے ہیں وہ ننگے سر

اور سواری بہت آہستہ رواں ہوتی ہے
ہر قدم ہند ٹھہر جاتی ہے اور روتی ہے

کہتی تھی قیدیوں کی آہ و بکا نے مارا
مجھ کو اس ہائے حسیناؑ کی صدا نے مارا
ان کے سردار کو کس فوج دغا نے مارا
کیا وہ سید تھا جسے اہلِ جفا نے مارا

ایک بجلی سی کلیجے پہ مرے گرتی ہے
ننگے سر فاطمہؑ آنکھوں کے تلے پھرتی ہے

لونڈیاں تھیں زنِ حاکم کے جلو میں جو رواں
دیکھتی کیا ہیں کہ اک شیر ہے آہن میں نہاں
لاغر و خستہ تن و فاقہ کش و تشنہ دہاں
منہ پہ سیلی کے نشاں پشت پہ دُرّوں کے نشاں

ساق پا بوجھ سے زنجیر کے تھراتی ہے
استخوانوں سے برزنے کی صدا آتی ہے

آمد ہند در زندان شام

سب نے بڑھ کر کہا یہ ہند سے بانو گری   دیکھیئے شام کے زنداں میں چراغ سحری
پر عجب خاک بھرے چہرے پہ ہے جلوہ گری   یادِ حق سے خبر خلق سے ہے بے خبری

کس نے دم بند کیا طوقِ جفا سے اس کا
سلسلہ ملتا نہ ہو شیرِ خدا سے اس کا

ہند نے دیکھ کے رانڈوں کی طرف دی صدا   خاک پر دُرِّ نجف ہائے پڑا ہے کس کا
کہکے یوسفؑ کا ہے اس طوق کے حلقے میں گلا   کیسا بیہوش ہے کچھ ہوش نہیں ہے اصلا

کام آخر ہے کوئی دم میں یہ دم توڑتا ہے
ایسے بیمار کو تنہا بھی کوئی چھوڑتا ہے

گرد عابدؑ کے پھری پھر وہ بحالِ تغییر   رکھ دیا پاؤں پہ سر اپنا ہٹا کر زنجیر
بولے وہ کون ہے یہ بولی کنیز زنجیر   السلام اے رسن و طوق و سلاسل زنجیر

ہے وصیت کا محل مرنے کی تیاری ہے
کچھ کفن کیلئے رکھتا ہے کہ ناداری ہے

ہند نے پوچھا مرض کیا ہے کہا بے پدری   رو کے وہ بولی دوا کیا ہے کہا نوحہ گری
پھر جو دریافت کیا کہنے لگے در بدری   بولی لیتا ہے خبر کون کہا بے خبری

آہ کرنے کا سبب پوچھا تو شرمانے لگے
تازیانوں کے نشاں پشت پہ دکھلانے لگے

آمد ہند در زندانِ شام

سُن کے عابدؑ کے کلام اس نے خواصوں سے کہا خاص کعبہ کے فصیحوں کا ہے لہجہ بخدا
مل گیا حیدرؑ کرار کی باتوں کا مزا اب چلو رانڈوں سے پوچھو اسے دو ابتدا

پاس بیووں کے جو وہ صاحبِ حشمت آئی
آلِ خاتونِ قیامت پہ قیامت آئی

شانِ زینبؑ پہ نظر کر کے کہا یا داور فاطمہؑ خلد سے زندان میں آئیں کیونکر
دیکھا بانو کو تو کہنے لگی ہو کر ششدر ہائے شہزادیٔ ایراں ہے یہاں ننگے سر

قدرتِ خالقِ قیوم نظر آتی ہے
کوئی زینبؑ کوئی کلثومؑ نظر آتی ہے

بولی زینبؑ کہ نہ لے زینبؑ و کلثوم کا نام وہ ہیں شہزادیاں اس قید میں ان کا کیا کام
ہے غضب فاطمہؑ کی آل کے حق میں یہ کلام توبہ کر ہوش میں آبی بی زباں اپنی تھام

بلوے میں عترتِ محبوبِ الٰہی آئے
اور جہاں میں نہ قیامت نہ تباہی آئے

ہند ایک ایک کے قدموں پہ گری گھبرا کے اور دہائی دی کہ اب چپ نہ رہو شرما کے
ذبح کر ڈالو مجھے ایک چھری منگوا کے کس مصیبت میں پڑی آہ محل سے آکے

ذکرِ شبیرؑ کا کرتی ہوں تو رو دیتی ہو
نام جب پوچھتی ہوں سر کو جھکا لیتی ہو

مرثیہ نمبر ۳۱

ہند کی زندانِ شام میں آمد

عزیز و شام کے زنداں میں جب حرم آئے
عجیب شان سے وہ کشتۂ الم آئے
حیا کے مارے کئے گردنوں کو خم آئے
قدم قدم پہ اٹھائے غم و الم آئے

بلاکشوں نے مکاں رہنے کو وہ پایا تھا
بجز فلک نہ شجر کا بھی کوئی سایہ تھا

وہ قید خانہ وہ ذریتِ رسولِ خدا
سوائے کجروی چرخ اور کہیئے کیا
گذر کے دن جو شب آئی تو اور قہر ہوا
سکینہ رو کے پکاری کدھر گئے بابا

اندھیرے گھر میں مری جان نکلی جاتی ہے
نہ نیند آتی ہے مجھ کو نہ موت آتی ہے

کوئی ذرا مرے بابا سے کہدے یہ جا کر
سکینہ مرتی ہے حضرت کو کچھ نہیں ہے خبر
چلے گئے ہیں چچا جان میرے ہائے کدھر
ذرا سکینہ کا احوال دیکھیں تو آ کر

پڑی ہوں خاک پہ تکیہ ہے اور بستر ہے
لہو سے کانوں کے کرتہ ہمارا سب تر ہے

بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بانوئے پُرغم
ہماری گود میں آؤ سُلائیں تم کو ہم

وہ رو رو کہتی تھی اماں تمہیں خدا کی قسم
ہمارے کانوں کو دیکھو تو کس قدر ہے ورم

گلے کے درد سے کس طرح مجھ کو نیند آئے
بس اب دُعا یہ کرو تم سکینہ مرجائے

یہاں تو خانۂ زنداں میں تھا یہ حشر عیاں
محل میں ہند نے جس دم سُنی صدائے فغاں

خواص خاص سے اس نے کیا یہ رو کے بیاں
کسی سے پوچھو تو ان قیدیوں کا گھر ہے کہاں

فغاں سے ان کی کلیجے کے ٹکڑے ہوتے ہیں
یہ کون مر گیا کس کو یہ لوگ روتے ہیں

جھکا کے سر کو پکاری سُنی تھی کل جو خبر
وہ کس زباں سے کریں عرض کانپتا ہے جگر

خدا یہ جھوٹ کرے بہر احمدؐ و حیدرؑ
سُنا ہے کٹ گیا تن سے کسی حسینؑ کا سر

نبیؐ کا لال شہ مشرقین خیر سے ہو
خدا کرے مرا آقا حسینؑ خیر سے ہو

پکاری ہند کنیزوں کو ڈیوڑھی پہ ابھی جاؤ
میں قید خانہ ہوں چلتی سواری جلد منگاؤ

خواص خلعتِ پُرزر جو لائی بولی ہٹاؤ
لباس ماتمی ہوئے تو کوئی مجھ کو پہناؤ

برہنہ سر ابھی حیدرؑ کو خواب میں دیکھا
سیاہ پوش پیمبرؐ کو خواب میں دیکھا

ہند کی زندانِ شام میں آمد

اسی خیال سے سینہ میں ہے جگر بے چین | الٰہی خیر سے ہو فاطمہؑ کا نور العین
محل سے پا پیادہ چلی بشیون و شین | علیؑ علیؑ تھا زباں پر کبھی حسینؑ حسینؑ
صدا یہ دیتی محل دار آگے جاتی ہے
ہٹو ہٹو کہ زنِ میرِ شام آتی ہے

خبر یہ بنتِ یداللہ نے سُنی جس دم | کہ ہند آتی ہے زندان میں بجاہ و حشم
ردا کہاں تھی چھپاتی جو سر وہ کشتۂ غم | یہ کہہ کے اس نے ملی خاک منہ پہ ہائے ستم
نبیؐ سا نانا ہو جس کا علیؑ پدر ہووے
غضب ہے قید میں وہ بی بی ننگے سر ہووے

درِ خرابہ پہ پہنچی جو ہند نیک سیر | تو اس کی لونڈیوں نے دی صدا یہ بڑھ بڑھ کر
اسیرو بیٹھے ہو کیا بیڑیوں پہ رکھے سر | حضور دیکھیں گی تم لوگ جلد آؤ ادھر
ردائیں دینگی تمہیں اور مال و زر دینگی
یقین ہے کہ رہا قید سے بھی کر دینگی

کنیزِ ہند سے رو رو کے یوں سبھوں نے کہا | تم اپنی بی بی کو لے جاؤ یاں سے بہرِ خدا
اسیر بھی وہ کہ جن کو نصیب ہو نہ ردا | امیر زادیوں کا قیدیوں میں کام ہے کیا
انہیں اسیروں میں آنے سے فائدہ کیا ہے
دلِ شکستہ دکھانے سے فائدہ کیا ہے

ہند کی زندانِ شام میں آمد

خواصیں پیچھے ہٹیں اور بڑھی وہ نیک سیر
بریٔے خاک نظر آئی اس کو اک دختر
گلے میں اس کے پھٹا کُرتہ ہے لہو میں تر
زمیں پہ اُنگلی سے لکھتی ہے کچھ وہ خستہ جگر

بلائیں لیتی ہے اور اشک بار ہوتی ہے
پدر پدر کبھی کہتی ہے اور روتی ہے

یہ حال دیکھ کے دل ہند کا ہوا بے چین
بلائیں لے کے کہا کس کی تم ہو نور العین
یہ کیا زمین پہ لکھتی ہو تم بہ شیون و شین
سکینہؑ پیٹ کے کہنے لگی حسینؑ حسینؑ

میں کیا بیان کروں میرا دم نکلتا ہے
یہ نام لکھنے سے کچھ میرا دل بہلتا ہے

پکاری ہند کہ یہ کون تھے تمہارے بتاؤ
خدا کے واسطے بی بی زمیں سے سر تو اُٹھاؤ
تمہارا کُرتہ بدل دیں ہماری گود میں آؤ
سکینہؑ رو کے پکاری کہ اب ہمیں نہ رلاؤ

خبر جو آپ کے اس پیار کی وہ پائے گا
طمانچہ آ کے ہمیں شمر پھر لگائے گا

امیر زادے ہیں آپ اور ہم ذلیل و حقیر
مگر خدا نے کیا تھا کبھی ہمیں بھی امیر
گلے میں طوق ہمارے ہے پاؤں میں زنجیر
تمہاری گود کے قابل نہیں کہ ہم ہیں اسیر

جناں میں باپ کی خدمت میں جب میں جاؤں گی
یہ خوں بھرا ہوا کُرتہ انہیں دکھاؤں گی

مرثیہ نمبر ۳۲

آمدِ ہند در زندانِ شام

قید خانہ میں تلاطم ہے کہ ہند آتی ہے
دخترِ فاطمہؑ غیرت سے موئی جاتی ہے
روح قالب میں جو زندان سے گھبراتی ہے
بے حواسی سے ہر اک رو رو کے چلاتی ہے
آسمان دور زمیں سخت کدھر جاؤں میں
بی بیو مل کے دعا مانگو کہ مر جاؤں میں

در زندان پہ ہوا لاتے میں انبوہ کمال
بولے درباں کہ بڑھے دولت و عمر و اقبال
قیدیو اٹھو دعا دے کے کرو استقبال
زنِ حاکم کا ہے زندان میں نزولِ اجلال
تم کھلے سر ہو حضور اب تمہیں چادر دینگی
رحمدل ہیں ابھی زندان سے رہا کر دینگی

لونڈیاں تھیں زنِ حاکم کے جلو میں تاباں
دیکھتی کیا ہیں کہ اک شیر ہے آہن میں کساں
لاغر و خستہ تن و فاقہ کش و تشنہ دہاں
منہ پہ سیلی کے نشاں پشت پہ درے کے نشاں
ساقیا فاقوں سے زنجیر میں تھراتی ہے
استخوانوں سے لرزنے کی صدا آتی ہے

ہند نے پوچھا مرض کیا ہے کہ بے پدری
رو کے وہ بولی دوا کیا ہے کہاں دردِ سری

گھر جو دریافت کیا کہنے لگے دربدری
بولی لیتا ہے خبر کون کہاں بے خبری

آہ کرنے کا سبب پوچھا تو شرمانے لگے
تازیانوں کے نشاں پشت پہ دکھلانے لگے

شانِ زینبؑ پہ نظر کر کے کہا یاد اور
خلد سے فاطمہؑ زندان میں آئیں کیوں کر

دیکھا بالوں کو تو کہنے لگی ہو کر ششدر
ہائے ایران کی شاہزادی ہوئی ننگے سر

قدرتِ خالقِ قیوم نظر آتی ہے
کوئی زینبؑ کوئی کلثوم نظر آتی ہے

بولی زینبؑ کہ نہ لے زینبؑ و کلثوم کا نام
وہ نبیؐ زادیاں ہیں قید میں ان کا کیا کام

ہے غضب فاطمہؑ کے لال کے حق میں یہ کلام
تو بہ کر ہوش میں آ بی بی زباں اپنی تھام

جلوے میں حضرتِ محبوبِ الٰہی آئے
اور یہاں میں نہ قیامت نہ تباہی آئے

دن کو جس بی بی کی میت بھی نہ نکلی باہر
شام میں پھرنے لگیں اس کی بیٹیاں در در

جس کی تعریف کی منبر پہ نبیؐ نے اکثر
ان کو زینبؑ کے سلمان تھے آیا باور

جس کو اللہ و نبیؐ حرمت و عزت دینگے
چادر اُس کی بھلا صاحبِ ایماں لینگے

ظلم گزرے ہیں جو آئے وہ ہیں اک اک کو یاد
کربلا میں کوئی گھر تازہ ہوا ہے برباد
لائی ہے مال و اثاثہ سپہ ابن زیادؔ
یا الٰہی ہے سرکارِ حسینؑ آباد

کل مجھے لوٹ کا اسباب جو دکھلایا تھا
اک پھٹے جامے پہ حاکم کو بھی غش آیا تھا

چادریں بھی کئی میلی سی ہیں بوسیدہ کمال
آشکارا ان سے ہے سیدانیوں کے فقر کا حال
لوٹیاں ہنسلیاں رومالیاں بندے خلخال
کہیں سہرے ہیں کہیں تیغوں کے ہیں پھل خون میں لال

اسی غارت میں کچھ اسباب نیا بیاہ کا ہے
تھہ ہے اک سہری کی سہرا کسی نوشاہ کا ہے

اک انگوٹھی اسی اسباب میں نکلی ناگاہ
لال تھا اس کا نگیں خون سے مالک کے آہ
میں نے جھک جھک کے جو اس کے نگینے پہ نگاہ
دیکھی کیا ہوں کہ مرقوم ہے ماشاء اللہ

جب اسے سونگھتی ہوں جان نکل جاتی ہے
صاف خوشبوئے حسینؑ ابن علیؑ آتی ہے

اس نے اسباب کی جو نہی تفصیل بتلائی
تھا یہ نزدیک کہ زینبؑ کہے بھائی بھائی
کہا کبراؑ نے کہ شادی نہ مجھے راس آئی
دولھا کے مرنے پہ تقدیر نے نتھ بڑھوائی

جھولے والے کے تصور میں پکاری بانو
تیرے صدقے ترے گہوارے کی واری بانو

ہند ایک ایک کے قدموں پہ گری گھبرا کر — اور دہائی دی کہ اب چپ نہ رہو شرما کر
ذبح کر ڈالو مجھے اک چھری منگوا کر — کس مصیبت میں پڑی آہ محل سے آ کر
ذکر شبیرؑ کا کرتی ہوں تو رو دیتی ہو
نام جب پوچھتی ہوں سر کو جھکا لیتی ہو

کہا زینبؑ نے نہ اس بات پہ ہو دامن گیر — نام وارث کا ہمارے کبھی ہے بیکس شبیرؑ
مال و اسباب ہمارا ہے لوٹا بے تقصیر — پیٹ کر اس نے کہا میرے لگا دل پہ تیر
یہ گذارش مری زہراؑ کے لئے مانو تم
اس انگوٹھی کو میں منگواتی ہوں پہچانو تم

کہہ کے یہ خاتمِ شاہِ شہدا منگوائی — اک لونڈی گئی دوڑی ہوئی اور لے آئی
ہند سب رانڈوں کے آگے وہ انگوٹھی لائی — بہر تعظیم اٹھی شیر خدا کی جائی
غل ہوا شاہِ شہیداں کی نشانی ہے یہ
لوگو زہراؑ کے سلیماں کی نشانی ہے یہ

سونگھتے سونگھتے انگشتری شاہِ زمن — ہو کے بیہوش گری بنتِ شہ قلعہ شکن
کہا فضہ نے کہ ہے ہے مری محبوس بہن — پڑ گیا غل کہ تصدق ہوئی بھائیؑ پہ بہن
بولو لے مریمِ ثانی مری صاحبزادی
مری بی بی کی نشانی مری صاحبزادی

وہم آتا ہے مجھے ہوش میں آؤ بی بی
سہمی جاتی ہے سکینہ نہ رلاؤ بی بی

ہند دیتی ہے قسم نام بتاؤ بی بی
بچے سب روتے ہیں آواز سناؤ بی بی

اٹھو تعظیم کو زہراؑ کا پسر آیا ہے
دیکھو دیوار پہ وہ شاہ کا سر آیا ہے

نیم وا چشم سے کی زینبؑ بیکس نے نگاہ
ہند نے رو کے کہا آہ نبیؐ زادی آہ

میں نہ کہتی تھی کہ گھر ہو گیا زہراؑ کا تباہ
یہ حسینؑ اور نہیں ابن علیؑ ہے واللہ

نورِ حق خاک میں پوشیدہ و پنہاں کب ہو
میں تو پہلے ہی یہ سمجھی تھی کہ تم زینبؑ ہو

بخشیے میری خطا بہرِ جنابِ شبیرؑ
میں محل میں رہی اور تم پھریں بلوے میں اسیر

کہا زینبؑ نے کہ پھر اس میں تری کیا تقصیر
اسی قابل تھی حسینؑ ابن علیؑ کی ہمشیر

خوب حاکم ترا باطل و حق و باطل سمجھا
پسرِ فاطمہؑ کو ذبح کے قابل سمجھا

ناگہاں نورِ خدا سے ہوا زندان روشن
سرِ دیوار ہوا شاہ کا سر جلوہ فگن

چشم ہر سو نگراں غرق بخوں خشک دہن
لب اعجاز سے جاری تھا برابر یہ سخن

دیکھ اے ہند بہن بھائیؑ کی تقدیر یہ ہے
سر شبیرؑ ہیں ہوں خواہرِ شبیرؑ یہ ہے

مرثیہ نمبر ۳۳

آمدِ ہند در زندانِ شام

زنداں میں قید جب حرمِ شاہِ دیں ہوئے
اُجڑے مکاں میں مالکِ جنّت مکیں ہوئے
سرتاجِ عرش قابلِ فرشِ زمیں ہوئے
پنہاں اندھیری قبر میں وہ مہ جبیں ہوئے
گھٹ گھٹ گئے تھے دم یہ اسیری کی شان تھی
کیا ضیق کا مکاں تھا کہ ہونٹوں پہ جان تھی

نزدیک قید خانہ تھا جو ہند کا محل
راحت میں اُس کی فرق تھا آرام میں خلل
کہتی تھی جان تن سے نجانے کہیں نکل
لوگو کچھ آج کل مرے جی کو نہیں ہے کل
صدمے عجب عجب مجھے ہوتے ہیں رات کو
یہ کون لوگ ہیں کہ جو روتے ہیں رات کو

یہ سُن کے ایک ہند کی ہمراز نے کہا
سچ ہے کسی کو داغِ یتیمی نہ دے خدا
شب کو سُنی تھی میں نے بھی فریاد کی صدا
چلّا کے رو رہی تھی پدر کو وہ مہ لقا
کہتی تھی ڈھونڈھتی ہوں شہِ مشرقین کو
بلوا دو اے پھوپھی مرے بابا حسین کو

آمدِ ہند در زندانِ شام

نامِ حسینؑ سنتے ہی تھرا گیا جگر　　چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ خوش سیر
ہے ہے یہ کس حسین کے غم میں ہیں نوحہ گر　　اس نے کہا کہ مجھ کو مفصل نہیں خبر
پیاسا ہوا شہید یہی شور و شین ہے
وارث کا ان کے نام مقرر حسین ہے

تا نصفِ شب ہی متردد وہ نیکنام　　داخل ہوا محل میں یکایک امیرِ شام
روتی تھی ہند عود تھیں خاموش بیبیاں تمام　　تیوری چڑھا کے تب یہ شقی نے کیا کلام
میں جشن میں ہوں بد شگنی گھر میں ہوتی ہے
کیا مر گیا کوئی جو اس طرح روتی ہے

بولی یہ ہند ہاں تجھے شادی ہے مجھ کو غم　　آگے یہ کب تھے جو ہیں ترے عہد میں ستم
میں رحمدل ہوں روؤں نہ کس طرح دمبدم　　جن کی فغاں کا شور ہے کس کے ہیں یہ حرم
نالوں سے ان کے تیر کلیجہ پہ چلتے ہیں
انساں کا دل تو نرم ہے پتھر پگھلتے ہیں

اچھا گناہگار یہ قیدی اگر ہیں سب　　پھر ان کا حال مجھ سے چھپانے کا سبب
کھانا نہ کھاؤں گی نہیں پانی پیوں گی اب　　منھ ڈھانپ ڈھانپ کر یونہی روؤں گی روز و شب
حسرت یہ ہے کہ ان کو ذرا دیکھ آؤں میں
مرضی اگر تری ہو تو زنداں میں جاؤں میں

آمد ہند در زندان شام

سن کر کلام ہند ستمگر نے تب کہا
جا دیکھ آ کہ جس میں ترا نقصان ہے اس میں کیا
واں جا کے اور ہوئیگا تجھ کو قلق سوا
کیا ان کو دیکھنا جو بلا میں ہوں مبتلا

فریاد واں تو رہتی ہے تا صبح شام سے
لوگ احتراز کرتے ہیں ایسے مقام سے

بولی یہ ہند کچھ ہو مگر جاؤں گی ضرور
بولیں مصاحبیں کہ پھر اچھا چلیں حضور
زنداں محل سرا سے کچھ اتنا نہیں ہے دور
آنکھوں سے اشک پونچھ کے اٹھی وہ دلشیور

کچھ لونڈیاں کھڑی تھیں عمود ے لئے ہوئے
دو ڈیں کنول بلور کے روشن کئے ہوئے

رانڈوں کو روشنی نظر آئی جو ایک بار
منہ سب نے زانوؤں پہ جھکائے بحال زار
آئی قریب تخت میں ہند جگر فگار
رکھدی خواص خاص نے کرسی زرنگار

صدمہ تھا اسکے جو دل دردناک پر
کرسی ہٹا کے بیٹھ گئی فرش خاک پر

سب بیبیوں کو اسنے جو پایا جھکائے سر
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
سر تو اٹھاؤ پھٹتا ہے لوگو مرا جگر
عورت ہوں میں بھی مجھ سے ہے کیوں شرم اسقدر

بکھرائے بال چہروں پہ روپوش کیوں ہوئے
تم لوگ میرے آنے سے خاموش کیوں ہوئے

آمد ہند در زندان شام

لوگو خدا کے واسطے کچھ تو کرو کلام
میں بھی تمہارے واسطے روتی ہوں صبح و شام

باشندے ہو جہاں کے وہ ہے کون سا مقام
ناموس جس شہید کے ہو گیا ہے اس کا نام

کس بن میں تم نے اپنی بضاعت لٹائی ہے
بندی تمہاری کون سی بستی سے آئی ہے

زینب سے ضبط ہو نہ سکا سن کے یہ کلام
چھاتی کو پیٹ کے یہ پکاری وہ تشنہ کام

اے ہند دوپہر میں ہوا گھر کا گھر تمام
بن بھائی کے میں ہو گئی مارے گئے امام

آئی تباہی دفتر ایماں الٹ گیا
ہے ہے سر حسینؑ تو خنجر سے کٹ گیا

اے ہند تو نے یہ بھی سنا ہے کہیں ستم
پانی دیا نہ شمر نے پیاسے کو مرتے دم

نو ضرب میں قفا سے کیا شہ کا سر قلم
مانجائے پر یہ ظلم تھا اور دیکھتے تھے ہم

مر کر بھی ہائے چین نہ پایا شہید نے
دوڑائے گھوڑے لاش پہ فوج یزید نے

یہ سن کے پیٹتی ہوئی اٹھی وہ نوحہ گر
پٹکا زمیں پہ نوچ کے زیور ادھر ادھر

آواز دی خواصوں کو اپنی بچشم تر
بیٹو سروں کو گرد مرے حلقہ باندھ کر

بیکس کا غم ہے خاک اڑاؤ بکا کرو
گھر فاطمہؑ کا لٹ گیا ماتم بپا کرو

مرثیہ نمبر ۳۴

آمدِ ہند در زندانِ شام

زنداں کے اندھیرے سے گھٹا دم جو حرم کا | یاد آ گیا تاریکئ میدان ستم کا
کی عرض کہ یارا نہیں اس رنج و محن کا | لاشہ ہے اندھیرے میں شہنشاہِ زمن کا

اب تک کفن و گور کا ساماں بھی نہیں ہے
شبیرؑ کے لاشہ کا نگہباں بھی نہیں ہے

چلاتی ہیں زینبؑ کہ نہیں زیست کا یارا | اٹھارہ برس لے کے مرجانے نے مارا
بانو کا یہ نوحہ تھا نہیں صبر کا یارا | جنگل میں ہے بچہ چھ مہینے کا ہمارا

تکیہ ہے نہ بستر ہے نہ سامان خورش ہے
در پر زنِ حاکم کے کنیزوں کی یورش ہے

اک سن کے خبر بیبیوں کی دوڑی ہوئی جاتی | اک باندی تھی حاکم کے محل سے ادھر آتی
گن گن کے کوئی پیاسوں کے سر اشک بہاتی | اک جھانک کے دیوار کے روزن کو سناتی

ہم یہ نہیں کہتے کہ خاموش رہو تم
روئے ہیں مگر ہائے حسیناؑ نہ کہو تم

اس نام سے ہول آتا ہے بی بی کو ہماری — دروازے پہ سر ننگے کھڑی کرتی ہیں زاری
یہ سنتے ہی زینبؑ پہ ہوئی رقت طاری — عابد سے لرز کر کہا کچھ سنتے ہو واری
دیکھے گی ضرور اُن کے ہند آلِ نبیؐ کو
کیوں کنبہ کے وارث تو چھپا دیگا پھوپھی کو

ناگاہ بڑھا شور اور ہوئی اک دھوم — دیوار و در پہ مشعل کا اُجالا ہوا معلوم
رونے لگے سادات مچلنے لگے معصوم — رو کر کہا زینبؑ نے کہ ہے ہے مرا معصوم
تب ہند ملی آہ نبی زادی سے چھٹ کر
سیدانیاں بندی میں چلی آئیں یہاں لٹ کر

دیکھا درِ زنداں پہ جو سر شہ کا قضا را — رو کر کیا انگشتِ شہادت سے اشارا
لوگو مجھے بے موت اسی سر نے ہے مارا — دربانوں سے فرمایا کہ در کھولو خدارا
سنتے ہی یہ آواز مشوش ہوئی زینبؑ
واں قفل کھلا اور یہاں غش ہوئی زینبؑ

ہوش اس کے گئے آتے ہی زنداں میں یکبار — دیکھا کہ چراغِ سحری ہے کوئی بیمار
ہر چند اندھیرے میں نظر آتا ہے دشوار — پر اس کے بدن کی ہیں رگیں صاف نمودار
لے سکتا ہے کروٹ نہ اٹھا سکتا ہے سر کو
دم توڑتا ہے بند کئے دیدۂ تر کو

ماتھے پہ رکھے ہاتھ جھکی ہند خوش ایماں — کہنے لگی مڑ کر طرفِ عابدؑ ذی شاں
آداب بجا لاتی ہوں اے یوسفِ زنداں — حضرت نے کہا خیر ہے اے ششدر و حیراں
آداب مرا کیا میں حقیر اور حزیں ہوں
میں سوگ نشین کنبہ کا اور خاک نشیں ہوں

اس ذکر کو سن کر کہا فضہ نے ادھر آؤ — اے بی بی سرہانے پہ شہِ بیمار کے چلاؤ
وہ بولی میں حاضر وہیں ہوتی ہوں ٹھہر جاؤ — عابدؑ سے کہا خواب کی تعبیر تو بتلاؤ
یوں تو مجھے کیا کیا نہیں ساماں نظر آیا
اک خواب مگر سخت پریشان نظر آیا

ہے ماہ محرم سے مجھے اشک فشانی — عاشور کو موقوف تھی نبضوں کی روانی
تا عصر نہ اترا تھا گلے سے مرے پانی — کھانا کہاں بس موت کی ظاہر تھی نشانی
رویا میں نیا ظلم گزرتے ہوئے دیکھا
برقع سرِ زہراؑ سے اترتے ہوئے دیکھا

حیرت ہے کہ بی بی تو ہیں جنت میں ہماری — نامحرموں نے پھر یہ ردا کس کے اتاری
بے ساختہ سجادؑ کے آنسو ہوئے جاری — زینبؑ کے کھلے بالوں کو دیکھا کئی باری
فرمایا کہ صدمہ انہیں امت نے دیا ہے
سر ننگے کسی ہمسرِ زہراؑ کو کیا ہے

اس خواب کی تعبیر پہ کی بیبیوں نے زاری — گھبرا کے ادھر ہند بڑھی اور یہ پکاری
کیوں صاحبو اب کیا یہی مرضی ہے تمہاری — اندیشے ہی میں جان نکل جائے ہماری

خاطر یہ کرو جان لے مجھ خستہ جگر کی
میں بھی کبھی تھی خادمہ زہراؑ کے پسر کی

ہے ہے مجھے تقدیر کہاں لائی کہاں سے — دوزخ میں پڑی آہ نکل کر میں جناں سے
للہ کچھ ارشاد کرو اپنی زباں سے — کچھ تم کو قرابت ہے رسولِ دو جہاں سے

مقنع کہاں تم سب کے اتارے گئے لوگو
شبیرؑ سلامت ہیں کہ مارے گئے لوگو

آخر کہا زینبؑ نے کہ اے ہند خوش اوقات — شبیرؑ کی الفت کا تو دم بھرتی ہے دن رات
اور حق میں بنی فاطمہؑ کے کہتی ہے یہ بات — تقصیر ہوئی کیا جو مقید ہوئے سادات

چادر نہیں سر بیڑیوں پہ شرم سے خم ہیں
باور تجھے آیا کہ بنی فاطمہؑ ہم ہیں

ہمراہیوں سے بولی ذرا بھیڑ ہٹاؤ — اس بی بی کا منہ دیکھوں گی میں شمع تو لاؤ
اندھیر زمانے میں ہوا خاک اڑاؤ — آئی جو وہاں شمع کہا سر تو اٹھاؤ

روشن ہے مرے دل پہ کہ تم نورِ خدا ہو
اغلب ہے چراغِ لحدِ خیر النسا ہو

تھرا کے گذارش یہ لگی کرنے وہ ذیجاہ
غارت ہو جو ہو فتنہ و تنبیر کی بھی بدخواہ

لیکن میرا اندیشہ یہ بے وجہ نہیں آہ
دعوت کی صداقت پہ سند رکھتی ہوں واللہ

دربار سے بندی تو یہاں ننگے سر آئی
اور لوٹ تمام آپکی لونڈی کے گھر آئی

اس لوٹ میں ہے ایک علم سبز نمودار
دیتا ہے گواہی کہ ہوا قتل علمدار

اسلام کا تمغہ ہے پھریرے پہ نمودار
لکھا ہے کہ ابذا علم احمدؐ مختار

جب پڑھتی ہے وہ نقش تو تھراتی ہے لونڈی
حضرت بھی زیارت کریں منگواتی ہے لونڈی

چلائی کنیزوں کو کہ دوڑی ہوئی جاؤ
بیٹی تھی میں جس پر وہ علم جلدی سے لے آؤ

ہاں ننھا سا مشکیزہ بھی وہ ساتھ ہی لاؤ
ان قیدیوں کو نقش پھریرے کا دکھاؤ

پھر تو میرے کہنے کا یہ سب پاس کرینگے
اب میری مدد حضرت عباس کرینگے

زینبؑ نے کہا کان میں یہ بالو کے اس آن
بہلا کے سکینہؑ کو سلادو کسی عنوان

سہمی ہوئی لپٹی تھی گلے ماں کے وہ نادان
بولی کہ بھلا سن لیا میں نے بھی پھوپھی جان

سونے کو کہو گی تو قیامت میں کروں گی
آتا ہے علم کس کا زیارت میں کروں گی

ناگاہ علمِ سبز چمکتا ہوا آیا　　خورشید صفت پنجہ لچکتا ہوا آیا
مشکیزہ بھی پرچم میں لٹکتا ہوا آیا　　پانی کے عوض خون ٹپکتا ہوا آیا

سر نگے علم کے تلے ہر ایک نبی تھا
اور نعرۂ یا حضرتِ عباسؑ علی تھا

یہ سنتے ہی غش آگیا زینبؑ کو قضا را　　سجادؑ یہ تڑپے نہ رہا ضبط کا یارا
فرمایا کہ خاموش ہو اے ہند خدا را　　حاکم نے ترے حاکمِ کونین کو مارا

سید کا نبی زادے کا سر کاٹ لیا ہے
بیوہ مری ماں کو ترے شوہر نے کیا ہے

مرثیہ نمبر ۳۵

آمدِ ہند در زندانِ شام

جب کہ دربار سے زنداں میں سِدھائے قیدی
راہ بھر روتے گئے ظلم کے مارے قیدی

زرطِ غیرت سے موئے جاتے تھے سارے قیدی
پہنچے زنداں میں تو رو رو کے پکارے قیدی

چین پڑتا نہیں اندھیارے میں بیچاروں کو
یا حسینؑ آکے چھڑا جاؤ گرفتاروں کو

قیدیوں میں یونہی رہتا تھا ہمیشہ کہرام
ہند سے آکے کسی نے کیا اک دن یہ کلام

کہیں سے آیا ہے اک قافلۂ غم سوئے شام
قید خانے میں اب ان کو نہیں پڑتا آرام

رات دن نالہ و فریاد کیا کرتے تھے
فاطمہؑ بی بی کا کچھ نام لیا کرتے تھے

سن کے اس بات کو کچھ ہند کا دل بھر آیا
بولی قسمت نے کیا مجھکو ہے غل سنوایا

کوکھ پر فاطمہ بی بی کے خدا کا سایہ
حاکمِ شام نے زنداں میں کسے بٹھلایا

جوش کرتی ہے کچھ اس وقت مصیبت دل سے
کھانے پینے کی اٹھی جاتی ہے لذت دل سے

حاکم شام سے کی ہند نے رخصت طلبی — حکم پایا تو چلی گھر سے وہ غمخوار نبیؐ

دل میں کہتی تھی کہ اے میرے رسولِ عربی — مارے دھڑکے کے قیامت ہے مجھے جان لبی

حال زنداں میں سنوں میں نہ کسی کے غم کا

سامنا ہو نہ حسینؑ ابن علیؑ کے غم کا

مشعلیں تھیں شب تاریک میں اسکے ہمراہ — لیکن اندیشے سے حالت تھی بہت اسکی تباہ

نصف شب کو گئی زنداں میں جو روتی ناگاہ — غور سے کرگئی وہ سارے اسیروں پہ نگاہ

کچھ نہ پہچانا کہ مدت میں ہر اک کو دیکھا

پر قیامت کی مصیبت میں ہر اک کو دیکھا

کسی کے سوجے ہوئے کان اسے آئے نظر — کسی کو دیکھا کہ ہیں نیل پڑے بازو پر

کسی کو دیکھا بہ ہونٹوں پہ ورم چشم ہے تر — کسی کو دیکھا کہ ٹوٹی ہوئی ہے غم سے کمر

سر کھلے سارے اسیروں کو برابر پایا

گور سے خانۂ تاریک کو بدتر پایا

ہند گھبرا گئی اور کرنے لگی یہ گفتار — ہوا کس بات پہ جھگڑا یہ چلی کیونکر تلوار

قیدیوں نے کہا بیعت پہ ہوئی تھی تکرار — رو کے وہ بولی کہ مارے گئے کتنے سردار

رانڈیں چلائیں کہ ہفتاد و دو تن قتل ہوئے

سب کے سردار شہِ تشنہ دہن قتل ہوئے

اس نے پوچھا کہو کچھ قوم کے اپنے حالات قیدی بولے ہم اسیرانِ بلا ہیں سادات
وہی ذات اپنی ہے بانی جو پیمبر کی ہے ذات ہند بولی کہ اکٹھے ہوئے ہیں ذات و صفات

شرم اور حلم میں یہ صورتیں لاثانی ہیں
گٹے سجدے کے ہیں پیشانیاں نورانی ہیں

ہاں جو اپنے وطن کا کرو کچھ ہم سے بیاں کہا سب نے کہ قریشوں میں ہمارے ہیں مکاں
دل میں یوں کہنے لگی ہند کہ پائے ہیں نشاں کہا پھر ہند نے ہاں خانۂ زہراؑ ہے کہاں

بولے سب قیدی کہ گھر اپنے ہیں اس گھر کے قریب
خانۂ فاطمہؑ ہے قبرِ پیمبرؐ کے قریب

تجھے کیا کام ہے کرتی ہے جو یہ قال و مقال قید خانے میں اسیروں کا یہی ہوتا ہے کام
ہند بولی مجھے اس وقت تعجب ہے کمال تم میں اک بی بی کا زینبؑ کا سا ہے جمال

بولی زینبؑ قلق اب مجھکو غضب ہوتا ہے
نام زینبؑ کا نہ لے ترکِ ادب ہوتا ہے

ہند سے حضرت زینبؑ کی یہی تھی تقریر کچھ نہ کھلتا تھا کہ میں کون بچانے یہ اسیر
قلق دل سے لگی پیٹنے شہ کی ہمشیر خود بخود نکلا یہی منہ سے کہ ہے ہے شبیرؑ

بول اٹھی ہند میں قربان تم ہی زینبؑ ہو
میں اٹھا سکتی ہوں قرآن تم ہی زینبؑ ہو

کربلا کو کیا پھر ہند نے دکر خطاب ۔ تجھ پہ میں صدقے ہوں اے فاطمہ کے دُرِّ خوش آب
پھول سے جسم کو کس طرح ہوئی زخموں کی تاب ۔ ظلم خنجر کا گلے پر ہوا بے حد و حساب

دیکھو آقا کھڑی زنداں میں یہ دکھیا ہے
دیکھنے آپ کے ناموس کو ہند آئی ہے

زینب اس طرح سے مقتل کی طرف چلائی ۔ رن میں تم سوتے ہو اب کیا کروں میں کھیائی
میری قسمت نے مصیبت یہ مجھے دکھلائی ۔ ہند پہچان گئی چھپ نہ سکی میں بھائی

بھائی مارا گیا اور آئی نہ ہمشیر کو موت
ہائے کیا ہو گئی لوگوں میری تقدیر کی موت

مرثیہ نمبر ۳۶

آمد ہند در زندانِ شام

جب شام کے بازار میں دُرِ نجف آئے
یعنی گھر سعدانِ عزّ و شرف آئے
سلطانِ نجف کے حرم آئے خلوت آئے
اور لوگ تماشے کیلئے ہر طرف آئے

سادات کے گیسو سر اطفال کھلے تھے
شانے میں بندھی تھی رسن اور بال کھلے تھے

پھرتے تھے منادی یہی کرتے ہوئے تاکید
ہاں شہریو! بازاریو! دربار یو! ہے عید
حاکم پہ تمہارے ہوئی تقدیر کی تائید
بلوے میں اسیرانِ حسینؑ کی کرو دید

سب مر گئے اب مرد نہیں سجادؑ حزیں ہے
رومال تلک چھن گئے کچھ پاس نہیں ہے

پر ہند کا توفیقِ خدا سے تھا عجب حال
مسند پہ وہ بیٹھی تھی رکھے آنکھ پہ رومال
تھا آنسوؤں کا تار بندھا اور کھلے بال
تحلیل ہوئی جاتی تھی گھڑیوں خوش اقبال

نہ نذر وہ لیتی تھی نہ تسلیم کسی کی
حاشا نہ مدارات نہ تعظیم کسی کی

جس دم کسی عورت کی اترتی تھی سواری
سن کے پھیر کے دروازے سے کرتی تھی وہ زاری

سکتے میں کھڑی تھیں امرزادیاں ساری
کہتی تھی کہ یہ جشن ہے یا تعزیہ داری

ہم نذر کو آئے ہیں کہ پرسے کو کسی کے
کھلتے نہیں یہ راز جناب احدی کے

تب ہند پکاری کہ مجھے خود نہیں معلوم
آنکھیں کسے روتی ہیں میں ہوں کس لیے مغموم

سکتا ہے مجھے شہر میں اس جشن کی ہے دھوم
دل کڑھتا ہے کس کے لئے ہے کون وہ مظلوم

کھلتا نہیں کچھ آہ یہ کیا مجھ کو ہوا ہے
کیوں بال بکھرے ہیں مرا کون موا ہے

جن قیدیوں کے آنے کی اسوقت خبر ہے
دریافت ہے کچھ تم کو کہ ان کا کہاں گھر ہے

سنتی ہوں کہ سب قافلہ کھولے ہوئے سر ہے
اور طوق کے بالے میں کوئی رشک قمر ہے

کیا قوم ہے ان لوگوں کی کیا ملت و دیں ہے
کاٹا گیا سر جس کا وہ سید تو نہیں ہے

وہ بولیں کہ ہم کہنے میں شرماتے ہیں بی بی
کوچوں میں منادی کھڑے چلاتے ہیں بی بی

مکے کے مدینے کے اسیر آتے ہیں بی بی
ہے ہے یہ بنی فاطمہؑ کہلاتے ہیں بی بی

کہتے ہیں کہ سر کٹ گیا جس حق کے ولی کا
حاجی تھا وہ کعبہ کا مجاور تھا نبیؐ کا

ناگاہ بلا ہند کا ایوان سراسر — آواز مبارک کا اٹھا غلغلہ باہر
یک دفعہ بجے جشن کے سب باجے برابر — زنجیروں کی جھنکار سے برپا ہوا محشر
غل پڑ گیا حاکم کے سزاہل ہوئے قیدی
بازار سے دربار میں داخل ہوئے قیدی

بولی زنِ حاکم کہ خدا جان بچائے — اس قید سے اللہ کا شیر ان کو چھڑائے
مظلوم وہاں سامنے ظالم کے جو آئے — برہم ہوا حاکم کہ یہ کچھ نذر نہ لائے
مرنے کے قریں ہیں یہ بہت دور ہیں قیدی
اللہ غنی فقر میں مغرور ہیں قیدی

اب لکھتے ہیں یوں راقم مجموعہ ماتم — تھی ایک زنِ ہاشمیہ ہند کی محرم
فریاد جو زینبؑ کی محل میں گئی پیہم — منہ پیٹتی سر ننگے نکل آئی وہ پرغم
انبوہ میں کچھ کہہ نہ سکی آلِ نبیؐ سے
دل پکڑے ہوئے پھر گئی دربارِ شقی سے

جاتے ہی گری روبروئے ہند وہ مغموم — چلائی عجب تب کے ہیں قیدی یہ مظلوم
ہے ہے سوئیں دو بی بیاں اس شان کی معلوم — گویا مری سیدانیاں ہیں زینبؑ و کلثومؑ
قیدی ہیں کہ گلدستہ ہے وابستہ رسن سے
سادات کی خوشبو چلی آتی ہے چمن سے

گھبرا گئی ہندہ اور خواصوں کو پکاری زنداں کو میں چلتی ہوں منگواؤ سواری
پہونچی جو وہ زنداں میں بصد گریہ و زاری کہتی تھی کہ فریاد ہے اے خالقِ باری

مقنعے کہاں تم سب کے اتارے گئے لوگو
شبیرؑ سلامت ہیں کہ مارے گئے لوگو

خاموش تھے سب پھر کہا زینبؑ نے یہ اُس آں اے فاطمہؑ کی لونڈی کدھر کو ہے ترا دھیاں
زنداں میں ہے دیدار کا زینبؑ کے ہے ارماں خالق نہ کرے سر تری بی بی کا ہو عریاں

کس طرح سے پھر تری امید بر آئے
کیا تجھ کو تمنا ہے کہ وہ ننگے سر آئے

تھرا کے گذارش یہ لگی کرنے ہوا خواہ غارت ہو جو ہو فضہ و قنبر کا بھی بدخواہ
لیکن مرا اندیشہ یہ ہے بوجہ نہیں آہ دعوے کی صداقت کی سند رکھتی ہوں واللہ

دربار سے بندی تو یہاں ننگے سر آئی
اور لوٹ تمام آپ کی بندی کے گھر آئی

اُس لوٹ میں ہے اک علم سبز ضیا بار دیتا ہے گواہی کے ہوا قتل علمدار
سلام کا تمغہ ہے پھریرے سے نمودار لکھا ہے کہ بذا علمِ سید ابرار

جب پڑھتی ہے یہ نقش تو تھراتی ہے لونڈی
بی بی بھی زیارت کریں منگواتی ہے لونڈی

چلائی کنیزوں کو کہ دوڑی ہوئی جاؤ　　بیٹی تھی میں جس پر وہ علم جلد لے آؤ
اور ننھا سا مشکیزہ بھی وہ ساتھ ہی لاؤ　　ان قیدیوں کو نقش پھریرے کا دکھاؤ
پھر تو مرے کنبے کا یہ سب پاس کریں گے
اب میری مدد حضرت عباس کریں گے

ناگاہ علم سبز لچکتا ہوا آیا　　خورشید صفت پنجہ چمکتا ہوا آیا
مشکیزہ بھی پرچم میں لٹکتا ہوا آیا　　پانی کے عوض خون ٹپکتا ہوا آیا
سر ننگے علم کے تلے ہر ایک بی بی تھا
اور نعرۂ یا حضرت عباسِ علیؑ تھا

دوڑی درِ زنداں کی طرف ہند فقارا　　نیزہ سے سرِ شاہ کو ہاتھوں پہ اتارا
زینبؑ کے حضور آکے پکاری کہ خدارا　　فرماؤ تو بی بی یہ نہیں بھائی تمہارا
زہراؑ کے مرقع کی یہ تصویر نہیں ہے؟
کھاؤ تو قسم یہ سرِ شبیر نہیں ہے؟

سر دیکھ کے سرور کا اسے تاب نہ آئی　　رگ رگ سے صدا نکلی کہ بے شیر بھائی
صدقے ترے اے بادشاہِ کرب و بلائی　　سر نے کہا لبیک ید اللہ کی جائی
زینبؑ کہو کیا قید میں کرتی ہے سکینہؑ
چلائی کہ بے آپ کے مرتی ہے سکینہؑ

مرثیہ نمبر ۳۷

شہادت حضرت سکینہؑ

جب گُل ہوا چراغِ حرم قیدِ شام میں
یعنی سکینہ مر گئی یادِ امام میں
دیکھے ستم یزید کے دربارِ عام میں
شہ کے سلام کو گئی دارالسلام میں

دُنیا میں داد رس نہ ملا داد خواہ کو
جا کے نشاں طمانچوں کے دکھلائے شاہ کو

غل پڑ گیا حسینؑ کی عاشق نے کی قضا
بانو نے نبض دیکھی تو پایا نہ دَم ذرا
چلائی صدقے جاؤں مجھے دے گئیں دغا
اپنی کہی نہ میری سُنی ہائے کیا کیا

اصغر کو کچھ پیام بھی میں نے دیا نہیں
تم چل بسیں اور اماں نے رخصت کیا نہیں

اصغر کی بھولی باتیں سناؤ نثار ماں
اکبر کا ذکر کر کے رُلاؤ نثار ماں
سیلی کا نیل ماں کو دکھاؤ نثار ماں
بابا کو جا کے در پہ بلاؤ نثار ماں

ماتم کے غلغلے ہیں نہ رونے کے جوش ہیں
بی بی جواب خوش ہیں تو سب خوش ہیں

شہادت حضرت سکینہ

مُنہ ڈھانپنے کا وقت ہے پچھلا پہر رہا
بابا کو تیرے روتی ہوں اُٹھ ساتھ دے مرا

گُرتے سے منہ کو ڈھانپ کے پہلو میں بیٹھ جا
اماں کی بیٹی اماں کو آواز تو سُنا

ماتم سرا یہ گھر تھا ترے بین کرنے سے
زنداں سُونا ہو گیا بی بی کے مرنے سے

یاں کس کے پاس رہتیں شہِ کربلا نہیں
بی بی کے ناز اٹھانے کی خاطر چچا نہیں

نادار ماں ہے پانی نہیں اور غذا نہیں
پر اب کفن کے واسطے ہے بے ردا نہیں

اماں کے پاس رہنے کی ایذا اُٹھا چکیں
بی بی طمانچے کھا چکیں گردن بندھا چکیں

اماں کی پیاری بابا کی پیاری زبان کو کھول
شربت میں لائی مری پیاری دہاں کو کھول

ماں رو رہی ہے دیدۂ گوہر فشاں کو کھول
مہماں بندھے گلے سے نہ جا رلیاں کو کھول

دادی کہ رہیں گی بی بی کی زلفیں سنوار دوں
لو اُٹھو یہ پھٹا ہوا کرتا اُتار دوں!

تم نے جو شام کو مرے بازو پہ سر دھرا
میں سمجھی تھی کہ کانوں کا کچھ درد کم ہوا

آئی ہے آج سونے کو خود میری مرلقا
اس دردِ لا دوا کی خبر تھی نہ مطلقا

آباد گود کی تھی مری خالی کرنے کو
سوئی تھیں آج بی بی مرے پاس مرنے کو

اکبر جُدا نہ ہوتے تھے بابا سے ایک دم　　اصغر سے اور تم سے بہلتا تھا میرا دم
اب نا اُمید ہو گئے دونوں طرف سے ہم　　دُکھیا سے میرے دکھ کی سدا کھائیں گے قسم
تقدیر کیسی پھر گئی مجھ خستہ حال کی
وہ چھ مہینے کے گئے تم چار سال کی

کبرا نے مُنہ کو ڈال کے تابوت میں کہا　　بہنیا وطن کو جاتی ہو یا سوئے کربلا
بانو پکاری پیٹ کے اے آلِ مصطفٰی　　بتلاؤ حادثہ یہ نیا مجھ پہ ہے پڑا
بالیں پہ یا کہ پائینتی کو خاک اُڑاتی ہے
ماں کس طرح سے بیٹی کی میت اُٹھاتی ہے

آئی ندا سرہانے تو سر ننگے ہیں رسولؐ　　اور پائینتی کو بال کھلے روتی ہیں بتولؑ
ہیں راس و چپ علیؑ و حسنؑ تشنہ دو ملول　　کروبیانِ عرش کا ہے اس جگہ نزول
پھرتی ہے گرد روح شہیدانِ کربلا
قبر اس کی صاف کرتا ہے مہمانِ کربلا

القصہ اس جنازہ کو لے کر چلے حرم　　مانند شامیانے کے کھولے ہوئے علم
جب مقبرہ میں شام کے پہنچے اسیرِ غم　　اور قبر میں وہ مُردہ اُتارا بچشم نم
بالائے قبر اہلِ حرم روئے شور سے
آواز آئی بچے کے رونے کی گور سے

جھک جھک کے دیکھا بیبیوں نے تو یہ نظر پڑا
بیٹھے ہوئے ہیں قبر میں سلطان کربلا

اصغر ہے ان کی گود میں خواہر کو رو رہا
زینبؑ نے لیکے ہاتھوں پہ مُردے کو یہ کہا

اپنی نشانی دختر خیبر شکن سے لو

لو بھائی جان اپنی امانت بہن سے لو

یہ سُن کے بانو گر پڑی غش کھا کے ایک جا
اور سب نے دفن میت معصوم کو کیا

بانو کو ہوش آیا تو وہ دیکھتی ہے کیا
پانی سے تر بتر ہے مزار ایک ننھا سا

بجلی قلق کی صبر کے خرمن پہ گر پڑی

بسمل کی طرح دوڑ کے مدفن پہ گر پڑی

بولی لپٹ لپٹ کے لحد سے دہائی ہے
ہے ہے یہ میری جاں برس کی کمائی ہے

کس بے وطن کو ہائے یہ منزل خوش آئی ہے
ہے ہے یہ قبر ننھی سی کس نے بنائی ہے

مجھ سے نہ پوچھا قبر پہ تختے لگا دیئے

کس نے یہ مرے خاک میں ارماں ملا دیئے

بی بی کو میری خاک پہ سونے کی تھی نہ خو
کچھ قبر میں بچھا دیا ہے بولو صاحبو!

سر رکھ کے پھر لحد پہ کہا اماں صدقے ہو
سوتی ہو یا کہ روتی ہو بی بی جواب دو

روؤں تری غریبی کو یا کم نصیبی کو

مرنا بھی تھا تو شام میں مرنا تھا بی بی کو

مرثیہ نمبر ۳۸

شہادت جنابِ سکینہؑ

زنداں میں جب کہ دخترِ شبیر مر گئی ۔۔۔ دنیا سے دفعتاً سفرِ خلد کر گئی
کنبہ کے دل پہ داغ جدائی کا دھر گئی ۔۔۔ غل پڑ گیا حسینؑ کی عاشق گذر گئی
جنت بسائی چھوڑ کے دنیا کے باغ کو
تازہ کیا ہے پھر علی اصغر کے داغ کو

بازو ہلا کے بانوئے ناشاد نے کہا ۔۔۔ بی بی پدر کے سر سے اٹھاؤ تو سر ذرا
باتیں ابھی تو کرتی تھیں آنسو بہا بہا ۔۔۔ ساقط ہے نبض ہائے غضب سرد ہے دیا
منھ دیکھتے ہی زیست کا نقشہ بدل گیا
کس وقت سانس رک گئی کب دم نکل گیا

قربان جاؤں مرنے کی ماں کو خبر نہ کی ۔۔۔ واری مرے ریاض پہ تم نے نظر نہ کی
یہ رات ماں کے ساتھ تڑپ کر بسر نہ کی ۔۔۔ جی بھر کے بھی زیارتِ روئے پدر نہ کی
چوتھے برس میں ہائے سدھاریں جہان سے
دکھ قید کے نہ اٹھ سکے ننھی سی جان سے

ماں صدقے جائے آج تڑپتی تھیں شام سے | روٹھی ہوئی تھیں مادر ناشاد کام سے
مر کر ملیں حسین علیہ السلام سے | بی بی کہو گلے ہوئے کیا کیا امام سے

یوں منہ کو موڑنا تو محبت سے دور ہے
قربان جاؤں ماں کا بھلا کیا قصور ہے

لو ہاتھ جوڑتی ہے یہ ماں اے سکینہ جاں | مجھکو بلا لو تم ہو جہاں اے سکینہ جاں
ڈھونڈھوں نکل کے تم کو کہاں اے سکینہ جاں | مادر کو قبر ہے یہ مکاں اے سکینہ جاں

میں جانتی ہوں موت سے بدتر حیات کو
اب کون سوئے گا مرے پہلو میں رات کو

بچی یہ ماں تجھے کدھر اب ڈھونڈنے کو جائے | اے غم رسیدہ تو نے قیامت کے دکھ اٹھائے
چھٹ کر پدر سے گھڑکیاں کھائیں طمانچے کھائے | بی بی رسن بندھی تری گردن میں ہائے ہائے

جو سختیاں فلک نے دکھائیں وہ سہ گئیں
بندے جو چھن گئے مرا منہ تک کے رہ گئیں

منہ ڈھانپتی تھی صبح کو جسدم میں نوحہ گر | اٹھ بیٹھتی تھیں ساتھ مرے تم بچشم تر
اماں نہ رو کہتی تھیں منہ دیکھ دیکھ کر | اب پیٹتی ہوں اور تمہیں مطلق نہیں خبر

مجھ سا بھی کوئی بیکس و بے پر نہ ہوئیگا
پہلو میں ماں کے بیٹھ کے اب کون روئیگا

اس رانڈ ماں کو چھوڑ کے بی بی کدھر گئیں
دنیا میں رہ کے چار برس کوچ کر گئیں

ناشاد و نامراد جہاں سے گذر گئیں
زنداں سے چھوٹنے بھی نہ پائیں کہ مر گئیں

پیدا ہوئیں مدینۂ خیر الانام میں
اس کی خبر نہ تھی کہ لحد ہو گی شام میں

قربان جاؤں قیدی دام بلا ہے ماں
آفت میں بعد سبط نبیؐ مبتلا ہے ماں

مجبور ہے غریب ہے بے دست و پا ہے ماں
بی بی کو دے کہاں سے کفن بے ردا ہے ماں

پہلے سے خاک میں ہے بدن سب اٹا ہوا
لے جاؤ قبر میں یہی کرتا پھٹا ہوا

بیمار ایک بھائی ہے وہ بھی اسیر ہے
قیدی ہے پاشکستوں کا جو دستگیر ہے

سب لٹ گئے عزیزوں میں جو ہے فقیر ہے
ہاں کارساز ہے تو خدائے قدیر ہے

میت کے ساتھ روح امام زماں کی ہے
لے جائیگا خدا وہی مٹی جہاں کی ہے

ایذائے غم سے رنج اٹھانے سے چھٹ گئیں
کنبہ سے کیا کہ سارے زمانے سے چھٹ گئیں

ہر صبح و شام اشک بہانے سے چھٹ گئیں
اچھا ہوا کہ گھڑکیاں کھانے سے چھٹ گئیں

نیند اڑ گئی تھی لوگوں کی بچی کے بین سے
اب تو یزید رات کو سوئے گا چین سے

میت کے پاس زینب بیکس تھیں نعرہ زن
کہتی تھیں ہائے شیفتۂ سرورِ زمن
چلاتے تھے یہ حضرت سجاد خستہ تن
بیمار ہم کو چھوڑ کے تم چل بسیں بہن
ہم رہ گئے تڑپنے کو دنیائے زشت میں
کیا خوش نصیب تم تھیں کہ پہنچیں بہشت میں

چھوٹے سے سن میں تم نے سہے ظلم بیشمار
صدقے تری غریبی کے اے شہ کی یادگار
مجبور ہے برادرِ مظلوم و سوگوار
جائے کدھر سنبھالے ہوئے بیڑیوں کا بار
خاصانِ حق کو خلق میں راحت ملی نہیں
بیٹی اسی کی ہے جسے تربت ملی نہیں

زنداں کا در تو بند ہے بی بی کدھر چلیں
کپڑے سفید پہنے ہوئے کس کے گھر چلیں
واری مرے ریاض کو برباد کر چلیں
خوشبو سونگھا کے مثل نسیمِ سحر چلیں
اب اس چمن میں بادِ بہاری کب آئیگی
ماں صدقے جائے پھر کے سواری کب آئیگی

گھٹ گھٹ کے یاں اندھیرے میں کہتی تھیں بار بار
اماں چراغ ہو تو ٹھہر جائے جان زار
اب شام میں ملے گی تمہیں قبر تنگ و تار
بی بی کو نیند آئیگی کیونکر یہ ماں نثار
تڑپو گی تم تو ماں کو خبر ہوگی کس طرح
پہلی یہ شب لحد میں بسر ہوگی کس طرح

مرثیہ نمبر ۳۹

شہادت جناب سکینہؑ

جب شام کے زنداں میں سکینہ نے قضا کی — اور زیست نے اس بچی کی ہرگز نہ وفا کی
آخر متحمل نہ ہوئی جور و جفا کی — سر پر شہِ مظلوم کے جاں اپنی فدا کی

بے غسل و کفن بنتِ حسین ابن علی ہے
محتاجِ لحد آہ وہ نازوں کی پلی ہے

کہتی ہے کوئی آہ سکینہ مری پیاری — رو کر کوئی کہتی ہے تری لاش کے واری
سر پیٹتی ہے کوئی کوئی کرتی ہے زاری — چلاتی ہے مادر کہ مری درد کی ماری

کیسا مرا منہ دیکھ کے چپ رہ گئیں بی بی
مرتے ہوئے بھی مجھ سے نہ کچھ کہہ گئیں بی بی

صد حیف کہ زنداں سے چھوٹیں نہ مری جاں — سر پہ پدر مردہ کے تم ہو گئیں قرباں
تدبیر کروں کیا کہ نہیں دفن کا ساماں — کرتا بھی تو ثابت نہیں ہے جسم پہ اس آں

کس طرح سے میت تری دفناؤں گی ہے ہے
کیوں کر تمہیں اس کرتے میں کفناؤں گی بچہ

ہے ہے تمہیں زندان میں کیسی اجل آئی — اب تک ہے بندھی رسّی میں ننھی سی کلائی
پیاسی تھی زباں ہونٹوں پہ اس سے نکل آئی — بن باپ کے آخر تمہیں ہچکی نہ نکل آئی

اب درد سے کانوں کے نہیں روتی ہو بی بی
بابا کے لئے جان نہیں کھوتی ہو بی بی

گردن کی رسن کھول دو گھٹتا ہو اگر دم — لو اُٹھ کے مری جان پدر کا کرو ماتم
زندان میں آیا ہے سرِ شاہِ دو عالم — تعظیم کرو باپ کی اے بیکس و پُر غم

بابا کو مری جان نہ کفناؤ گی چل کر
شبیرؑ کو مدفن میں نہ دفناؤ گی چل کر

ہوتا جو وطن اپنا تو لوگوں کو بلاتی — اور دھوم سے بی بی کے جنازے کو اٹھاتی
تابوت کے ہمراہ میں سر پیٹتی جاتی — خود گھر میں صفِ ماتم منگوا کے بچھاتی

ماں قید مصیبت میں گرفتار ہے بی بی
میت کا اُٹھانا مجھے دشوار ہے بی بی

اب تک تو مری چھاتی پہ سویا کیں مری جاں — اے فتنوں والی مری اے بے سروساماں
اے بے پدر بیکس و ناشاد و پُر ارماں — ہے ہے مری غربت زدہ قیدی زنداں

آرام کیا خاک پہ اس آن سکینہ
گودی کو مری کر گئیں ویران سکینہ

اے لاڈلی مری تری میت کے میں واری — اب آج سے تم قبر میں سو جاؤ گی پیاری
ہے ہے کوئی حسرت بھی نکالی نہ تمہاری — مادر کے کلیجے کا بہت زخم ہے کاری

قربان گئی قبر میں ڈر ڈر کے نہ رونا
تم مجھکو جو کبھی یاد مجھے کر کے نہ رونا

بابا کی جو پیاری تھیں دیا ساتھ پدر کا — کچھ ماں کی شفقت کا خیال آیا نہ اصلا
کن محنتوں سے میں نے تھا ہے ہے تمہیں پالا — پر تم نے ہمیں آن کے پردیس میں چھوڑا

داغ اپنا کلیجہ پہ مجھے دے گئیں ہے ہے
مادر کو نہ خدمت کے لئے لے گئیں ہے ہے

اس بین سے بانو کے بپا ہو گیا محشر — حاکم نے سنا مر گئی شبیر کی دختر
بلوا کے لگا کہنے یہ عابد سے وہ خودسر — سنتا ہوں کہ زنداں میں موئی آپکی خواہر

جس چیز کی حاجت ہو کہیں آپ منگا دوں
ہو زر کی جو خواہش تو خزانے سے دلا دوں

لو لوٹ بھی اب پھیر لو اے عابد بیمار — اور اس کے سوا جو کہو دوں درہم و دینار
وہ بولے کہ سب کشتوں کے سر دے ہمیں غدار — جز لوٹ کے اور سر کے ہمیں کچھ نہیں درکار

دفنا کے سکینہ کو شہیدوں کو کریں دفن
بے دفن ہیں ہم جا کے عزیزوں کو کریں دفن

یہ کہہ کے چلے روتے ہوئے پھر سُوئے زنداں — اسباب لیا اور لئے سرہائے شہیداں
پہنچے تو کہا بانو نے مادر ترے قرباں — بہتر نہیں میت کا پڑا رہنا مری جاں

بتلاؤ تو میت کو کہاں دفن کروگے
میت کو چلو لے کے جہاں دفن کروگے

یہ سُنتے ہی عابد نے بس اک قبر کی تیار — جب رکھنے لگے میت بیکس وہ دل افگار
پیدا ہوئے اُس قبر سے دو ہاتھ بس اکبار — اور آئی صدا فاطمہ کی لے مرے دلدار

قربان گئی لاش سکینہ کو مجھے دو
اب بنتِ شہنشاہِ مدینہ کو مجھے دو

میت کو دھرا ہاتھوں پہ عابد نے یہ سُنکر — اور دفن کیا خواہرِ دلگیر کو رو کر
پانی کے عوض اشکوں سے میت کو کیا تر — ممکن ہوئی پھولوں کی بھی اُس وقت نہ چادر

تُربت جو بنی ننھی سی رونے لگیں زینبؑ
سر پیٹ کے منہ اشکوں سے دھونے لگی زینبؑ

بانو نے کہا خاک پہ منہ رکھکے پھر اکبار — اے قبر شہِ دیں کی امانت سے خبردار
لے سونپتی ہوں دولتِ شاہنشہِ ابرار — اے خاک مری لاڈلی بچی سے خبردار

زنداں کی زمیں ہے تری مہمان سکینہ
آرام سے رکھیو کہ ہے نادان سکینہ

مرثیہ نمبر ۴۷

شہادتِ حضرت سکینہؑ

جنّت کے جو در پر گئی معصوم سکینہؑ — حوروں سے لگی کہنے یہ معصوم سکینہؑ
مظلوم کی بیٹی ہوں میں مظلوم سکینہؑ — عاشورہ سے دیدار کی محروم سکینہؑ

اے بابا کہاں بیٹھے ہو گلزارِ جناں میں
اب صبر کی طاقت نہیں مجھ سوختہ جاں میں

حوروں نے جو سر اپنا اٹھایا تو یہ دیکھا — اک لڑکی ہے وہ پہنے ہوئے کہنہ سا کرتا
اور ہاتھ دھرے کانوں پہ روتی ہے بیکیا — کانوں سے لہو بہتا ہے رخسار ہے نیلا

پوچھا کہ یہ کیا حال بتا تیرا ہوا ہے
رو کر کہا یہ شمر کی سب جور و جفا ہے

جن باپ کے بچوں کو ہیں دنیا میں ستاتے — عوض میں ترحم کے طمانچے ہیں لگاتے
دُر چھین کے کانوں سے بھی ہیں تک نہ جاتے — اور روئے تو پھر پشت پہ دُرّے ہیں لگاتے

کیا کیا میں کہوں ظلم جو کچھ مجھ پہ ہوئے ہیں
زندان میں سب دکھ پہ گرے پیٹ رہے ہیں

اس بچی کی عزت پہ ہوئیں حوریں بھی ششدر
کہنے لگیں نادان سے اس طرح وہ رو کر
بتلا ہمیں اے لاڈلی تو کس کی ہے دختر
بیتاب سکینہ ہوئی اور بولی تڑپ کر

کیا تم کو حسب اور نسب اپنا میں بتاؤں
قصہ ہے بڑا کان لگاؤ تو سناؤں

اے حورو سنو دادی ہے مری فاطمہ زہراؑ
نانا ہے نبیؐ دادا علیؑ شیر خدا کا
عمو ہیں حسنؑ زہر دغا جن کو پلایا
عباس چچا ہیں جو مرے ہیں لب دریا

اک بھائی بڑا میرا جو ہم شکل نبیؐ ہے
برچھی کی انی اس کے کلیجے پہ لگی ہے

اور دوسرا بھائی ہے مرا اصغر بے شیر
پانی کے لیے حلق پہ جس کے ہے لگا تیر
ماں روتی ہے زنداں میں احوال ہے تغیر
نکلی ہے اسے ڈھونڈنے کو آج یہ ہمشیر

دیدار برادر کا مجھے شوق بڑا ہے
کیا جانئے کس دکھ میں معصوم پڑا ہے

کیا تم کو بتاؤں میں نشاں اپنے پدر کا
زخمی تبر و تیر سے ہے جسم سراپا
بازو پہ نشاں تیر کا ہے صاف ہویدا
داغ اکبرؑ گلفام کا سینے پہ چمکتا

مظلوم ہے بے کس ہے ولی ابن ولی ہے
بابا کا مرے نام حسینؑ ابن علیؑ ہے

جس وقت یہ حوروں نے سنا قصۂ ناکام اس درد سے روئیں کہ جناں میں ہوا کہرام
جبرئیل سے فرمانے لگے شاہِ خوش انجام یہ شور ہے کیسا نہیں قلب کو آرام

دیکھو تو کیا حادثہ اس وقت ہوا ہے
کیوں حور و ملک روتے ہیں یہ جنت میں کیا ہے

یہ ذکر تھا جو دیکھتے کیا ہیں شہ والا اک لڑکی ہے جو گرد کئے حوریں ہیں حلقہ
اور پیٹتے آتے ہیں ملائک بھی سراپا پوچھا تو یہ رو رو کے انہیں حال سنایا

کیا عرض کروں آپ سے میں شاہِ مدینہ
نازوں کی پلی آپ کی آتی ہے سکینہؑ

ناگاہ سکینہؑ کی نظر پڑ گئی شہ پر روتی ہوئی دامن میں گری شاہ کے جاکر
چھاتی سے لگا کر اسے رونے لگے سرور لپٹے ہوئے تھے قاسمؑ و عباسؑ دلاور

شہ نے کہا کیوں مضطر و حیراں ہے بی بی
کیا حال ہے کیوں چاک گریباں ہے بی بی

رو کر یہ سکینہؑ نے شہ دیں کو سنایا ظاہر ہے مرا حال تو سب دیکھئے بابا
کانوں سے لہو بھی تو بہے ایک مہینا رخسار طمانچوں کے سبب ہے یہ نیلا

نیلی سے ستمگر کی کہیں تن میں توان ہے
گردن میں رسن باندھی تھی یہ اس کا نشاں ہے

شہ نے کہا زینبؑ کا بتا حال تو کیا ہے   اس نے کہا مقنعہ ہے نہ سر پر نہ ردا ہے
رسی سے پھوپھی جان کا بازو بھی بندھا ہے   لب خشک ہیں اور ہائے حسینؑ کی صدا ہے

فرزندوں کی فرقت میں کبھی روتی ہے زینبؑ
اکبرؑ کے لئے جان کبھی کھوتی ہے زینبؑ

اماں کا عجب حال ہے اے حق کے فدائی   اصغرؑ کے لئے رو رو کے ہے جان گنوائی
یہ مجھ سے کہا تھا کہ ملے گر تجھے بھائی   کہہ دیجیو جاں کھوتی ہے تجھ بن تیری دائی

یاد آتے ہیں ہر لحظہ ترے بال جھنڈولے
شکل اپنی دکھائی نہیں تم ماں کو یہ بولے

آغوش میں زہراؑ کے تھا جو اصغرؑ بے شیر   بے چین ہوا سن کے یہ ہمشیر کی تقریر
اور جانب ہمشیر ہمک کر جھکا بے شیر   بھائی کی سکینہؑ کو نظر آئی جو تصویر

اصغرؑ کی طرف دوڑی وہ ہاتھوں کو بڑھا کر
بے ساختہ رونے لگی گودی میں اٹھا کر

لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ دکھیا   چھوٹے مرے بھائی ترے قربان سکینہؑ
کیا حال ہوا تیرا یہ ہمشیر کو بتلا   معصوم نے انگلی سے گلا اپنا دکھایا

مطلب یہ تھا مادر کا مجھے رنج بڑا ہے
کس طرح میں بولوں کہ گلا میرا چھدا ہے

مرثیہ نمبر ۱۸۱

شہادت جناب سکینہؑ

جب دخترِ شبیرؑ نے زنداں میں قضا کی　　اک دھوم ہوئی رانڈوں میں فریاد و بکا کی
غل تھا کہ موئی لاڈلی شاہِ شہدا کی　　عاشق اسے کہتے ہیں یہ رسم ہے وفا کی

کل پیاس میں بیتاب تھی آج چپ پڑی ہے
بچی کفن و گور کو محتاج پڑی ہے

ماں کہتی تھی اس بچی سے میکے میں قربان　　سب قتل ہوئے کون کرے دفن کا ساماں
روتی ہوئی جاؤں میں کہاں با سرِ عریاں　　فریاد کروں کس سے کہاں ہیں شہِ ذیشاں

میں جیتی رہی رونے کو موت آ گئی تجھ کو
معلوم نہیں کس کی نظر کھا گئی تجھ کو

خط میں مجھے صغراؑ نے یہ لکھا تھا کہ مادر　　میں اپنی سکینہ کیلئے روتی ہوں دن بھر
جاؤں گی جواب نے وطن قید سے چھٹ کر　　پوچھے گی وہ بیکس کہ کہاں ہے مری خواہر

ہاتھوں سے میں دل تھام کے خاموش رہونگی
تم کو گئیں دنیا سے میں کیا اس سے کہونگی

بیٹی کے لئے بیٹھی تھی بانوئے مضطر
حاکم کو خبر دی یہ خبر داں نے جا کر
اک چار برس کی ہے جو شبیرؑ کی دختر
زنداں میں قضا کر گئی وہ بیکس و بے پر

اس ننھی سی میت کو کہاں دفن کریں ہم
حاکم کا جہاں حکم ہو واں دفن کریں ہم

تب شمر سے یہ کہنے لگا حاکم غدار
لے جا مری سرکار سے جو ہو نہیں انکار
تکفین و تابوت و کفن بھی ہے تیار
دینا نہیں جو تجھ سے کہے عترت اطہار

یوں دختر سلطان مدینہ کو اٹھانا
ہاں دھوم سے تابوت سکینہؑ کو اٹھانا!

یہ سن کے گیا ڈیوڑھی پہ زنداں کی وہ بے پیر
سجادؑ نکل آئے سنبھالے ہوئے زنجیر
کی عرض یہ تب اس نے کہ اے دلبر شبیرؑ
فرماؤ کہاں دفن سکینہؑ کی ہے تدبیر

حاکم نے مجھے حکم دیا ہے یہ بلا کر
جس شے کی ضرورت ہو وہ لے آؤں میں جا کر

سجادؑ نے فرمایا ہمیں کچھ نہیں درکار
تابوت کے خواہاں ہیں نہ کفن کے ہیں طلبگار
دشمن کا ہم احسان کبھی لیں گے نہ زنہار
کچھ ننھی سی تربت کا بنانا نہیں دشوار

بابا بھی ہے مظلوم و غریب الوطن اس کا
کرتا جو گلے میں ہے وہی ہے کفن اس کا

سر پیٹ کے سجادؑ کو بانو یہ پکاری
بھیجے کبھی جو حاکم تو نہ تم بھیجیو واری
کردیگا خدا سہل یہ مشکل بھی ہماری
محتاج کفن ہو گئی ہے ہے مری پیاری

پردیس میں بیجان ہوئی آج سکینہؑ
اماں تری مظلومی کے قربان سکینہؑ

پھر رُخ کے بلائیں یہ کئی بار پکاری
چپ کیوں ہوئی کچھ بات کرو تم پہ میں واری
ماں صدقے ہو ان نرگسی آنکھوں پہ تمہاری
تھمتے نہیں آنکھوں سے مری اشک ہیں جاری

نے پانی طلب کرتی ہو نہ روتی ہو بیٹی
بے چین ہے ماں چین سے تم سوتی ہو بیٹی

جب شمر سی شقی نے تجھے مارا تھا طمانچا
یہ چاند سا منہ ہو گیا تھا رنج سے نیلا
کس ظلم سے چھینا تھا ترے کان کا بندا
تر ہو گیا تھا خون میں ننھا سا شلوکا

تاریک بہت وہ تو مکان ہو ئیگا بی بی
واں سینۂ شبیرؑ کہاں ہوے گا بی بی

ہے ہے مری بیکس مری مظلوم سکینہؑ
ہے ہے مری ناداں مری معصوم سکینہؑ
کوثر پہ گئی پانی سے محروم سکینہؑ
مرجاؤ گی تم تھا نہ یہ معلوم سکینہؑ

صدقے گئی محنت مری سب تم نے بھلادی
بابا سے ملیں پالنے والی کو دغا دی

مرثیہ نمبر ۴۲

شہادت جنابِ سکینہؑ

جب خانہ زندان میں شہ دین کا سر آیا — آلودہ خون برج شرف کا قمر آیا
ظلمت میں جو اک نور کا جلوہ نظر آیا — چلائی سکینہ میرا بیکس پدر آیا!
اس چاند سی تصویر کے قربان گئی میں
لینے مجھے آتے ہیں پدر جان گئی میں

ہیں صادق الاقرار شہ صابر و شاکر — بیٹی سے قسم کھا کے گئے تھے دم آخر
لینے مجھے آئے گا یہ مظلوم مسافر — لو صاحبو جاتی ہوں خدا حافظ و ناصر
تھے شاق بہت مجھ پہ ستم شمر شقی کے
میں چھٹ گئی صدقے میں حسینؑ ابن علیؑ کے

تکلیف تھی تم سب کو میری آہ و بکا سے — چونک اٹھتے تھے بچے میری رونے کی صدا سے
بابا مجھے مل جائیں دعا ہے یہ خدا سے — صد شکر کہ فرصت ہوئی اس رنج و بلا سے
تڑپونگی نہ زاری سحر و شام کروں گی
اب باپ کی چھاتی پہ میں آرام کرونگی

اماں ہمیں کرتا کوئی اجلا سا پہنا دو کنگھی بھی کرو آنکھوں میں سرمہ بھی لگا دو
کانوں کا لہو دامنِ پرنم سے چھڑا دو چھینے ہوئے گوہر مجھے تم نم سے لا دو
یہ وجہ ہے بندے جو منگاتی ہے سکینہؑ
دادا کی ملاقات کو جاتی ہے سکینہؑ

میں جان سے جھنڈ دے علی اصغرؑ کی میں واری سنتی ہوں کہ جنت میں گئی ان کی سواری
بچوں کے لئے دودھ کی واں نہر ہے جاری یاد آئی نہ بھیا کو مگر پیاس ہماری
ہیں گود میں دادی کے یہ چین انکو بڑا ہے
جھولا ہے سا نجانے کا طوبیٰ میں پڑا ہے

زینبؑ سے یہ پھر کہنے لگے روکے وہ ناداں کرتی ہے کنیز آخری تسلیم پھوپھی جان
کبراؑ سے کہا لو بہن اللہ نگہباں بانوؑ سے کہا روتی ہو کیوں تم یہ میں قرباں
مشکل بس اب آسان ہوئی اس دہن کی
سجادؑ سے کہہ آؤ کہ رخصت ہے بہن کی

اس دم یہ صدا شہ کے سرِ پاک سے آئی صدقے تری غربت کے پدر اے مری جائی
تکلیف غضب تم نے اسیری کی اٹھائی پیاسی رہیں اور پانی کی ایک بوند نہ آئی
اب تک ہیں لب خشک مری جان سکینہؑ
لا سنہ میں زبان دے ترے قربان سکینہؑ

رسی میں گلا اے مری جاں باپ نے دیکھا　　عارض پہ طمانچوں کا نشاں باپ نے دیکھا
خون زخم سے کانوں کے رواں باپ نے دیکھا　　کیا کیا نہ تجھے نالہ کناں باپ نے دیکھا

سر پیٹ کے جب تو مجھے چلاتی تھی بیٹی
ریتی پہ مری لاش تڑپ جاتی تھی بیٹی

کم یاں تھی مصیبت میں ادھر ظلم تھے ہم پر　　حجرے میں کبھی تھے کبھی تنور کے اندر
صندوق میں تھے بند کبھی اور کبھی باہر　　شب بھر کبھی بستی میں کبھی دشت میں دن بھر

مرنے پہ بھی نہ ملتا تھا آرام سکینہؑ
ہوتی تھی کہیں صبح کہیں شام سکینہؑ

جس دم یہ سکینہ نے سنی باپ کی روداد　　اتنا تو کہا منہ سے کہ فریاد ہے فریاد
بہنوں کا رہا ہوش نہ کچھ ماں کی رہی یاد　　بس مر گئی جھک کر سرِ سرور پہ وہ ناشاد

شمشیر قضا چل گئی اس زار و حزیں پر
منہ باپ کے منہ پر رہا اور ہاتھ زمیں پر

چلا کے یہ مادر نے صدا دی کئی بار ی　　کیوں چپ ہو میں کیا نیند تمہیں آگئی واری
نزدیک سے فضہ نے جو دیکھا یہ پکاری　　ہے ہے مری شہزادی تو دنیا سے سدھاری

بچی سے مصیبت نہ اٹھی قید جفا کی
لو بیبیو شبیرؑ کی عاشق نے قضا کی

سر اٹھا کے لگیں پیٹنے سب بیبیاں سدم — اور کھینچ کے ایک آہ گری زینبؑ پرغم
وہ شب وہ سیہ خانہ وہ فریاد وہ ماتم — تھا شور کے بن باپ کے بچے ہوئے بیدم

لوٹتا تھا فلک غم کا ہر اک گوشہ نشین پر
ماں کا تھا یہ عالم کہ تڑپتی تھی زمین پر

بچی تری اس ننھی سی میت کے میں قربان — کیا کیا نہ ستم تو نے سہے ہائے میری جان
باندھی گئی شانوں میں رسن زخمی ہوئے کان — ڈھونڈوں میں کہاں تجھے ہے ہے میری نادان

بابا کے گلے حلق کی بو بھا گئی بی بی
جیتی رہی ماں اور تمہیں موت آگئی بی بی

مرثیہ نمبر ۴۳

شہادت جناب سکینہؑ

جب دخترِ شہ بلوے تے ناچار بچھڑی	زنداں میں بہن عابدؑ بیمار سے بچھڑی
اصغر کی طرح عترتِ اطہار سے بچھڑی	ماں نے کہا کیوں مادرِ غمخوار سے بچھڑی

اماں سے اگر روٹھی ہو نادان سکینہؑ
بہنوں سے تو مت جاؤ میں قربان سکینہ

یہ کیا کہ نہ فریاد نہ وہ اشک فشانی	روتی ہو نہ اماں سے طلب کرتی ہو پانی
ہے ہے مرے معصوم کہو پھر مرے جانی	کہلاؤ پھوپھی جان سے بابا کی کہانی

بی بی مجھے حیرت ہے کہ خاموش ہوئی ہو
صدقے گئی کیا پیاس سے بیہوش ہوئی ہو

اٹھو گی تو پانی بھی پلا دوں گی سکینہ	بابا کا بھی دیدار دکھا دوں گی سکینہؑ
پھر فرقِ شہ پاک منگا دوں گی سکینہؑ	عباسؑ کو دریا سے بلا دوں گی سکینہؑ

رونے کی تمہارے جو خبر پائیں گے بی بی
وہ مشک تمہاری ابھی لے آئیں گے بی بی

سب اشکوں سے منہ دھوتے ہیں صدقہ گئی اٹھو
سامانِ عزا ہوتے ہیں صدقہ گئی اٹھو
جانوں کو حرم کھوتے ہیں صدقہ گئی اٹھو
سجادؑ حزیں روتے ہیں صدقہ گئی اٹھو
میں صدقے گئی بھائی کا دم بھرتی تھیں تم تو
بیمار کے رونے سے کڑھا کرتی تھیں تم تو

یہ غل جو سنا حاکمِ ظالم نے پکارا
پوچھا کہ یہ کیا شور ہے تو کوئی پکارا
وہ لڑکی جو تھی قیدیوں کی آنکھوں کا تارا
آخر کو اسے شمر کی بیداد نے مارا
رو رو کے زمانے سے سفر کر گئی بچی
بابا کا جو سر چھین لیا مر گئی بچی

یہ سن کے شقی نے کہا عابدؑ سے یہ آ کر
اب رونے سے کیا فائدہ ہے اتنا تو سمجھو
سونے کا سمے وقت ہے لےسدجہ نہ چلاؤ
کل تین پہر رات سے ہے رو لیجیو پھر جاؤ
فریاد بھی کر لیجو اور رنج و محن بھی
میں دفن کا سامان بھی بھیجوں گا کفن بھی

یہ کہہ جو گئے آن کے ظالم کے سپاہی
اس حکم پہ بیبیوں نے کیا شکر الٰہی
یہ قید یہ پردیس یہ وقت یہ تباہی
یہ بچی کی موت اور یہ رونے کی مناہی
ایسا تو ستم خلق میں ہوتا نہیں لوگو
جس کا کوئی مرتا ہے وہ روتا نہیں لوگو

آخر سحرِ حشر نے منہ اپنا دکھلایا — لکھا ہے کہ غسالہ کو زنداں میں بلایا
وہ لاش کے پاس آئی تو رو کر یہ سنایا — ہے ہے مجھے کیا حال یہ قسمت نے دکھایا

دل رنج سے سینہ میں ٹھہرتا نہیں لوگو
اس بچی کا کرتا تو اترتا نہیں لوگو

آخر کو یونہی غسل دیا رنج و محن میں — کرتا بھی شہادت کو گیا ساتھ کفن میں
رو کر کہا عابدؑ نے کہ طاقت نہیں تن میں — یا شاہِ ہدا خاک پہ کیوں سوتے ہیں بن میں

ناچار میں ہوں داغِ حزینہ نہ اٹھے گا
بیمار سے تابوتِ سکینہ نہ اٹھے گا

یہ کہہ کے جہاں میں کوئی ساتھی جو نہ پایا — تب کانپتے ہاتھوں سے جنازے کو اٹھایا
سر پیٹ کے مادر نے یہ رو رو کے سنایا — ہے ہے میری بچی تجھے زنداں نہ خوش آیا

گو قیدِ مصیبت سے رہائی ہوئی بی بی
پردیس میں مجھ سے تو جدائی ہوئی بی بی

یاد آتا ہے بی بی کے غم و رنج کا سہنا — کانوں سے کبھی خون کبھی اشکوں کا بہنا
شمر سے میرے سر کھلنے کا احوال نہ کہنا — بی بی مرے اصغر کی خبر لیتی رہنا

اماں کی جدائی کا نہ غم کھائیو بی بی
جی کھیل کے بابا سے بہلائیو بی بی

مرثیہ نمبر ۴۴

شہادت حضرت سکینہؑ

جب داغِ بیکسی نہ سکینہ اٹھا سکی
اور دردِ دل نہ خوف کے مارے سنا سکی
کھائے طمانچے شمر کے جب تک کہ کھا سکی
سن کم تھا دکھ بہت تھے نہ برداشت لا سکی
روئی تو ظالموں نے جفا بے شمار کی
آخر یہ جبر دیکھ کے موت اختیار کی

گر آہ کی تو شمر پکارا خموش ہو
اور چپ ہوئی تو بے پدری نے کہا کہ رو
کہہ شدتِ عطش سے پکاری کہ پانی دو
گہ یاد کر کے رہ گئی بابا کی پیاس کو
سوئی جو آنسو پونچھ کے چشمِ پُر آب سے
ہے ہے حسینؑ کہہ کے پھر اٹھ بیٹھی خواب سے

دل میں سما گیا تھا جو شمرِ لعیں کا ڈر
سوتے میں کانپ کانپ کہتی تھی رات بھر
فریاد چھینتا ہے گہر شمرِ بدگہر
آتا ہے ابن سعد چھپوں جا کے میں کدھر
زینبؑ پھپی سنبھالو کلیجہ دھڑکتا ہے
سجادؑ بھائی دیکھو یہ خولی گھرکتا ہے

چپ تھی تو چپ تھی بولی جو تھی ڈری ہوئی وان شمر آیا تن میں ادھر تھرتھری ہوئی
تھی آہ آہ بات میں لب پر دھری ہوئی گردن کی رسیاں لہو سے بھری ہوئی

دم رکنے لگتا تھا تو رسن کھول دیتے تھے
باہر جو شمر لوٹا تو باندھ لیتے تھے

حرفِ درشت ظالموں نے بارہا کہا بیکس نے سن لیا نہ کسی کو برا کہا
اللہ رے صبر یہ بھی نہ پوچھا کہ کیا کہا دیکھا فلک کو پیاس سے اور یا خدا کہا
کیا کیا نہ خلق کلمے حقارت کے کہہ گئی
یہ بیکسی سے دیکھ کے منہ سب کا رہ گئی

جب پیاس لگتی رو کے چچا کو پکارتی دب جاتے جو کان شاہِ ہدا کو پکارتی
آتا نہ جب کوئی تو خدا کو پکارتی جینے سے تنگ ہو کے قضا کو پکارتی
کہتی تھی نے چچا نہ امام امم رہے
رلوانے کو عدو رہے لٹنے کو ہم رہے

حالِ شبِ وفات سکینہؑ ہے یادگار گویا کہ اپنی مرگ تھی بیکس پہ آشکار
ملتی تھی شام سے وہ گلے سب کے بار بار ماں کی بلائیں لیتی تھی وہ ماں کی غمگسار
تسلیم کو پھپی کی کبھی سر جھکاتی تھی
تھی بے خطا پہ سب سے خطا بخشواتی تھی

گبھرا کے چپکے چپکے کبھی کرتی تھی بیاں
کل اک جگہ میں جاؤں گی اس گھر سے بے گماں

رو کر وہ پوچھتی تھی کہو تو کہاں کہاں
در زنداں میں تو قفل ہے گردن میں ریسماں

یہ کہتی تھی کہ قفل لگا ہے تو کیا ہوا
زنداں ہے بند روضہ رضواں کھلا ہوا

زنداں سے کہتی تھی یہ کبھی وہ اسیرِ غم
ہو جائے گا کل ایک ترا مہمان کم

میت کسی کی ننھی سی نکلے گی صبح دم
بانو سے یہ خطاب کبھی تھا بچشمِ نم

اک تازہ موت ہوگی نبیؐ کے گھرانے میں
اماں لٹو گی آج کی شب قید خانے میں

بانو پکاری لٹ تو چکی اب لٹوں گی کیا
بی بی نہ نام لٹنے کا لو تم پہ میں فدا

گو سر پہ چھینے طمانچے لگے کان شق ہوا
لٹنے سے میری بی بی کا پر دل نہیں بھرا

زینب کی پشت نوکِ سناں سے فگار ہے
پر میری پیاری لٹنے کی امیدوار ہے

اب کیا لٹوں گی مال نہیں زر نہیں رہا
اکبر نہیں رہا علی اصغر نہیں رہا

زینب کو قید خانہ ملا گھر نہیں رہا
ہاتھوں میں رسیاں بندھی زیور نہیں رہا

دولت ہے کون سی جسے زندہ میں کھوؤں گی
رونا تھا جس کو رو چکی اب کس کو روؤں گی

گھر لٹ گیا اور تم ہو یہ سجادؑ ناتواں گر یہ بچیں تو نام ہے ورنہ ہوں بے نشاں
وہ بولی سب رہیں گے سلامت پہ ہم کہاں ماں نے کہا خدا نہ کرے اے سکینہ جاں

کی عرض دیکھ لوں گی جو پیچھے کو ہووے گا
بابا کی رونے والی کو سب کنبہ روئے گا

غم ہے تمہاری قید کا اور بے ردائی کا آگے مرے نہ ظہور ہوا کچھ رہائی کا
نکلا گلا نہ طوق سے سجاد بھائی کا ظالم نے سر دیا نہ شہ کربلائی کا

عرصہ کفن پہننے میں بیٹی کے کیا رہا
پر حیف سر پھپھی کا مری بے ردا رہا

پھر رو کے ماں سے بولی کہ بیجا ہے یہ گماں کنبہ اسیر دیس پرایا کفن کہاں
حاکم عدو زمانہ بغی منحرف جہاں کیا بیکسی کا وقت ہے ہم پر کہ الاماں

جیتے جی جب خبر نہ لی مرنے پہ لے گا کون
بابا ہی کو کفن نہ دیا ہم کو دے گا کون

اب موت مری سب کو مبارک کرے خدا مرتے ہی چھوٹے قید سے سب کنبہ ہو رہا
جاتا ہے بخار برادر کا بے دوا جنت کو ہم رواں ہوں مدینہ کو اقربا

غل ہو سکینہؑ لے کے بلا سب کی مر گئی
حیدر کی پوتی مشکلیں آسان کر گئی

عابدؑ سے پھر کہا جو نہ حجت کریں لعیں
جانا پسند کرنے کو تم قبر کی زمیں
پھر سوجھے پاؤں دیکھ کے بولی نہیں نہیں
ایسے مریض اٹھ کے سنبھل سکتے ہیں کہیں
تکلیف تم نہ کرنا مری روح رُوٹھے گی
بھیّا جہاں کی خاک وہیں دفن ہوئے گی

یہ کہہ کے ماں کی گود میں لیٹی وہ نوحہ گر
آنکھوں میں خواب میں آئے وہیں پدر
کپڑے لہو میں لال بدن سب لہو میں تر
لیکن نہ ہاتھ جسم مبارک پہ تھے نہ سر
شہ رگ کٹی ہوئی یہ کرامت دکھاتی تھی
پیہم صدا سکینہ سکینہ کی آتی تھی

پہچان کر سکینہ صدائے شہِ زماں
تسلیم کر کے لپٹی کہا واہ بابا جاں
جب ہم طمانچے کھا چکے تب آئے تم یہاں
کہتی تھی میں اب آتے ہیں بابا شاہِ بیکساں
کھلواؤں گی گلے کو میں ہاتھوں سے باپ کے
سو ہاتھ بھی نظر نہیں آتے ہیں آپ کے

مشکل کشا کے بیٹے کہو ہاتھ کیا ہوئے
میں نے سنا تھا قتل شہِ کربلا ہوئے
ہے ہے یہاں تو ہاتھ بھی دونوں جدا ہوئے
گویا دہانِ زخم شاہ ہدا ہوئے
وعدہ یہ سر دیا ہے ترے بابا جان نے
اے بیٹی ہاتھ کاٹ لئے ساربان نے

مرثیہ نمبر ۸۵

شہادت جناب سکینہؑ

زنداں میں جب حسینؑ کی پیاری گذر گئی
آفت نصیب وہ غریب دکھیاری گذر گئی
کمسن یتیم درد کی ساری گذر گئی
ماں کہتی تھی سکینہؑ ہماری گذر گئی

ماں بیبیاں پھوپھیاں رو کے سب جاں کھوتے ہیں
چھوٹی سی لاش دیکھ کے سب لوگ روتے ہیں

چھوٹی سی لاش بیچ میں اطراف بی بیاں
سر پر ہے خاک دل میں قلق ہونٹوں پہ فغاں
چلا کے سب روتے ہیں کہہ کر کے یہ بیاں
عباسؑ پانی لائے ہیں اٹھو سکینہؑ جاں

کیا ہوگیا کہ آنکھوں کو تم کھولتیں نہیں
پانی بھی مانگتی نہیں کچھ بولتی نہیں

میت کے پاس بیٹھی ہے مادر بحال زار
دیوانوں کا سا طور ہے دل کو ہے اضطرار
کہتی ہے کچھ نکلتا ہے کچھ منہ سے بار بار
گر کر زمیں پر لوٹتی ہے ہو کے بیقرار

تیور بدلتے جاتے ہیں اور غش وہ ہوتی ہے
غش سے جو چونک پڑتی چلا کے روتی ہے

کہتی ہے بیخودی میں کہ فضہ سے جلد جا
بی بی کے بابا جاں کہاں ہیں بلا کے لا
کہہ دے حسینؑ سے کہ سکینہؑ نے کی قضا
میت اٹھانے آؤ شہنشاہ کربلا

پانی نہیں وہ تشنہ دہن مانگتی ہے اب
بیٹی تمہاری گور و کفن مانگتی ہے اب

بیٹی کا اب جنازہ اٹھانے کو جلد آؤ
صدقے تمہارے چھوٹا سا تابوت اک منگاؤ
سینے پہ سونے والی کو تابوت میں سلاؤ
میت کے ساتھ چلنے کو عباس کو بھی لاؤ

قاسمؑ کو جائے قبر کی جستجو تلاش کو
اکبرؑ سے کہدو آکے وہ لیجائیں لاش کو

کہتی ہے فضہ بی بی کدھر آہ جاؤں میں
مظلوم کربلا کو کہاں سے بلاؤں میں
وہ تو شہید ہو چکے اب کس کو لاؤں میں
کیا جا کے کربلا میں یہ نوحہ سناؤں میں

کس جا ہے فاطمہؑ کا پسر کس سے بولئے
مقتل میں تن ہے نیزہ پہ سر کس سے بولئے

زینبؑ بھی فرش خاک زباں تھا باربار
پیاری تو چل بسی نہوئی تجھ پہ میں نثار
اب کس کی سرپرست رہو نگی میں دلفگار
میری سکینہؑ سید بے کس کی یادگار

اٹھو بیٹھو آؤ گودی میں مجھ دل فگار کے
لگ جاؤ سینے سے کبھو پھپھی ماں پکار کے

باقرؑ کا تھا یہ نوحہ کہ چھوٹی پھوپھی اٹھو
اس سونے گھر میں لگتا نہیں میرا جی اٹھو
اٹھو یہ کیسی نیند تمہیں لگ گئی اٹھو
بے چین ہے رقیہؑ سرہانے کھڑی اٹھو

منت سے کہہ رہی ہے بہ خونزادی جواب دو
بھینا جواب دو مری بی بی جواب دو

بچوں نے ایسے بین کئے واں جو ہر طرف
دل کو رہا حرم کے نہ یارائے ضبط جب
اک بار غل مچا کے لگے رونے سب کے سب
طشت طلا میں کانپا سر سید عرب

مغموم و اشکبار تھے جن و ملک تلک
تھا شور ہائے ہائے زمیں سے فلک تلک

اس غل سے چونک اٹھا جو یزید زبوں بد خصال
دریافت کا کیا جو نہی حضار سے سوال
سب نے کہا تباہ ہے سیدانیوں کا حال
اس دم ہوا حسینؑ کی بیٹی کا انتقال

کنبے کی پیاری جان و دل خاندان تھی
گنتی میں چار سال کی وہ ناتواں تھی

بولا یزید لعین کون سی لڑکی تھی وہ بتا
دربار میں وہ آئی تھی میرے حضور کیا
اور کیسی اس کی وضع تھی کیا اس کا نام تھا
سب نے کہا کہ سب میں یہ چھوٹی تھی مہ لقا

لینے کو سر حسینؑ کا جو بڑھ کے آتی تھی
شمر لعین کو دیکھ کے جو کانپ جاتی تھی

سن کر اس شقی کے بھی آنسو ہوئے رواں
پھر شمرؔ سے یہ کہنے لگا اس طرح بیاں
زنداں میں جا کے کہدے یہ سجادؑ سے کہ ہاں
خواہر کو دفن کیجئے بانالہ و فغاں

منظور جو کفن کیلئے ہو وہ لیجئے
بھاری کفن حسینؑ کی دختر کو دیجئے

سن کر یزید نحس سے یہ شمرؔ زشت خو
زنداں میں مثل شب ہوا وارد وہ تیرہ رو
زینبؑ کو جس گھڑی نظر آیا وہ کینہ جو
دل تڑپا اور آنکھوں سے جاری ہوا لہو

میت کو دیکھ بولی نہیں اب جو روتی ہو
بولو سکینہؑ جاگتی ہو یا کہ سوتی ہو

آیا ہے شمرؔ ڈر کے لپٹ جاتی اب نہیں
جلدی سے میری گودی میں کیوں آتی اب نہیں
چپکے پڑی ہو خاک پہ چلاتی اب نہیں
صورت لعین کی دیکھ کے گھبراتی اب نہیں

بی بی دیار شام میں ہم آکے لٹ گئے
زنداں سے تم نہ چھوٹے پہ تم ہم سے چھٹ گئے

مرثیہ نمبر ۴۶

رہائیٔ اہلِ حرم از زندانِ شام

جب آیا اسیروں کے لئے حکمِ رہائی — زینبؑ نے خبر قید سے چھٹنے کی جو پائی
کہنے لگی حضرت نے بڑی دیر لگائی — چھٹنے کا تو وقت آیا مگر آئے نہ بھائی

بے سبطِ نبیؐ لطفِ رہائی نہیں لوگو

زنداں سے نہ نکلوں گی کہ بھائی نہیں لوگو

جس دم مرے سر پہ نہ ہوا سایۂ سرور — پھر مجھ کو رہائی و اسیری ہے برابر
اکبرؑ ہیں نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ دلاور — پھر میری رہائی تو ہے اب قید سے بدتر

سر پیاروں کا کٹوا کے چھٹی قید سے تو کیا

بن بھائی کے کہلا کے چھٹی قید سے تو کیا

بن بھائی کے کس منہ سے میں جاؤنگی وطن میں — گھر ہوئیگا زندانِ غمِ سلطانِ زمن میں
ہو جائے ملاقات اگر بھائی بہن میں — تا زیست گوارا مجھے بند طلبِ رسن میں

میں جانتی تھی قید سے چھڑوائیں گے بھائی

زنداں میں نہ آئے تو نہ اب آئیں گے بھائی

سے صاحبو تم سب کو مبارک ہو رہائی — جاؤں گی میں یاں سے نہ آئے مرے بھائی

جب ہو چکی ماجائے سے درپیش جدائی — پھر ایک سی ہے مخلصی گر پائی نہ پائی

نکلی تھی مدینے سے بہن بھائی کے ہمراہ

اب بھائی کہاں جائے ماجائے کے ہمراہ

گر صورتِ شہ گھر میں پہنچ کر نظر آتی — ماجائے سے ملنے کو بہن آنکھوں سے جاتی

بے حشر کے زینب نہیں اب بھائی کو پاتی — مجھ کو یہ رہائی نہیں بھاتی نہیں بھاتی

بے بھائی کے چھٹنے میں نہیں لطف ذرا ہے

مر جاؤں گی اگر قید میں تو نام بڑا ہے

کیا بالی سکینہ کا نصیبا ہوا یاور — بابا کے لیے مر گئی زنداں میں وہ دختر

مر جائے اسی طور کہیں میرا مقدر — مر جاؤں اسی قید میں میں بیکس و مضطر

ہے نام بڑا اس میں بھی گر جان نہ نکلے

زندان سے زینب کسی عنوان نہ نکلے

یہ بین کئے پہلے تو اس نے بدل زار — پھر بولی یہ سجادؑ سے اے عابدِ بیمار

مجھ کو نظر آتے ہیں رہائی کے کچھ آثار — ہو جائے رہائی تو کرو دیر نہ زنہار

تم جاؤ وطن ساتھ لو سب اہلِ حرم کو

اس خانۂ زنداں میں پڑے رہنے دو ہم کو

سجادؑ نے جس دم یہ سنا اپنی پھوپھی سے
رو رو کے یہ کہنے لگے اُس بنتِ علیؑ سے
ایسا ہی تمہیں عشق تھا فرزندِ علیؑ سے
قربان ہو تم نام پہ اس بھائی کے جی سے
یاں چھوڑ کے میں جاؤں تمہیں یہ نہ کہو تم
مل جائے جو یاں رہنے سے بھائی تو رہو تم

معلوم ہے یہ تو تمہیں اے بیکس و مغموم
اب شاہ کا دیدار سوا حشر کے معلوم
کس بیکسی سے مارے گئے سیدِ مظلوم
سب فوج سمیت اپنی رہے پانی سے محروم
مجھ کو تو اسی واسطے خواہش ہے وطن کی
واں فاتحہ دلوانی ہے بے غسل و کفن کی

جس روز سے مارا گیا فرزندِ پیمبرؐ
کس طور سے رونے کی منادی رہی ہم پر
اللہ نکالے گا جو زندان سے باہر
پھر رونا تو شبیرؑ پہ جیتے گا مقرر
گر لے چلے اعدا ہمیں مقتل کی طرف سے
مل لیویں گے قبرِ پسرِ شاہِ نجف سے

جب مقتلِ شبیرؑ کا زینبؑ نے سنا نام
سجادؑ سے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام
چلتی ہوں اسی شرط سے اے بیکس و گل اندام
مقتل سے چلو تاکہ کچھ ہوئے مجھے آرام
آنکھوں کو تمنا ہے میری خاکِ شفا کی
حاصل میں زیارت کروں قبرِ شہدا کی

عابدؑ سے یہ باتیں ابھی کرتی تھیں وہ دلگیر جو اہلِ جفا آ کے یہ کرنے لگے تقریر
مجلس میں بلاتا ہے تمہیں حاکمِ بے پیر اب چھٹتے ہو تم قید سے اے صاحبِ توقیر
زندانِ مصیبت میں نہ ہاتھوں کو ملو تم
رخصت وہ کرے سامنے حاکم کے چلو تم

کہنے لگی ملعونوں سے یوں زینبؑ مضطر کہہ حاکمِ بیدین سے میری سمت سے جا کر
حضار کو دربار کے اے کافرِ اکفر اک بار تو دکھلا چکا ہم سب کے کھلے سر
کر پاسِ نبیؐ نام کا زہرا کے ادب کر
مجلس میں دوبارہ ہمیں ظالم نہ طلب کر

پیغام جو زینبؑ کا سنا بولا وہ مغرور تم قیدیوں کا چھوڑنا ہے اب مجھے منظور
کچھ بغض رکھوں تم سے یہ میرا نہیں دستور آئیں نہ حرم آئے فقط عابدِؑ رنجور
جو چیز کہ درکار ہو وہ آن کے لے جائے
اور لوٹ کا اسباب بھی پہچان کے لے جائے

جس وقت سنا یہ سخنِ حاکمِ غدار کہنے لگی تم جاؤ نہ اے عابدِؑ بیمار
اسباب سے درگزری مجھے کچھ نہیں درکار بیٹا تمہیں جانے میں نہیں دینے کی زنہار
دشمن ہے زبس نام کا زہرا کے ستمگر
وہاں مار نہ ڈالے تجھے بلوا کے ستمگر

عابدؑ نے کہا ایسی یہاں ہے مری قسمت آجائے اجل تو ابھی ہو جائے فراغت
پوشیدہ نہیں غیب کی کچھ ہم سے حقیقت فی الحال اجل میری نہیں ہے کسی صورت
منہ سے ابھی صغرا کے خجل ہونا ہے مجھ کو
چالیس برس شہ کے لئے رونا ہے مجھ کو

رخصت کو نہ جاؤں گا اگر میں جگر افگار ایسا نہ ہو رنجیدہ ہو وہ حاکم غدار
اسباب جہاں کی مجھے خواہش نہیں زنہار ہیں اپنے بزرگوں کے تبرک مجھے درکار
حاکم سے نہ کچھ مال نہ زر لینا ہے مجھ کو
ہاں اس سے فقط باپ کا سر لینا ہے مجھ کو

دربار کا عابدؑ نے کیا جب کہ ارادہ زینبؑ نے کہا جاؤ خدا کو تمہیں سونپا
سر باپ کا زنہار نہ چھوڑ آئیو بیٹا اور تند کبھی حاکم سے نہ تم ہو جیو اصلا
تم واری ہو کس صابر و معصوم کے فرزند
مظلومی ہی کرنا کہ ہو مظلوم کے فرزند

لینے میں تبرک کے بہت کیجیو تم کد زہراؑ کی ردا لیجیو عمامۂ احمدؐ
اور چھوڑ یو مت احمدؐ مختار کی مسند ہے دیکھو نہ بیرا ہن پر نور محمدؐ
شمشیر علیؑ لیجیو حمزہؑ کی سپر بھی
اصغر کا شلوکا بھی سکینہ کے گہر بھی

مرثیہ نمبر ۴۷

رہائیٔ اہلِ حرم از زندانِ شام

عابدؑ کو جب یزید سے بابا کا سر ملا سر کیا ملا کہ مرہمِ زخمِ جگر ملا
مدت کے بعد باپ کے سر سے پسر ملا ماہِ صفر میں شام سے حکمِ سفر ملا
دیکھا جو اہلبیتؑ نے فرقِ جناب کو
تاروں نے آکے گھیر لیا ماہتاب کو

بہنوں نے باری باری لیا گود میں جو سر زینبؑ نے ہونٹ رکھ دیئے بھائی کے ہونٹ پہ
دریا بہا کے اشک کے بولی وہ نوحہ گر بھیا پھری ہے آپ کی ہمشیر در بدر
جس روز سے جدا ہوئی ہیں دم سے آپ کے
نیزوں سے پشت زخمی ہے دل غم سے آپ کے

بھیا ہماری تم کو خبر ہے یا نہیں بھیا ہمارے سر سے ردائیں اتار لیں
بھیا تمہاری بہنیں یہاں رسی میں بندھیں بھیا تمہاری بچی کے ہیں سیلیاں لگیں
خنداں ہمارے حال پہ اس دم شریر ہیں
بھیا ہم ایک رسی میں بارہ اسیر ہیں

دسواں بھی بیسواں بھی ہوا قیدہی میں ہائے
بھیا تمہارا فاتحہ بھی ہم نہ کرنے پائے
کتنا کہا کہ یہاں کوئی بھائی کے سر کو لائے
پر کیا شقاوت اُنکی یہ خواہر تمہیں سنائے

جب فاتحہ کا آپ کے ہم نام لیتے ہیں
پانی بھی اس دن ہم کو یہ ناری نہ دیتے ہیں

روئی یہ بین کرکے جو نہی بنتِ مرتضیٰؑ
لکھا ہے تھرتھرا گیا فرقِ شہ ہدا
پیدا ہوئی گلوئے بریدہ سے یہ صدا
زینبؑ خموش باش کہ اب عرش ہل گیا

اب یہ بتاؤ شاہِ ولایت کے واسطے
کچھ بددعا تو کی نہیں اُمت کے واسطے

زینبؑ سے کہہ رہا تھا یہ فرقِ شہ ہدا
ناگاہ آئے حضرتِ سجادؑ بے دوا
زینبؑ سے ہاتھ باندھ کے بولے کہیں خدا
اماں کہاں ہیں اے پھوپھی دیں ہم کو وہ دوا

سب ہیں یہاں پر آہ میری جان ہوتی ہے
بانو کے رونے کی نہیں آواز آتی ہے

گھبرا گئی یہ سنتے ہی زینبؑ بصد فغاں
ڈھونڈھا ہر ایک سمت کو باچشمِ خونفشاں
دیکھا سکینہؑ بالی کا نکلا تھا دم جہاں
واں غش میں تھی پڑی ہوئی بانوئے ناتواں

سینہ ہے چاک چاک تو دل دردمند ہے
ہے ہے سکینہؑ جاں کا نوحہ بلند ہے

بھاوج پہ آ کے گر پڑی زینبؑ بچشم تر چھاتی سے سر لگا کے پکاری وہ نوحہ گر
رونا تو ہے نصیبوں میں اے بھابی عمر بھر سر آیا ہے حسینؑ کا کچھ ہے تمہیں خبر

اٹھو کر چھوٹا قید سے کنبہ امامؑ کا
ماتم کرو حسینؑ علیہ السلام کا

غش سے ہوا افاقہ جو بانوؑ کو ایک بار زینبؑ سے بولے عابدِ مضطر بچشم زار
منظور ہے رہائی کسے اے فلک وقار یکساں ہے بے حسینؑ مجھے پھول ہو کہ خار

حسرت بھری سکینہؑ سی بچی گزر گئی
ارمان تھا رہائی کا جس کو وہ مر گئی

زندہ جو ہوتی آج جہاں میں وہ نوحہ گر کس کس مزے سے گود میں لیتی پدر کا سر
اب سے چلے کوئی مجھے بچی کی قبر پر ماں بہنیں چھوٹی قید سے کر دے کوئی خبر

کہہ دو ہوا اور دور شہ مشرقین کا
پھیلا کے ہاتھ گود میں لو سر حسینؑ کا

بانوؑ ہوئی خموش پھر عابد نے یہ کہا چلتے ہیں ہم رہیں مع فرقِ شہ ہدا
ہو لیں وداع قبرِ سکینہؑ سے بھی ذرا دل کھول کر پھر آج کریں نالہ و بکا

ماتم کرو سکینہؑ کا قبر سکینہؑ پر
سر رکھ دیں شاہِ دیں کا مزارِ سکینہؑ پر

آخر چلے مزارِ سکینہؑ پہ نوحہ گر — آئے سرِ پدر لئے سجادؑ بے پدر
ناگاہ ہوا قریبِ لحد جس گھڑی گزر — تڑپا لحد کی گود میں سبطِ نبی کا سر
وہ آہ کی کہ سینۂ سجادؑ پھٹ گیا
تعویذِ قبر سے سرِ سرورؑ لپٹ گیا

اہلِ حرم نے حلقہ کیا پھر بشور و شین — ہے ہے حسینؑ کہہ کے کیا ماتمِ حسینؑ
غل تھا کہ ہائے فاطمہ زہراؑ کے نورِ عین — میت کو بھی مزار کے اندر پڑا نہ چین
الفت کی انتہا ہے یہ معنی ہیں پیار کے
دیکھا سبھوں نے ہل گئے تختے مزار کے

عابدؑ نے تب سرِ شہِ بیکس اٹھا لیا — بانوؑ کی سمت دیکھ کے بولے بصد بکا
جنگل میں لاشہ شاہ کا ہے بے کفن پڑا — اب ہے وداع قبرِ سکینہؑ سے قافلہ
رخصت ہوا ہے سرِ شہ والا کو تن ملے
اب تو بھلا حسینؑ کو گور و کفن ملے

رخصت ہوئے لحد سے غرض رو کے سب حرم — بانوؑ پکاری کرتے ہیں اقرار تم سے ہم
بھولیں گے فاتحہ نہ ترا جب تلک ہیں ہم — ناگہ صدا مزار سے آئی بچشمِ نم
وہ ہیں میرے شریک مری پیاس کے شریک
دلوانا فاتحہ مرا عباسؑ کے شریک

زینبؑ نے تب یہ عابدِ بیمار سے کہا　　گودی میں میری دو سرِ پاکِ شہِ ہدا
رو رو کے سر دیا انہیں عابدؑ نے باپ کا　　زینبؑ نے منہ پہ بھائی کے منہ اپنا رکھ دیا

بی بی ہر ایک برہنہ سر و نعرہ زن چلی
سر بھائی کا لئے ہوئے دکھیا بہن چلی

ساکت ہوئے لگا کے غرض اہلبیتِ شاہ　　اور زائروں کی طرح سے لی کربلا کی راہ
طے کر کے منزلوں کو جو د و خاصۂ الٰہ　　پہنچے وہ جا کے کربِ بلا میں بہ اشک و آہ

سوئے زمین سرِ حرمِ پاک جھک گئے
اور اشتران اہلِ حرم سا تھ رک گئے

عابدؑ پکارے کیوں ہیں آئی بلا نصیب　　یہ کربلا ہے باپ کا مدفن ہے عنقریب
بے سر بہن حبیب الٰہی کا ہے حبیب　　بولی یہ ہائے کا نپ کے تب زینبؑ غریب

مقتل دکھاؤ دیتا ہے زہرا کی جائی کو
بھیجا نہ آئے ہائے میری پیشوائی کو

واری گئی میں اونٹ بٹھائے نہ اب جھاؤ　　بھیا کا سر کہاں ہے منگا کر مجھے دکھاؤ
آیا جو سر تو بیبیوں سے بولی لوگو آؤ　　سر کھولو اور ہائے حسینا کا غل مچاؤ

مقتل کی سمت زینبؑ دلگیر جاتی ہے
بھائی کے دفن کرنے کو ہمشیر جاتی ہے

مرثیہ نمبر ۴۸

رہائی اہلحرم از زندانِ شام

دربار میں آمد ہے اسیرانِ بلا کی
زنداں سے طلب ہے حرمِ شاہِ ہدا کی
حالت ہے بُری عترتِ محبوبِ خدا کی
نے طاقتِ رفتار نہ مقدور بکا کی
فاقوں سے کھڑے رہنے کی طاقت نہیں تن میں
دہشت سے ستمگاروں کی لرزہ ہے بدن میں

تھا شور کہ اے قیدیو دربار میں جاؤ
کیا بیٹھے ہو زنداں میں قدم جلد اٹھاؤ
خالق نے کیا رحم اب آنسو نہ بہاؤ
حلقے رسنِ ظلم کے ڈھیلے کریں آؤ
حاکم کو دعا دو کہ تمہیں شاد کرے گا
اب قتل نہیں کرنے کا آزاد کرے گا

سن کر یہ سخن کہنے لگی زینبِ ناچار
اک بار تو ہو آئے ہیں مجلس میں گنہگار
کیا کام ہے اب کیوں ہے بلایا سرِ دربار
نے سر پہ ردائیں ہیں نہ ہے طاقتِ رفتار
لے جاؤ نہ بلوے میں اسیرانِ ستم کو
گھل گھل کے اسی قید میں مر جانے دو ہم کو

ہم سوگ میں ہوں کیسی خوشی کیسی رہائی   کس سے میں ملوں چھوٹ کے کیا جیتے ہیں بھائی
ماں جائے نے گردن تہِ شمشیر کٹائی   بھائی سے تو اب تا بہ قیامت ہے جدائی
چرچا ہو کہ دنیا سے سفر کر گئی زینبؑ
برسی نہ ہوئی بھائی کی اور مر گئی زینب

بتلاؤ خوشی چھوٹنے کی قید سے اب کیا   بیٹے نہیں پھر جن سے ہو ملنے کی تمنا
قاسمؑ ہے کہ آ کر مجھے دکھلائیں گے سہرا   اکبرؑ ہے جنہیں دیکھ کر ٹھنڈا ہو کلیجہ
لاشے بھی ابھی تک نہیں پیاروں کے گڑے ہیں
آباد تھا گھر جن سے وہ جنگل میں پڑے ہیں

فرمانے لگے رو رو کے تب عابدؑ بیمار   اس وقت پھوپی جان مناسب نہیں تکرار
کیا بس ہے اسی طرح چلو پھر سرِ دربار   دیکھیں تو کہ اب کہتا ہے کیا حاکمِ غدار
کب سے نہیں کی سبطِ پیمبرؐ کی زیارت
شاید ہو میسر سرِ سرورؑ کی زیارت

رو کر کہا زینبؑ نے جو مرضی تری پیارے   مختار ہو تم اب تو میں ہوں ساتھ تمہارے
سن کر یہ سخن قید سے قیدی اٹھے سارے   پر ان کے قدم کانپتے تھے ضعف کے مارے
نورانی بدن گردِ غریبی سے اٹے تھے
بکھرے ہوئے تھے بال گریبان پھٹے تھے

اس حال سے پہنچے جو وہ بیکس سرِ دربار — تعظیم کو مسند سے اُٹھا حاکمِ غدار
کاٹی گئیں جب بیڑیاں اور طوقِ گرانبار — گردن کو جھکا رونے لگے عابدِؑ بیمار

صدمے سے جو اشکِ شہ خونخوار نکل آئے
اس وقت تو حاکم کے بھی آنسو نکل آئے

اس وقت یہ عابد سے لگا کہنے وہ جلاد — مجبور نہایت ہوں میں اے سیدِ سجاد
تھا دشمنِ شہ ابنِ زیادِ ستم ایجاد — میں خانۂ زہراؑ کو نہ کرتا کبھی برباد

شرمندہ ہوں میں قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ سے
شکوہ نہ مرا کیجو رسولِ عربی سے

یہ کہہ کے سب اسباب شہیدوں کا منگایا — تب شمر لباسِ شہِ دیں کشتی میں لایا!
سجادؑ کا دل سینہ میں اس وقت بھر آیا — سر پیٹ کے یہ زینبِ بیکس نے سنایا!

اس وقت مری چھاتی پھٹی جاتی ہے لوگو
بھائی کے مرے خون کی بو آتی ہے لوگو

القصہ دیا لوٹ کا اسباب ستمگر — عابدؑ سے کہا اب تو عمامہ رکھو سر پر
اور حضرتِ زینبؑ سے کہو اوڑھ لیں چادر — عابدؑ نے کہا باندھوں عمامہ ابھی کیونکر

ہے چاک گریبانِ علیؑ بیٹے کے غم میں
سر ننگے محمدؐ ہیں نواسے کے الم میں

ملبوس درکار ہے نے اب زر و زیورؐ　　بہر حسنؑ و حیدرؑ و زہرا و پیمبرؐ
منگوا دے مجھے میرے پدر کا سر انور　　تا دفن کروں قبر میں لاشے سے ملا کر

بابا سا کبھی میرے کوئی مظلوم نہیں ہے
جس کا سر پر نور کہیں لاش کہیں ہے

سن کر یہ سخن کہنے لگا حاکم بے پیر　　سب کچھ دیا پر ایک دوں گا سر شبیرؑ
جو شیر کہ پی پی کے پلا فاطمہؑ کا شیر　　طاقت تھی کہ کوئی اُسے کرتا تہہ شمشیر
کچھ اور نہیں بعدِ ظفر ہاتھ لگا ہے
زر میں نے لٹایا ہے تو سر ہاتھ لگا ہے

سجادؑ نے فرمایا کہ اے حاکم مکار　　وہ عذر ابھی تھا یہ ابھی کرتا ہے گفتار
خود تو نے کیا قتل کا شبیرؑ کے اقرار　　خونِ شہدا ہے تری گردن پہ ستمکار
اُس دن تجھے مجبوب یہ بیداد کرے گی
جب فاطمہؑ اللہ سے فریاد کرے گی

دیتا نہیں گر مجھ کو سر سبطِ پیمبرؐ　　ان بازوؤں اپنے کے کبھی ہیں تن سے قلم کر
یوں جاؤں گا گھر کو تو یہ فرمائیں گے حیدرؑ　　سر باپ کا بھی لے نہ سکا عابدؑ بے پر
ہمراہ لیا رانڈوں کو اور روکے پھر آیا
غربت میں مرے لال کا سر کھو کے پھر آیا

ناگاہ صدا سبط پیمبر کی یہ آئی
سجادِ خدا کے لئے کرنا نہ لڑائی
گر ہو گئی تیرے بھی سر و تن میں جدائی
پھر چھوٹے گی دوزخ سے ندامت کی رہائی

مظلوم ہو مغموم ہو اور خستہ جگر ہو
لازم ہے تمہیں صبر کہ صابر کے پسر ہو

گر سر نہیں دیتا تو نہ دے کچھ نہیں پردا
بے سر ہی ہمیں قبر میں تم گاڑ دو بیٹا
دنیا میں رہے گا مری مظلومی کا چرچا
اب دے بھی اگر سر تو نہ لو صدقے ہو بابا

مقبول تو بدیہ ہوا درگاہ خدا میں
پھر لیتے نہیں دیتے ہیں جو راہِ خدا میں

حاکم نے بگڑ کر کہا جلاد کو لاؤ
سجادِ حزیں کو تہ شمشیر بٹھاؤ
زینب نے کہا یا اسد اللہ آ جاؤ
بابا مرے بیمار بھتیجے کو بچاؤ

کیا ہے کہ عیاں زور دلایت نہیں کرتے
صدقہ گئی پوتے کی حمایت نہیں کرتے

تلوار کو کھینچے ہوئے آیا جو ستمگار
سجاد سے لپٹے حرم احمدِ مختار
آواز ید اللہ یہ پیدا ہوئی ایکبار
کیوں تخت الٹ دوں ترا اے ظالم غدار

سب لوٹ لیا باغ رسولِ عربی کا
باقی ہے چراغ ایک یہی ابن علی کا

مرثیہ نمبر ۶۹

رہائی اہلحرم از زندانِ شام

آلِ نبیؐ تھے جس گھڑی رہا ۔۔۔ خدا د آیا جانبِ بیمار کربلا
صدمے کا نپنے لگے مولا کے دست و پا ۔۔۔ گردن سے طوق پاؤں سے کٹیں بیڑیاں جدا
غربت پسر کی دیکھ کے مادر نے رو دیا
گردن جھکا کے عابدِ مضطر نے رو دیا

مڑ کر شقی نے پھر یہ ادب سے کیا کلام ۔۔۔ میں نے یہ کیا کیا تمہیں اے فلک مقام
مضطر ہیں قید سے حرمِ شاہ تشنہ کام ۔۔۔ لیجائیں آپ سب کو مدینہ میں یا امامؑ
شیرِ خدا بھی خواب میں تشریف لائے تھے
شب کو رسولؐ ان کی سفارش کو آئے تھے

سچ ہے کہ کچھ حسینؑ کی مطلق نہ تھی خطا ۔۔۔ بے جرم قتل ہو گئے سلطانِ کربلا
حاضر ہے تخت و تاج بھی و رمال و زر جدا ۔۔۔ جو چاہے آپ لیجئے حضرت کا خونبہا
نادم ہوں منفعل ہوں بہت شرمسار ہوں
بخشو مری خطا کہ میں تقصیروار ہوں

تھرا گئے یہ سنتے ہی عابدؑ کے دست و پا　　بولے زباں کو بند کر او بانیِ جفا
دیتا ہے مجھکو دلبرِ زہراؑ کا خوں بہا　　سمجھا ہے سہل قتل دل و جانِ مصطفٰےؐ
جانکاہ واقعہ ہے یہ مشرقین کا
انصاف ہوگا حشر میں خونِ حسین کا

نے تخت سے غرض ہمیں نے مال و زر سے کام　　ہاں اک تبرکات کا خواہاں ہوں لاکلام
اسباب لے گئے ہیں جو غارت میں اہلِ شام　　ہیں سب وہ یادگارِ رسولؐ فلک مقام
منگوا دے وہ کہ بس ہمیں خواہش اسی کی ہے
ضائع نہ ہو کہیں وہ امانت نبیؐ کی ہے

پُرخوں ہے اس میں ایک عَلَمِ شاہ نامدار　　جس میں بندھی ہے مشکِ سکینہؑ جگر فگار
شکی قبا ہے حیدرِ صفدر کی ذوالفقار　　کہنہ ہے ایک چادرِ زہراؑئے ذی وقار
جائیں لبوں پہ عترتِ شاہِ امم کی ہیں
چھینیں جو شمر نے وہ ردائیں حرم کی ہیں

سنتے ہی یہ لعین نے دیا حکم ناگہاں　　آیا تبرکاتِ شہنشاہِ انس و جاں
رکھیں جو لا کے سامنے عابدؑ کے کشتیاں　　دوڑے حرم حسین کے کرتے ہوئے فغاں
ہونے لگی بلند صدا شور و شین کی
بو آگئی لباس سے خونِ حسین کی

ساکت ہوئے بکا سے جو حضرت کے سوگوار — کہنے لگے یزید سے سجادؑ دل فگار

منگوا دے اب ہمیں سرِ سلطان نامدار — تاکہ کربلا میں دفن کرے یہ نحیف و زار

ایسے ستم کسی پہ جہاں میں پڑے نہیں

تربت میں آج تک مرے بابا گڑے نہیں

سجاد نے یزید سے رو کر کہا یہ جب — اس نے سرِ حسینؑ کو فوراً کیا طلب

آیا نظر جو ہیں سرِ شبیرؑ بے غضب — دوڑے سروں کو کھولے ہوئے اہلبیت سب

غمگین دلوں پر اور اذیت سوا ہوئی

بیٹھیں یہ بیبیاں کہ قیامت بپا ہوئی

بولے بہا کے اشک یہ بیمارِ کربلا — بابا تمہاری حسرت و غربت کے میں فدا

جیتے چھٹا ہوں آپ سے اے ابنِ مرتضیٰؑ — خالق گواہ ہے کہ مرے دم میں دم نہ تھا

زنداں میں کبھی نہ چین اک آن سوتے تھے

غربت پہ آپکی سحر و شام روتے تھے

آنسو بہا کے تب سرِ سرور نے یہ کہا — بیٹا مقام صبر ہے لازم نہیں بکا

چہلم کے دن بھی کٹ گئے احسان کبریا — مل جائیگا کفن بھی نہ رو پدر فدا

مہلت ملی ہے قید سے ہر سوگوار کو

اب قبر بھی ملے گی غریب الدیار کو

جس دم سنا یہ ذکر تو محشر بپا ہوا سجادؑ سے یہ بانوئے بیکس نے تب کہا
واری تڑپ رہی ہے یہ ماں غم کی مبتلا پہنچا دو مجھکو قبرِ سکینہؑ پہ میں فدا
واں اس غریب و عاجز و مضطر کو لے چلو
بیٹا بہن کی قبر پہ مادر کو لے چلو

اٹھے یہ سن کے خاک سے سجادِ ناتواں ہمراہ سب چلے حرمِ سرورِ زماں
آیا نظر جو مقبرہ شام ناگہاں امڈا یہ دل کہ آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کونار داکا آنکھوں پہ بانوؑ لئے ہوئے
سب اہلبیتؑ گرد تھے حلقہ کئے ہوئے

پہونچے قریں لحد کے جو قیدی بحالِ زار دیکھا بنا ہے خاک پہ اک چھوٹا سا مزار
بولے بہا کے اشک یہ سجاد نامدار اماں یہی ہے قبرِ سکینہؑ جگر فگار
مٹی کا ڈھیر آہ و بکا کر کے دیکھ لو
تربت کو اپنی بیٹی کی جی بھر کے دیکھ لو

یہ سن کے پیٹنے لگے ناموسِ مصطفا مرقد کے گرد ہائے سکینہؑ کا غل ہوا
لیکر بلائیں قبر کی بانوؑ نے یہ کہا واری اٹھو کہ آئی ہے ماں غم کی مبتلا
چوتھا ابھی برس تھا کہ موت آگئی تمہیں
قربان جاؤں یاں کی ہوا بھا گئی تمہیں

بی بی وطن چلے ہیں اسیرانِ تشنہ کام
لیکن تمہاری یاد میں روتے ہیں صبح و شام
سوتی ہو تم تو قبر میں اے عاشقِ امامؑ
کس کا سناؤں فاطمہ صغراؑ کو میں پیام

ہر دم غمِ فراق میں فریاد کرتی ہیں
ہمجولیاں وطن میں تمہیں یاد کرتی ہیں

صدقے گئی پدر سے نہ چھوٹو مرا گلا
سامان آخری نہ مصیبت میں ہو سکا
دیتی میں کیا کفن تمہیں اے مری دلربا
خود میرے اوڑھنے کو میسر نہ تھی ردا

حوریں تمہیں جو گود میں لا کر بٹھائیں گی
وادی جناں میں حلۂ جنت پنھائیں گی

ویراں مزار دیکھ کے ماں بےحواس ہے
بعد فنا بھی حسرت و اندوہ و یاس ہے
تشویش کی جگہ ہے مقام ہراس ہے
بستی نہ گھر ہے نہ کوئی آس پاس ہے

جا نبر ہوئیں نہ یادِ شہ تشنہ کام میں
ہے ہے بنی بھی قبر تو صحرائے شام میں

یہ کہہ کے غش جو ہو گئی بانوئے دو جہاں
برپا ہوا وہ شورِ قیامت کہ الاماں
آئی صدا یہ تب سر سرور سے ناگہاں
عابدؑ ہماری روح پہ ہے صدمۂ گراں

خوشنود ہو گا ایزد غفار صبر سے
بیٹا چھڑاؤ ماں کو سکینہؑ کی قبر سے

مرثیہ نمبر ۵

رہائی اہلحرم از زندانِ شام

شور ہے شام میں آج اہل حرم چھٹتے ہیں — بیکس و بیوطن و خستۂ غم چھٹتے ہیں
قیدیوں پر کیا حاکم نے کرم چھٹتے ہیں — آؤ اے یاورو اسیرانِ ستم چھٹتے ہیں
آتے تو دیکھے جاتے بھی ان کو دیکھو
درِ زنداں پہ تماشے کو کھڑے ہو دیکھو

حکم ہے قیدیوں کو اذن رہائی کا دو — اور جو بیبیوں کا لوٹا ہے اثاثہ لادو
بیڑیاں پاؤں سے بیمار کے کٹوادو — اور انہیں راحلہ زادِ سفر بھجوادو
جابجا جب یہ رہائی کی خبر جا پہنچی
درپہ زنداں کے اِک خلقِ خدا آ پہنچی

درِ محبس دو طرف جو کھڑی خلقِ خدا — جب نگہباں اٹھے قفل کھلا زنداں کا
اور لعینوں نے یہ چلا کے اسیروں سے کہا — اٹھو کیا بیٹھے ہو اب ہم نے کیا تم کو رہا
جلد دربار میں حاضر ہوں نکل کر قیدی
حاکمِ شام کو مجرا کرو چل کر قیدی

یک بیک جب یہ صدا کان میں سب کے پہنچی ۔ بچے گودی میں لیے خاک سے اٹھے قیدی
خوف سے چھا گئی معصوموں کے منہ پر زردی ۔ سہم کر کہنے لگے ہم کو چھپاؤ جلدی

فوجِ قاتل کے ستم گار نظر آتے ہیں
خوف کے مارے جگر آب ہوئے جاتے ہیں

ان کے نزدیک نہ ہم کو لیے جاؤ اماں ۔ ہم کو یہ مارنے آتے ہیں بچاؤ اماں
ہم کو ان لوگوں کی صورت نہ دکھاؤ اماں ۔ ہم کو تم اپنی پسِ پشت چھپاؤ اماں

سن پہ ہم بچوں کے ظلم ایسے عیاں ہیں ابتک
نیلے گالوں پہ طمانچوں کے نشاں ہیں ابتک

ہم جو روتے تھے تو غصے سے یہ دھمکاتے تھے ۔ کھینچ کر خوں بھرے خنجر ہمیں دکھلاتے تھے
آپ تو پیتے تھے پانی ہمیں ترساتے تھے ۔ دھوپ میں ہم کو یہ بے رحم لیے جاتے تھے

اب کیوں آتے ہیں پوچھے کوئی بے پیروں سے
ہاتھ پھر باندھیں گے کیا بچوں کے زنجیروں سے

روتے تھے اہلِ حرم سن کے یہ سارے حالات ۔ اور جلتے تھے تماشائی تاسف سے ہاتھ
الغرض آلِ نبی سوزِ ظلم و آفات ۔ رونق افزا ہوئے دربارِ لعیں میں ہیہات

ساری مجلس کی اس وقت بھر آئیں آنکھیں
شرم سے حاکمِ بیدیں نے جھکائی آنکھیں

بولا جب حاکمِ بیدین اٹھا کر سر کو — عذر کرتا ہوں جو کچھ جرم ہوئے ہیں بخشو
تب یہ کہنے لگے ناموسِ شہِ دیں رو رو — عذر بدتر ہے گنہ سے ترا اے بدخو

جرم کیا ایسے کئے ہیں کہ جنھیں بخشائے گا
منہ پیمبرؐ کو بھی محشر میں تو دکھلائے گا

تو نے سب قتل کئے آلِ پیمبرؐ ظالم — تو نے اولادِ علیؑ کو کیا بے سر ظالم
تو نے تاراج کیا فاطمہؑ کا گھر ظالم — تو نے معصوموں کا لوٹا زر و زیور ظالم

دربدر شہر میں تو نے ہے پھرایا ہم کو
اپنے دربار میں سر ننگے بلایا ہم کو

سن کے یہ بیووں سے پھر کہنے لگا وہ ملعوں — خوں بہا شاہ کا منظور ہو تو منگوا دوں
کہا زینبؑ نے تو کیا دیوے گا اے سفلۂ دوں — عرقِ شہ کے نہ اک بوند نہ دُرِّ مکنوں

خوں بہا میں اگر آفاق کی دولت ہووے
میرے بھائی کے نہ اک قطرے کی قیمت ہووے

عرصۂ حشر میں جس وقت کہ آئیگی بتولؑ — کہہ کے فرزندوں کا غم سب کو رلائیگی بتولؑ
لب پہ جب ذکرِ شہادت کا بھی لائیگی بتولؑ — عرش کے پایہ کو رو رو کے ہلائیگی بتولؑ

اس گھڑی شرم سے منہ پھیر نہ لینا ظالم
خوں بہا حضرتِ زہراؑ کو تو دینا ظالم

دخترِ فاطمہ کرتی تھی یہ تقریر ابھی کشتیاں تنے میں اسباب کے لائے شامی
دیکھا زینبؑ نے جو ملبوسِ حسینؑ ابنِ علیؑ پیٹ کر سر کو پکاری کہ بہن صدقے گئی

خون سے رنگیں ہے قبا چھاتی پھٹی جاتی ہے
اماں کے دودھ کی بہیا مجھے آتی ہے

گئی سجادؑ کی جس وقت عمامہ پہ نظر اپنی آنکھوں سے اسے رکھ لیا بوسہ دیکر
اور یہ کہنے لگے گریاں میں اس پگڑی پہ قتل کے دن اسی دستار کو باندھے تھے پدر

دن میں تلواریں لگاتے تھے جو بدذات ابھی
یابار کہتے تھے بچانے کیلئے ہاتھ اسیر

کہکے عابدؑ نے یہ رو داد وہ عمامہ پاک رکھ لیا سر پہ گریبان کو کر ڈالا چاک
دیکھی بانوؑ نے جو ہمشکلِ نبیؐ کی پوشاک گر پڑی کشتی پہ اور کہنے لگی یوں غمناک

میرے بیٹے کا یہ جوڑا ہے میں پہچان گئی
علی اکبر ترے شملہ کے میں قربان گئی

ایک کشتی میں نظر آئی شبانی پوشاک خون میں ڈوبی ہوئی گھونگھٹ نمونے صدچاک
اور کچھ بدھیاں پھولوں کی بھی آلودہ بخاک اس گھڑی روئی بہت دولہا کی مادرِ غمناک

بیبیاں سب بی بیاں اور سینہ زنی ہونے لگی
رکھ کے منہ جوڑے پہ اک شہ کی بی بی رونے لگی

بین یوں فاطمہ کبریٰ نے کیے کھول کے سر
تیرے نوشاہ ہیں قربان علیؑ اس خلعت پہ
بیاہ کے روز یہی پہنا تھا کیا خوش ہو کر
ہائے اس خلعتِ شادی کو لگی کس کی نظر

مرے صاحب تمہیں کچھ فرصت اجل نے نہ دیا
بیاہ کا جوڑا بھی چوتھی کو بدلنے نہ دیا

یہاں سے سب بی بیاں جاویں گی جو اب قبر ولی
آپ کی قبر پہ یہ کپڑے تہ رکھ کر
اماں جان اس گھڑی کہہ کے یہی پیٹیں گی سر
تیرے لال اس کو یہن کر تو ہوا خون میں تر

سوتے اے مرے نوشاہ نہ چھوڑا تم کو
نامبارک ہوا سسرال کا جوڑا تم کو

اماں بانو بھی کہیں گی یہی بس کر کے بکا
میری تقصیر نہیں یہ میری بیٹی کا لکھا
سب کو ہوگا یہ گماں سبز قدم ہے کبریٰ
اس گھڑی بی بیوں میں ہونگی میں شرمندہ کیا

کاش اس جوڑے پہ قربان ہو مر جاؤں میں
دونوں چچا نے سے خجالت سے اماں پاؤں میں

تم جو دنیا سے اٹھے کیا رہا پردہ میرا
لٹ گئی قید ہوئی سب نے کھلے سر دیکھا
دیکھوں اب ہوتا ہے آگے مرا لکھا کیا کیا
ایسی رسوائی کے جینے سے تو مرنا اچھا

عمر بھر کون ساتھی مرے دکھ کا صاحب
کیسا گذرے گا لڑکپن کا زمانا صاحب

مرثیہ نمبر ۵۱

رہائی اہلِ حرم از زندانِ شام

جب مر گئی سکینہؑ فراقِ امامؑ میں — اور بعد دفن پہنچی وہ دار السلام میں
ہنگامِ صبح غل یہ اٹھا شہرِ شام میں — پھر اہلبیت جاتے ہیں دربارِ عام میں
سیری ہوئی یزید کو ان کے ستانے سے
چھٹتی ہے آج آلِ نبیؐ قید خانے سے

وہ چھٹتے ہیں جو آئے تھے بلوے میں ننگے سر — وہ ہوتے ہیں رہا کہ پھرے تھے جو دربدر
چھٹتی ہیں رانڈ بی بیاں اور بچے بے پدر — آؤ چلو یہ سیر نہ پھر ہو گی عمر بھر
زینبؑ کا آج اشک بہانا بھی دیکھ لو
آنا تو ان کا دیکھا تھا جانا بھی دیکھ لو

یہ سنتے ہی گھروں سے چلے آئے سب بشر — تھا ازدحام کوچہ بکوچہ ادھر ادھر
زنداں سے نکلے سارے اسیرانِ نوحہ گر — غمگین و بے حواس و حزینؑ و برہنہ سر
آتی تھی سب کے پاس سے زنجیر کی صدا
اور لب پہ ہائے حضرتِ شبیرؑ کی صدا

کہتے تھے قیدیوں سے یہ ہنس ہنس کے اشقیا
روتے ہو کیا یزید کے حق میں کرو دعا
مرجاتے قید ہی میں جو کرتا نہ وہ رہا
وہ کہتے تھے کہ کہدو نہ چھوڑے وہ بیحیا

آفت جو کچھ گذرنی تھی ہم پر گذر چکی
مرجائیں ہم بھی بالی سکینہؑ تو مر چکی

القصہ روتے پیٹتے ناموسِ شاہِ دیں
مجلس میں آئے روبروے حاکمِ لعیں
تعظیم کو اٹھا وہ عدوے خدا وہیں
سجادؑ سے یہ بولا کہ اے شہؑ کے جانشیں

واللہ یا علیؑ میں بہت شرمسار ہوں
بخشو مجھے میں آپ کا تقصیروار ہوں

اس واقعہ سے مجھکو خجالت ہوئی بڑی
اب جاؤ تم وطن کو بمعِ عترتِ نبیؐ
درکار جو ہو زادِ سفر کہدو یا علیؑ
اسباب و مال و زر تمہیں منگوادوں میں ابھی

جو احتیاج ہووے وہ تقریر کیجئے
جلدی وطن کو جانے کی تدبیر کیجئے

درکار جتنے اونٹ ہوں فرماؤ یا امامؑ
آویں مع عماری و ہودج یہاں تمام
ان پر سوار ہوویں حرم سب باحترام
جائیں وطن کو اور رہیں چین سے مدام

گر ہو قبول عذر تو مجھ روسیاہ کا
حاضر ہے خوں بہا بھی شہِ کم سپاہ کا

سن سن کے گفتگوئے ستمگار و بے حیا — سر پیٹ کر یہ عابدؑ ناشاد نے کہا
مختار خونِ شاہ کی ہے بنتِ مرتضیٰؑ — تنہا میں لوں حسینؑ کا کس طرح خوں بہا

وہ دلبرِ بتولؑ یہ بیٹی بتولؑ کی
وہ سبطِ مصطفیٰؐ یہ نواسی رسولؐ کی

زینبؑ سے ہاتھ باندھ کے ظالم نے تب کہا — جو کچھ کہو میں دوں شہ بیکس کا خوں بہا
اسبابؑ مال و زر کی کمی یاں نہیں ذرا — ہمت کا تیری خلق میں شہرہ ہے جابجا

مشکل کشا کی بیٹی ہو حاجت روا کرو
مجھکو معاف خونِ شہ کربلا کرو

زینبؑ یہ رو کے کہنے لگی بادلِ حزیں — میں کون ہوں جو لوں عوضِ خونِ شاہِ دین
یہ پنجتن کا خون ہے اک خون تو نہیں — سینہ کہاں وہ شہ کا کہاں تو ارے لعیں

کاٹا ہے بوسہ گاہِ رسالت پناہؐ کو
دے خوں بہا تو روحِ رسولِ الٰہؐ کو

روزِ ازل سے آج تلک یہ نہیں سنا — بھائی تو قتل ہوئے بہن لیوے خوں بہا
بھائی بھی وہ کہ جس کا ہو نانا رسولؐ سا — روحِ بتولؑ و جانِ حسنؑ ابنِ مرتضیٰؑ

محشر میں اس جفا کا عوض دیکھ لیجیو
جو آج مجھکو دیتا ہے زہراؑ کو دیجیو

مرثیہ نمبر ۵۲

اہلحرم کی کربلا واپسی

دفن شہداء

جب اربعیں کو آئے حرم قتل گاہ میں — تاریک آسماں و زمیں تھی نگاہ میں
پنہاں تھا شکلِ کعبہ لباسِ سیاہ میں — گیسو کھلے تھے سوگِ شہیدِ الٰہ میں
روئیں جو شاہزادیاں ڈھانپے حجاب کے
لاشِ حسین رہ گئی بس کانپ کانپ کے

یوں خاک پر پڑا تھا مرقعِ بتول کا — اعضا جدا تھے لاشوں کے اور دست و پا جدا
بے گور و بے کفن تھے شہیدانِ کربلا — کوئی کسی کی لاش پہ جز بیکسی نہ تھا
افتادہ خاک پر تھا سلیمانِ کربلا
پر جبرئیل کا تھا نہ دامانِ کربلا

یوں پہلوئے حسینؑ میں تھا لاشۂ صغیر — بانچھوں میں دودھ لب پہ انگوٹھا گلے میں تیر
وقتِ قضا ملا تھا جو اس کو نہ آب و شیر — کھولے ہوئے دہن تھا وہ رشکِ مہِ منیر
ننھا سا کرتا تن میں لہو سے بھرا ہوا
اک ہاتھ تھا حسینؑ کا اس پہ دھرا ہوا

اکبر تھے یوں قریب شہنشاہ نیکذات ٹکڑے بدن کلیجے میں برچھی جگر پہ ہات
اٹھارویں برس میں زمانے سے کی وفات نیزہ کا پھل ملا ثمرِ گلشن حیات

فرزند پیاسے تھے پسر بوتراب کے
دو چاند پہلوؤں میں تھے اک آفتاب کے

دولھا کی لاش اکبرِ مظلوم کے قریں سعدین آسماں کا قراں تھا سرِ زمیں
کنگنا کہیں تھا سہرا کہیں جوڑا تھا کہیں ناشاد و نامراد و پر ارمان و دلحزیں

سہرے کے پھول یوں تھے تنِ زخمدار پر
جس طرح کوئی پھول چڑھائے مزار پر

ناگاہ کی نگاہ حرم نے سوئے فرات دیکھا پڑا ہے لاشۂ عباس نیکذات
سینہ پہ مشک لاش کے پہلو میں دونوں ہاتھ ہر دم دہان زخم سے کہتا ہے وہ یہ بات

سینہ پہ آب تلک ہے نشانی سکینہ کی
پر وا دریغ تشنہ دہانی سکینہ کی

جس دم یہ حال گنج شہیداں نظر پڑا بانو نے لاشہ علی اصغر اٹھا لیا
چادر سے پونچھا سوکھا ہوا دودھ کا بھی تھا نکلا مرنے کے منہ کے بوسے لئے اور یہ کہا

تم سے بچھڑ کے میں رہی فریاد و آہ میں
اصغر کہو ڈرے تو نہیں قتل گاہ میں

عابد پدر کی لاش پہ ہونے لگے نثار — پوچھا عبا سے باپ کے زخموں سے سب غبار
بولے کہ کیا ہوا لاشۂ اصغر سے ہمکنار — اصغر کو پیار کر چکے فرماؤ مجھ کو پیار
فرماؤ تو غلام تمہارا نہیں ہوں میں
پیارے یہ دونوں بیٹے ہیں پیارا نہیں ہوں میں

دیکھیں تو آپ حال ہے کیا اس مریض کا — تن میں بخار سینہ میں ہے داغِ اقربا
شانوں پہ ریسماں کے ہیں نیل جا بہ جا — اور زخم تازیانوں کے ہیں پشت پر جدا
ممکن نہیں علاج دلِ بے قرار کا
اور اس پہ غم فراقِ شہِ نامدار کا

سجاد کا یہ نوحہ تھا زینب کی وہ فغاں — اک قبر کی جگہ دو بہن کو بھی بھائی جاں
پہلو تمہارا چھوڑ کے جائے بہن کہاں — سب سے حجاب آئے گا مدینہ کے درمیاں
زینبؑ عزیز مردہ کسے منہ دکھائیگی
سوئے وطن نہ جائے گی زینبؑ نہ جائیگی

یاں قصد دفنِ شاہ کا سجاد نے کیا — زخموں سے پہلے نیزہ و پیکاں کئے جدا
کھدنے لگی جو قبرِ شہنشاہِ کربلا — اک لوح نکلی جس پہ یہ مضمون تھا لکھا
زہرا کے گیسوؤں سے پڑی یاں کی خاک ہے
ابنِ ابوتراب کی یہ قبرِ پاک ہے

نزدیک قبر پہنچی جو لاشِ شہ زماں　　پائینِ قبر زینب بیکس نے کی فغاں
دو ہاتھ ناگہاں ہوئے اس قبر سے عیاں　　سجاد رو دئے اور یہ حرم سے کیا بیاں

بابا سے پیار دیکھنا خیر الانام کے
یہ ہاتھ ہیں رسولؐ علیہ السلام کے

پھر آئی اس مزار سے عابدؑ کو یہ ندا　　اے نائب حسین فدا تجھ پہ مصطفا
رکھ دے ہمارے ہاتھوں پہ لاشہ حسینؑ کا　　لاشہ نبی کے ہاتھوں پہ عابدؑ نے رکھ دیا

پھر عرض یہ نبی سے ہے سجاد ملول کی
لو نانا جان لو یہ امانت بتول کی

رکھا جو قبر میں جسدِ شاہِ کربلا　　پائینِ قبر نوحہ و ماتم بپا ہوا
ناگاہ آئی شیر کے نعرے کی پھر صدا　　ڈرنے لگے جو بچے تو عابدؑ نے یہ کہا

کیوں حال اے یتیموں تمہارا تباہ ہے
واللہ یہ تو شیر الٰہی کی آہ ہے

حاضر تھی سعدہ فاطمہ جو قبر کے قریب　　رو کر زبانِ حال سے بولی وہ دلحزیں
زہراؑ کے نازنیں سے خبردار اے زمیں　　اعضا ہیں چاک چاک اذیت نہ ہو کہیں

اب حشر تک ہوئی تری مہمان فاطمہؑ
اے قبر تری خاک کے قربان فاطمہؑ

فرزندِ مرتضیٰ سے نگہبان آ زمین
یہ روح ہے نبی کی مری جان آ زمین
یہ بھوکا پیاسا ہے ترا مہمان آ زمین
شبیرِ دو جہاں کا ہے سلطان آ زمین
اے قبر میری گود کے پالے سے ہوشیار
اے گور میرے گیسوؤں والے سے ہوشیار

فارغ پدر کے دفن سے سجاد جب ہوا
اکبر کا لاشہ پہلوئے شبیر میں رکھا
پانی چھڑک کے قبر پہ رو رو کے یہ کہا
تحسین و آفریں تمہیں اے بھائی مرحبا
مقتل میں بدلے فاطمہ زہرا کے لال کے
تم نوجوان مر گئے اٹھارہ سال کے

اک تم ہو خوش نصیب کہ یہ مرتبہ ملا
اک ہم ہیں طوق پہنے پھرے آہ جابجا
اک تم ہو حلقِ تیغ سے اپنا کٹا دیا
اک ہم ہیں ریسماں سے گلا سارا چھل گیا
اک آپ ہیں کہ باپ کے پہلو میں سوتے ہیں
اک ہم ہیں ننگے سر کھڑے پہلو میں روتے ہیں

اصغر کا لاشہ پائینتی بابا کے پھر رکھا
رو کر کہا کہ بھائی مرے تجھ پہ میں فدا
آیا جو تیر جانبِ فرزندِ مرتضیٰ
اپنے گلے پہ روک لیا تم نے واہ وا
اللہ رے عشق باپ کا ماں سے جدا ہوئے
بابا پہ چھ مہینے کے سن میں فدا ہوئے

مرثیہ نمبر ۵۳

واپسی اہلحرم بہ کربلا

جب کربلا کو شام سے اہلِ حرم پھرے
ہمراہ لے کے حسرت و حرمان و غم پھرے
صدمہ اٹھا کے صد قیدِ ستم پھرے
کرتے تھے یہ بیاں کہ عجب طرح ہم پھرے
سینہ زنی تھی چار طرف شور و شین تھا
رونا تھا اور زبان پہ نامِ حسینؑ تھا

القصہ کر کے قطع منازل وہ کارواں
پہنچا لبِ فرات بصد نالہ و فغاں
افتادہ جس مقام پہ حیدرؑ کا تھا نشاں
رو کر کیا وہاں کے زمیندار نے بیاں
سرگرم گریہ غم سے دل سرد ہوتا ہے
شیرِ خدا کا بیٹا ترائی میں سوتا ہے

زینبؑ نے کی جو لاشہ شبیرؑ پہ نظر
دیکھا کہ دونوں ہاتھ پڑے ہیں ادھر اُدھر
ہے ایک خط بدستِ شہنشاہ بحر و بر
صغراؑ کا نامہ نکلا وہ دیکھا جو کھول کر
آ کر کہا یہ قومِ اسد نے زبان سے
صادر ہوا ہے ظلم یہ اک ساربان سے

لاشِ امامِ پاک پہ روتی تھی یاں بہن اکبرؑ کی لاش پر وہاں بانو تھی نوحہ زن
اک سمت سر کو پیٹتی تھی دشت میں دلہن مقتل میں روتے پھرتے تھے سجادؑ خستہ تن

بازو ہر ایک لاش کا رو کر ہلاتے تھے
گمگین کی طرح حال وہ اپنا سناتے تھے

لاشِ پدر کے گرد پھرے عابدؑ حزیں بولا کہ السلام علیک اے امامِ دیں
اے ابنِ بوتراب ترا فرش ہے زمیں بعد آپ کے خیام میں در آئے سب لعیں

دی آگ ہائے خیمۂ آلِ رسولؐ کو
سر ننگے لائے بلوے میں بنتِ رسولؐ کو

بعد آپ کے اسیری کا تھا مجھ کو بس کہ شوق زنجیر میرے پا میں پڑی اور گلے میں طوق
اصغرؑ جو تھا وہ لے گیا سجادؑ پر بھی فوق مرنے کا صغر سن میں ہوا اس کے دل کو ذوق

کاٹا گیا جو حلق نہ مجھ ناتوان کا
مشتاق تھا گلا یہ مگر ریسمان کا

اس دم یہ آئی لاشۂ شبیرؑ سے صدا اے عابدؑ حزیں تجھے شاباس مرحبا
کیا احتیاج کہنے کی میں سب ہوں جانتا لازم ہے تجھ کو صبر کہ خالق کی جو رضا

گو شام تک یہاں سے بہت طول راہ تھا
ہمراہ تیرے سبطِ رسالت پناہ تھا

یہ سن کے مستعد وہ بہ غسل و کفن ہوا　　زیرِ زمیں نہاں تنِ شبیرؑ کو کیا
اہلِ حرم سے کہنے لگا وا مصیبتا　　زہراؑ کا چاند ہیں نے زمیں میں چھپا دیا
رو رو کے آلِ مصطفوی غش ہو جاتی تھی
مقتل سے فاطمہؑ کے بھی آواز آتی تھی

جس دم بنایا اکبر و اصغرؑ کا واں مزار　　قبروں پہ پیٹنے لگی بانوؑ جگر فگار
نوشاہ کو بھی دفن کیا اس نے ایکبار　　فرطِ الم سے فاطمہؑ کبریٰ تھی بے قرار
آنکھوں سے ماں نے اشک کے دریا بہا دیئے
سہرے کے پھول قبر پہ اس کے چڑھا دیئے

سجادؑ نے یہ ماں سے کہا سر کو پیٹ کر　　ان تربتوں پہ کیجئے اب اک ذرا نظر
پانی نہیں ہے اتنا کہ کر دیجئے ان کو تر　　کیا بیکسی برستی ہے پیاسوں کی قبر پر
زائر نہ جب تلک یہاں بستی بسائیں گے
اس جا پہ روز حیدرِ کرار آئیں گے

یہ جب کہا تو حال ہوا اور بھی تباہ　　تھوڑا سا پانی قبروں پہ چھڑکا باشکِ و آہ
پھر جامِ آب و شیر اٹھائے بعز و جاہ　　اصغرؑ کی اور شاہ کی تربت پہ کی نگاہ
پانی کے جام رکھ دیے سرورؑ کی قبر پر
کوزے چڑھائے شیر کے اصغرؑ کی قبر پر

پھر قبرِ شاہِ دیں سے کہا با صد اضطراب　　اے سرورِ زمن و زماں ابنِ بوترابؑ
جاتا ہوں اب مدینے کی جانب میں لُٹ لُٹا　　صغراؑ جو پوچھے آپ کو کیا دوں اسے جواب
تم مر کے خوش ہوئے یہاں اور واں وہ رو گئی
یادِ وطن تو قبر میں کاہے کو ہوئے گی

پھر نہر کے کنارے گیا وہ بصد فغاں　　عموؑ کو دفن کر کے یہ کرنے لگا بیاں
احسنت تجھ کو حیدرِ کرار کے نشاں　　تربت سے اب بھی رعب شجاعت کا ہے عیاں
غربت عیاں ہے قبرِ شہِ نامدار سے

ہے دبدبہ نمود تمہارے مزار سے
عباسؑ کے پسر کو جو ہوش آ گیا ناگہاں　　اہلِ حرم سے کرنے لگا اس طرح بیاں
احسان ہو گا اے حرمِ سرورِ زماں　　مجھ کو مجاوری کے لئے چھوڑ جائیے یاں
زینبؑ یہ بولی تجھ کو نہ جو ساتھ لائے گی
اُمُّ البنینؑ پیٹ کے سر مر ہی جائے گی

مرثیہ نمبر ۵۴
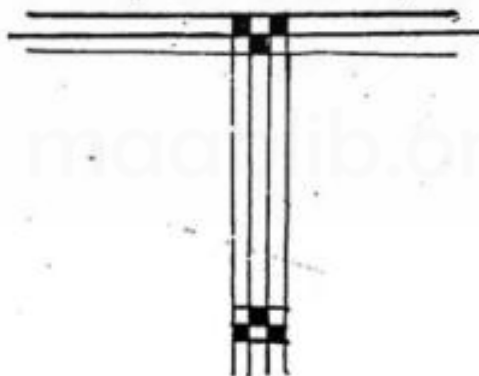
واپسیِ اہلحرم بکربلا و دفن شہدا

جب شام سے مقتل میں اسیرِ ستم آئے
سب پیٹتے ہاتھوں سے وہ پابندِ غم آئے
زنداں سے رہا ہو کے نبی کے حرم آئے
زینبؑ کا یہ نوحہ تھا پھر اس بن میں ہم آئے
ملنے کو بہن آئی ہے فرزندِ نبی سے
کر دو خبر آنے کی حسینؑ ابنِ علیؑ سے

قسمت مجھے رونے کیلئے پھر یہاں لائی
تقدیر نے ہے وہی منزل ہے کھائی
جس بن میں لٹی فاطمہ زہراؑ کی کمائی
کیا وجہ جو لینے کو مجھے آئے نہ بھائی
لازم ہے کہ اس شرم سے گڑ جاؤں زمیں میں
بھائی نہیں آئیں گے تو اتروں گی نہیں میں

ناراض ہیں ہمشیر سے شاید شہِ خوشخو
میں سب کی بری ہوں مری تقدیر تو دیکھو
افسوس یہ امید نہ تھی بھائی سے مجھکو
ناقہ کو مدینے کی طرف پھیر دو لوگو
ہر ذلت و خواری کی سزاوار ہے زینبؑ
ہاں سمجھے کہ سب گھر کی خطاوار ہے زینبؑ

ہے ہے مری فریاد کو سن کر بھی نہ آئے / قاسم بھی نہ آئے مرے دلبر بھی نہ آئے
مجرے کو علمدار دلاور بھی نہ آئے / بھائی جو نہ آئے تھے تو اکبر بھی نہ آئے
سب مجھ سے ہیں بیزار مرے دل کو یقیں ہے
میں سب پہ فدا ہوں مرا کوئی بھی نہیں ہے

رونے لگی عابدؑ کے قریں بانوئے بے پر / کہنے لگی سجاد سے صدقے ہو یہ مادر
اس وقت بپا بینِ زینبؑ سے ہے محشر / سمجھاؤ پھوپی جان کو اے نائبِ حیدر
ساتھ ان کے زمانے سے گزر جائیں گے ہم بھی
یہ مر گئیں اس غم میں تو مر جائیں گے ہم بھی

عابد نے یہ کی عرض کہ اے زینبِ ذیجاہ / کچھ دور نہیں مرقدِ فرزندِ ید اللہ
جانا ہے زیارت کو عزاداروں کے ہمراہ / اس وقت تو محمل سے اتر آئیے واللہ
حضرت ہی کے ہمراہ ہیں سب اہلِ حرم بھی
جائیں گی نہ گر آپ تو جائیں گے نہ ہم بھی

تم تو شہِ والا کی عزادار ہو زینبؑ / اس قافلہ کی قافلہ سالار ہو زینبؑ
آفت میں مصیبت میں گرفتار ہو زینبؑ / ہاں جوششِ غمِ شاہ سے لاچار ہو زینبؑ
اس وقت شکایت نہ کرو سبطِ نبی کی
ہمراہ تو ہے روح حسین ابنِ علیؑ کی

سن کر یہ بھتیجے کا سخن زینبؑ ناچار — محمل سے اتر کر ہوئیں چلنے پہ تیار
ہمراہ ہوئے سب شہؑ والا کے عزادار — آنکھوں میں رواں اشک تھے لب پہ تھی گفتار

تقدیر شہدا داغ جگر لائی ہے بھائی
حضرت کی زیارت کو بہن آئی ہے بھائی

زینبؑ کے تھے یہ بین کہ ماں جائے برادر — بلوے میں پھریں بیٹیاں زہرا کی کھلے سر
رونے پہ عزاداروں کی بندشیں تھیں ستمگر — بعد آپ کے بھیا نہ لیے چین سے دم بھر

جب کس دیے خون بہ گیا شانوں سے بہن کے
جائیں گے نہ بازو سے کبھی داغ رسن کے

فارغ جو ہوئے شہ کی زیارت سے عزادار — سامان ہوا کوچ کا محمل ہوئے تیار
پھر چاک ہوا سینہ میں زینبؑ کا دل زار — آنسو تھے رواں آنکھوں سے لب پہ تھی گفتار

زخستہ جگر سوئے وطن جاتی ہے بھائی
محمل میں بٹھا دو کہ بہن جاتی ہے بھائی

نوحہ تھا لب پہ مرے ماں جائے برادر — تقدیر نے کیا سانحے دکھلائے برادر
دنیا سے گئے تشنہ دہن ہائے برادر — روئیں گے ہمیشہ تجھے دکھیا ئے برادر

ماتم یونہی حیدر کے گھرانے میں رہے گا
تا حشر ترا سوگ زمانے میں رہے گا

مرثیہ نمبر ۵۵

واپسی اہلِ حرم بہ کربلا

بلا اٹھا کے حرم کربلا میں آتے ہیں　　　مریض شام کے دار الشفا میں آتے ہیں
عجب شکوہ سے دشت بلا میں آتے ہیں　　　غم حسینؑ میں یاد خدا میں آتے ہیں
جگر کے ٹکڑے بھرے دامنوں میں آئے ہیں
یہ قبر شہ پہ چڑھانے کو پھول لائے ہیں

بحار میں ہے رقم یہ روایت جانکاہ　　　جب آئے اہل حرم جانب شہادت گاہ
نہ گل نہ شمع ملی بیکسوں کی قبر پہ آہ　　　مجاوری کو فقط جابر ابن عبد اللہ
قریشی آئے ہیں اور ہاشمی بھی حاضر ہیں
مسافروں کے مجاور بھی سب مسافر ہیں

دو شامیانے ہیں بالائے قبر سبط رسولؐ　　　وہ اک تو رحمت حق ایک دود آہ بتولؑ
فلک سے حور و ملک کا ہے فوج فوج نزول　　　زیارت شہ مظلوم کر رہے ہیں حصول
لحد سے اکبرؑ و اصغرؑ کے داغ روشن ہیں
مزار ایک ہے پر دو چراغ روشن ہیں

لب فرات ہے سقہ کی قبر عالیجاہ جو وہ ہے شہر شہیدوں کا لو یہ شہنشاہ
قریب دور سے ہے زائروں کی کی حالت نظارہ مجاوری کو لحد پر ہے روح شیرا لہ

لحد میں ہائے سکینہؑ کا شور ہوتا ہے
سکینہؑ کہتی ہے سقہ ہمارا روتا ہے

ادھر عیاں ہوئی بنتِ زینبؑ خجستہ خصال ادھر لحد میں تڑپنے لگا رسول کا لال
مذاق دے جابر کو دی بہ رنج و ملال میں جیتا ہوتا تو کرتا بہن کا استقبال

شرف ہے فاطمہؑ کا فاطمہ کی جائی کو
مری طرف سے تو جا اس کی پیشوائی کو

چلا سے رفقا و جابر خجستہ نہاد سر حسینؑ لیے ہاتھوں پر ملے سجاد
قدم پہ گر پڑا جابر بہ نالہ و فریاد پکاری عابدؑ بیکس کو زینبؑ ناشاد

گلے لگا لو محب نبیؐ یہ جابر ہے
یہ تربت شہ مظلوم کا مجاور ہے

گلے لگا لیا جابر کو شاہ والا نے گلے پہ نیل رسن کے دکھائے آقا نے
کہا کہ لوٹ لیا بھائی ہم کو اعدا نے جو ہم پہ ہو گیا ہم جانیں یا خدا جانے

سر حسینؑ بڑی منتوں سے لایا ہوں
دوبارہ باپ کو میں دفن کرنے آیا ہوں

مجو پیٹنے کی جا ہے آہ واویلا
غرض ورودِ حرم قبرِ شاہ دین ہوا

قنات روک کے عابدؑ وہاں رہے تنہا
کھڑے ہوئے تھے بگردِ قنات آلِ عباؑ

وہاں شگافتہ اعجاز سے مزار ہوا!
زمین کے پردے سے خورشید آشکار ہوا

تنِ حسینؑ سے ملحق کیا حسینؑ کا سر
ہوا زمین میں گویا قرآن شمس و قمر

لحد پہ تختۂ طوبیٰ قریب سے رکھ کر
پکارے عابدِ بیکس مجھوؑ آؤ ادھر

سنو بگوش کہ اس دم رسول روتے ہیں
دوبارہ دفن مرے بابا جان ہوتے ہیں

یہ کہہ کے رونے لگے ہائے عابدِ بیمار
مزارِ شاہِ غریباں جو ہو چکا تیار

سرہانے بیٹھ کے سب فاتحہ پڑھے اک بار
غرض کہ خیمۂ جابر میں آئے سب دیندار

حرم نے قبر پہ سامان اشک واہ کیا
سرِ مزار بپا خیمۂ سیاہ کیا

سیاہ خیمہ میں اترے سیاہ پوش حرم
طواف قبر کیا حلقہ باندھ کر باہم

بچھوں نے قبر کو بالوں سے جھاڑا جب اک دم
لرز لرز گئی صدمے سے قبرِ شاہِ امم

لحد پہ شاہ کی مسند بچھائی زینبؑ نے
سلام کر کے گردن جھکائی زینبؑ نے

پھپھی کے ساتھ سکینہ نے بھی کیا محبا ۔۔۔ کہا بتاؤ تو پھوپھی مجھے برائے خدا
مزار پہ جو بھائی ہے سندِ زیبا ۔۔۔ نکل کے قبر سے بھیّا گلے کیا ہے بابا

کہا بھی نے ترا پوچھتا رولاتا ہے
بلالوں قبر میں چھپا کے کوئی آتا ہے

پیٹ کے قبر سے آواز دی دوہائی ہے ۔۔۔ اک زینبؑ بہن بھائی میں جدائی ہے
حسینؑ بھائی بہن بھوکی پیاسی آئی ہے ۔۔۔ امیدوارِ ضیافت یہ اساں جائی ہے

نہ فرش ہے نہ مکاں ہے نہ دانہ پانی ہے
کسی کے لال بھی میری میہمانی ہے

نکالو ہاتھ لحد سے گلے لگا لو مجھے ۔۔۔ وطن نہ جاؤں گی میں قبر میں بلالو مجھے
برہنہ سر ہوں پہ زیر کفن چھپا لو مجھے ۔۔۔ انی بلا میں گرفتار ہوں نکالو مجھے

تمہیں سکینہ کی خاطر سے رو نہیں سکتی
یتیم پروری اب مجھ سے ہو نہیں سکتی

سنو حسینؑ سنو تم سے سوال ہیں دو ۔۔۔ جو بھیجتے ہو وطن کو تو تم بھی ساتھ چلو
نہیں تو زیر قدم اپنے اے شہ خوشخو ۔۔۔ زمین خاک شفا اک لحد کی خاطر دو

لحد کے سائے میں میرا یہیں ٹھکانا ہو
تمہاری پائنتی ہو اور مرا سرہانا ہو

مرثیہ نمبر ۵۶

واپسی اہلحرم بکربلا و دفنِ شہدا

جب شام سے پھر آئے اسیران اہلبیتؑ
دامن تلک تھے چاک گریبانِ اہلبیتؑ
تھے خاک سے بھرے سرِ عریانِ اہلبیت
گردوں تلک بلند تھی افغانِ اہلبیتؑ
داخل جو کربلا میں ہوئے شور و شین سے
سجادؑ جا لپٹ گئے لاشِ حسینؑ سے

دیکھی عجب طرح سے پڑی لاشِ شاہِ دین
دستِ مبارک اک نکلے کہیں اور بدن کہیں
آلودہ خاک و خوں میں ہے تمام جسمِ نازنیں
سایہ تو آسمان تھا اور فرش تھی زمین
پیکانِ آبدار تھے تن میں گڑے ہوئے
اُنیس سو تھے زخم بدن میں پڑے ہوئے

اکبرؑ کا لاشہ دیکھا تو یوں تھا پڑا ہوا
سارا بدن تھا چاند سا خون میں بھرا ہوا
برچھی کا زخم چھاتی کے اوپر لگا ہوا
اور ہاتھ زخمِ سینہ کے اوپر دھرا ہوا
اصغرؑ کا لاشہ یوں تھا پڑا پاس شاہ کے
جیسے کوئی ستارہ ہو پہلو میں ماہ کے

بکھرا پڑا تھا قاسمؑ گل پیرہن کا تن — گھوڑوں کے سم سے چور تھا دولہا کا سب بدن
لیٹا شہانی شان سے نخلِ دلبرِ حسنؑ — نہ گور نہ جنازہ نہ کافور نہ کفن

اعضا جدا جدا تھے تنِ پاش پاش کے
مرجھائے پھول سہرے کے تھے پاس لاش کے

عابدؑ نے جب فرات کی جانب نگاہ کی — دریا پہ لاش دیکھی علمدارِ شاہ کی
سجادؑ نے پکڑ کے کلیجے کو آہ کی — حالت چچا کی دیکھ کے حالت تباہ کی

تیر وہ جو تھی سکینہؑ چھدی ہوئی
عباس کے کلیجے پہ وہ تھی دھری ہوئی

عابدؑ نے جب کہ دیکھی ہر اک لاشِ اقربا — آنکھوں سے اس غریب کے خون ناب بہ چلا
زینبؑ سے تب یہ بولا وہ آفت کا مبتلا — دیکھو پھوپھی جی حالِ شہیدانِ کربلا

سر دو تن کے رن میں پڑے ہیں بدن ہنوز
پایا نہیں غریبوں نے غسل و کفن ہنوز

پھر پھر کے گرد لاشِ پدر کے وہ ناتواں — رو رو زبانِ حال سے کرنے لگا بیاں
صدقے تمہاری لاش کے میں جاؤں بابا جاں — تم بن مجھے فلک نے پھرایا کہاں کہاں

پھر پائے شاہ چوم لئے مارے شوق کے
گھٹے دکھلائے باپ کو زنجیر و طوق کے

کہنے لگے ہر اک سے سر پیٹ پیٹ کر — رونا تو ساری عمر ہے روؤ نہ اس قدر

غربت پہ بیکسوں کی ذرا کیجئے نظر — کیا بیکسی برستی ہے ہر ایک لاش پر

اب کچھ سبھوں کی دفن کی تدبیر کیجئے

مدفون کس طرح سرِ شبیرؑ کیجئے

عابدؑ پدر کے دفن پہ جب مستعد ہوا — کھدنے لگی جو قبر تو دیکھا یہ ماجرا

اک قبر کا نشاں نظر آیا جو ایک جا — تھا قبر پہ بخطِ جلی اس طرح لکھا

فرزند مصطفےٰؐ و علیؑ کا مقام ہے

یہہ مرقدِ حسین علیہ السلام ہے

آخر جگر کو تھام کے بیمارِ کربلا — رکھنے لگا جو قبر میں لاشہ حسینؑ کا

دیکھا میانِ قبر یہہ عابدؑ نے برملا — آتی ہے ایک سمت سے رونیکی کچھ صدا

ہر ایک سے یہہ بات باآہ و فغان کی

یہ روح رو رہی ہے تیرے نانا جان کی

تیار کر کے مرقدِ شاہنشہ زماں — زہراؑ کی روح سے یہہ لگا کرنے پھر بیاں

بابا تو مر گئے رہا جیتا میں سخت جاں — شرمندہ آپ سے ہوں نہایت میں ناتواں

مٹی میں میں نے لال تمہارا ملا دیا

میں نے تمہارا چاند زمیں میں چھپا دیا

اصغرؑ علی سے پھر تو مخاطب ہو یہ کہا — چھوٹا تھا تو جو سب میں تو قسمت میں بڑا تھا

ہاتھوں پہ شاہ دیں کے ترا دم نکل گیا — اور بعد مرگ پہلوئے شبیرؑ بھی ملا

ہاں بھائی سچ ہے ایک گنہگار ہیں ہمیں

اونٹوں کے کھینچنے کے سزاوار ہیں ہمیں

قاسمؑ کے تن کے جمع کیے ٹکڑے ایک بار — مہندی لگی کلائیاں چومی بچشم زار

جس دم بنایا قاسمؑ ناشاد کا مزار — تربت پہ رکھے سہرے کے پھول اور گلے کا ہار

سر دھر کے قبر پہ یہ لگا لے فغان سے

ناشاد و نامراد گئے تم جہان سے

تھے اور شاہ کے جو عزیز و رفیق و یار — رکھا سبھوں کو گنج شہیداں میں ایک بار

کرنے لگا بیان یہ با چشم اشک بار — اے یارو تم سبھوں کے نصیبوں کے میں نثار

کیا ہی زمین پاک میسر ہوئی تمہیں

ہاں کربلا کی خاک میسر ہوئی تمہیں

آگے تو زین العابدینؑ اور پیچھے سب حرم — عباسؑ کی جو لاش پہ پہنچے بصد الم

شانوں سے ہاتھ دیکھے جو عباسؑ کے قلم — اس حامل علم کا دوبارہ ہوا الم

عابدؑ نے دفن پھر کیا اس عالیجاہ کو

زیر زمیں رکھا بنی ہاشم کے ماہ کو

فارغ ہوا جو دفنِ شہیداں سے وہ جو دل　　اہلِ حرم کے بین سے محشر ہوا عیاں
عابدؑ کو بعدِ دفن خیال آیا ناگہاں　　کہنے لگا ہر ایک سے زینبؑ پھوپھی کہاں

سب بولے ہاتھ مارے دلِ بیقرار پر
وہ رو رہی ہے سبطِ نبیؐ کے مزار پر

عابدؑ نے آ کے قبرِ نبیؐ پر جو کی نگاہ　　دیکھا کہ حال زینبؑ بیکس کا ہے تباہ
چھاتی سے اپنی ہے وہ لگائی مزارِ شاہ　　آنکھیں ہیں بند منہ سے نکلتی ہے آہ آہ

طاقت نہیں رہی ہے اُسے شور و شین کی
گاہے صدا نکلتی ہے ہے ہے حسینؑ کی

عابدؑ گلے سے لگ کے پھوپھی کے بچشم نم　　کہنے لگے کہ واقعی ایسا ہی ہے یہ غم
زہراؑ کی روح کی تمہیں دیتا ہوں میں قسم　　پٹکو نہ سر مزار سے بھائیؑ کے دمبدم

مت آہ کھینچو گنبدِ افلاک ہل نہ جائے
ڈرتا ہوں میں تمہارا کہیں دم نکل نہ جائے

القصہ رات غم کی وہ جوں توں بسر ہوئی　　عابدؑ کے خیر خواہوں نے آ کر یہ عرض کی
اہلِ جفا کی آپ پہ ظاہر ہے سب بدی　　سوئے مدینہ کیجئے اب کوچ یا علیؑ

ایسا نہ ہو کہ تازہ کوئی پھر جفا کریں
ڈر ہے ہمیں نہ اہلِ دغا پھر دغا کریں

مرثیہ نمبر ۵۷

واپسی اہلحرم بکربلا و دفن شہدا

قید سے چھوٹ کے جب سیدِ سجاد آئے
اور سب اہلِ حرم بادلِ ناشاد آئے
باپ اور بھائی جو سجاد کو وہاں یاد آئے
قبر پرشہ کی یہ کرتے ہوئے فریاد آئے
اے پدر طول کھینچا اب مری بیماری کا
اٹھ کے چھاتی سے لگا لیجئے عجب آزاری کا

آپ سے اپنی اسیری کے کہوں کیا حالات
کھینچا کھینچا میں پھرا اے پدر نیک صفات
قید خانے میں عجب طرح کے دیکھے آفات
آپ چھوٹ کے نہ میں چین سے سویا ایک رات
آنکھ گر حالتِ غش میں کبھی کھل جاتی تھی
کان میں نالۂ زہرا کی صدا آتی تھی

بس جو پاؤں کا عینوں کو دکھاتا تھا ورم
خندہ زن ہوتے تھے چوب زخم لبِ اہل ستم
لہو تلوؤں سے ٹپکتا تھا جو سیہ سے سہم
ہر قدم لالہ کا نقشہ تھا مرے زیرِ قدم
کیا کہوں حال تھا جیسا کہ مری گردن کا
طوق گویا تھا گلے میں نشتر من کا

تیوراتے تھے ہر اک گام پہ اے بابا امام — بید کی طرح سے لرزتا تھا سب اندام
رگڑے دیتی تھی ہتھیلی کو جو اونٹوں کی زمام — صورتِ پنجۂ مرجاں تھے مرے ہاتھ تمام

جھٹکے زنجیر کو جب فوجِ ستم دیتی تھی
ناتوانی مرا تب ہاتھ پکڑ لیتی تھی

ماں پھوپھی میری جو ہر ایک تھی زہرؑا ثانی — بلوے میں دیکھتا تھا انکی میں سر عریانی
گود میں آ نہیں سکتی تھی سکینہؑ جانی — اونٹ پر کہتی چلی جاتی تھی پانی پانی

شمرِ لعیں جب جھڑکیاں اس لاڈلی کو دیتا تھا
میرا بس کچھ نہیں چلتا تھا میں رو دیتا تھا

مرقدِ شاہ پہ یہ کرتے تھے عابدؑ تقریر — گر پڑی آ کے جو اس لاش پہ زینبؑ دلگیر
رو کے چلانے لگی اے مرے بھائی شبیرؑ — قید سے چھوٹ کے آئی ہے تمہاری ہمشیر

پیار سے حال کچھ اپنی بہن کا پوچھو
سختیاں قید کی اور رنج رسن کا پوچھو

پائنتیں قبر کے بالو یہ لگی کرنے بیاں — تیرے وارث مرے صاحب میں تمہیں ڈھونڈوں کہاں
آپکے بعد پھنسی قید میں میں شاہ زماں — دربدر شام کی بستی میں پھری سر عریاں

بہرِ خدمت نہ مجھے پاس بلایا تم نے
اپنی لونڈی کو بھی ایسا ہے بھلایا تم نے

خالی خیمے میں جو تھی مسندِ شبیرؑ بچھی | بیچ میں خون سے آلودہ دھری تھی پگڑی
اور دھری تھی پسرِ حمزہؑ و شمشیرِ علیؑ | خالی مسند پہ نظر پڑ گئی جب زینبؑ کی

لے کے مسند کی بلائیں یہ پکاری زینبؑ
بھائی کی خوں بھری دستار کے واری زینبؑ

تھام کر دل کو یہ سجاد لگے کرنے کلام | مرقدِ شاہ پہ استادہ ہوں حضرت کے خیام
ساربانوں نے سنا جب کہ یہ ارشاد امامؑ | سنتے ہی خیمۂ سرور کئے استادہ تمام

داخلِ خیمہ ہوئے جب کہ حرم سرور کے
بین کرنے لگے سب خاک سے منہ بھر کے

خیمے میں بکر رہی تھی زینبؑ سے موں یہ بیاں | ڈیوڑھی پہ سجادؑ تھے مشغول فغاں
تھے کئی قوم کے مقتل سے جو نزدیک مکاں | آئے تھے خدمتِ سجادؑ میں سب خورد و کلاں

کبھی شبیرؑ کی مظلومی کا غم کھاتے تھے
کبھی بیٹھے ہوئے سجادؑ کو سمجھاتے تھے

دیکھا عابدؑ نے ہوئی رونے سے فرصت جو ذرا | بیلچا کوئی لئے ہے سامنے ششدر رہے کھڑا
مثلِ آئینہ بے صورت کی طرف دیکھ رہا | اس کو سجادؑ نے نزدیک بلا کر پوچھا

کون ہے تو جو یہ حیرت کی فراوانی ہے
اے جواں تجھکو یہ کس امر میں حیرانی ہے

عرض کی اس نے میں کہتا ہوں ذراعت اس جا
قوم اولادِ اسد سے ہوں میں اک عبداللہ

پاسباں میں تو ذراعت کا ہوں بر صبح و مسا
میں نے دیکھے ہیں اس عرصے میں عجائب کیا کیا

تھوڑی سے فوج سے پہلے تو یہ سرور آیا
اس سے لڑنے کے لئے شام کا لشکر آیا

اب بیاں کیا کروں کیسی تھی وہ تھوڑی سی سپاہ
خوب ہی فوج تھی اور خوب تھا اس فوج کا شاہ

کچھ جواں اور کئی طفل تھے ایسے ہمراہ
جس کی تصویر سے ہو جائے خجل صورتِ ماہ

گرچہ اس فوج میں اسوار بہت تھوڑے تھے
بوئے گل تھے وہ جواں مثلِ صبا گھوڑے تھے

مرثیہ نمبر ۵۸

واپسی اہلبیت کربلا و دفنِ شہدا

جب کہ سجادِ حزیں قیدِ ستم سے چھوٹے
حلقے زنجیر کے بیکس کے قدم سے چھوٹے
بولی زینبؑ کہ بڑے رنج و الم سے چھوٹے
پر یہ افسوس ہے ہم شاہِ امم سے چھوٹے
چین سے رات کو اب خلقِ خدا سوئیگی
فاطمہؑ کا یہ کوا ب آکے یہاں روئیگی

الغرض منزلیں طے کرکے اسیرانِ بلا
پہنچے سر کھولے ہوئے مقتلِ دشتِ جفا
بو شہیدوں کے لہو کی جو وہاں لائی صبا
حرمِ شبیرِ الٰہی سے یہ زینبؑ نے کہا
چاک ہوتا ہے جگر جان چلی جاتی ہے
بھائی کے خون کی لوگوں مجھے بو آتی ہے

لو اب اونٹوں کو بٹھاؤ کہ ادب کی ہے یہ جا
ہو پیادہ کہ سرِ خاک ہے شبیرؑ پڑا
ننگے پا فاطمہؑ بھی ہوتی ہے مشغولِ بکا
دیکھ کر بھیڑ سونے مقتل یہ بیاں اس نے کیا
بھائی زینبؑ تمہیں آتی ہے کفن دینے کو
بھیجو عباسؑ اور اکبرؑ کو مرے لینے کو

جب وطن سے میں یہاں آئی تھی اے دینِ کے شاہ
تب مرے اونٹ کے چوگرد تھی حضرت کی سپاہ

آج آئی ہوں عجب شان سے اللہ اللہ
ننگے سر بال کھلے عابدِ بیکس ہمراہ

آپ کے حلق پہ تو سجدے میں تلوار پھری

سر کھلے آپ کی خواہر سرِ بازار پھری

اس گھڑی اونٹوں سے اترے حرمِ شیرِ خدا
خاک اڑاتے ہوئے مقتل کو چلے ننگے پا

پہنچے جب گنجِ شہیداں میں تو عابدؑ نے کہا
اٹھو اے فاطمہؑ کے لال امامِ دوسرا

طوق کے رگڑے دکھانے کو غلام آیا ہے

قافلہ لوٹا ہوا بہرِ سلام آیا ہے

آئی لاشہ سے یہ آواز کہ آؤ آؤ
ہم ہیں معذور تمہیں آکے گلے مل جاؤ

باپ بیکس کے لاشے کو ابھی کفناؤ
سیرا مہمان ہے حرؑ پہلے اسے دفناؤ

دفن ہر ایک سے پہلے مرا مہماں ہوگا

باپ کے مرقدے پہ عابدؑ ترا احساں ہوگا

اپنے دکھ درد کی ہم سے نہ کرو تم تقریر
قید خانے میں تو تھا پاس تمہارے شبیرؑ

رات بھر سنتا تھا کانوں سے صدائے زنجیر
اور سکینہ کے گلے ملتا تھا بحالِ تغیر

خاک پر خانۂ زنداں میں جو تو سوتا تھا

تب ترے سر کے تلے ہاتھ مرا ہوتا تھا

کہا عابد نے میں اس بندہ نوازی کے فدا — بعد مرنے کے بھی حضرت کو نہ عابدؑ بھولا

کہہ کے یہ بیلچہ داروں سے رو رو کے کہا — جلد تیار کرو قبرِ امامؑ دوسرا

کہا زینبؑ سے کہ روتی ہوئی آؤ زینبؑ

خاک تو بھائی کے زخموں سے چھڑاؤ زینبؑ

سن کے یہ عابدؑ بیمار و حزیں کی تقریر — بیٹھی روتی ہوئی لاش پہ آئی ہمشیر

خاک زخموں سے چھڑانے لگی اور کھینچے تیر — دہنِ زخم سے اسوقت یہ بولے شبیرؑ

تن زخمی کو ہمارے نہ سنبھالو بہنا

برچھی اکبرؑ کے کلیجے سے نکالو بہنا

تیر کھینچو نہ مرے جسم سے با آہ و فغاں — حلق سے تم علی اصغر کے نکالو پیکاں

جب سنا بانوؑ بے کس نے یہ لاشے کا بیاں — رو رو چلائی کہ بیٹا علی اصغر ہو کہاں

سو چکے خاک پہ اب آنکھوں کو کھولو پیارے

اب کلیجے سے لپٹ کر مرے سو لو پیارے

یہ وہ کہتی تھی کہ اک ننھی سی لاش آئی نظر — دودھ باچھوں میں بھرا اور انگوٹھا لبؑ

نرگسی آنکھیں کھلیں بال جھنڈولے سر پر — خاک پلکوں میں بھری پیاس کا ہونٹوں پہ اثر

کہا بانوؑ نے کہ اے تیر کے مارے اٹھو

میرے بھولے مرے جانی مرے پیارے اٹھو

خوں بھری لاش کو پھر اس نے گلے لپٹایا کرتے سے دودھ کی بو آئی تو بولی دکھیا

اماں صدقے گئی یہ دودھ کا دھبہ کیسا اجلا کرتا تمہیں اس دائی نے پہنایا تھا

ہاں مگر تیر یہ جو ظالم نے لگایا ہوگا

دودھ اسوقت گلے سے نکل آیا ہوگا

یہ بیاں کرتی تھی بانوؑ ئے غریب و ناچار ناگہاں قبر ہوئی سبطِ نبیؐ کی تیار

کہا زینبؑ نے یہ عابدؑ سے پھوپھی تم پہ نثار اب نہ تاخیر کرو دفن پدر میں زنہار

ماں مری سینہ و سر پیٹ رہی ہے بیٹا

اب تلک فاطمہؑ سے قبر چھٹی ہے بیٹا

کاندھے پہ عابدِ مضطر نے اٹھایا لاشا تھامے زینبؑ نے قدم بانو نے بازو پکڑا

مڑ کے سجادؑ نے دی بالی سکینہ کو صدا آجنازے کو ذرا باپ کے دے لے کاندھا

ایسا بے کس نہ جہاں میں کوئی آیا ہے

جس کے مردے نے نہ تابوت کبھی پایا ہے

دوڑی یہ سنتے ہی سر ننگے سکینہؑ ناچار لاش کاندھے پہ دھری آکے پدر کی اک بار

رو کے کہتی تھی میں بابا ترے مردے پہ نثار ایک دن وہ تھا مجھے کرتے تھے کاندھے پہ سوار

دست و پا نہیں اب قابو میں تمہارے بابا

بھائی کے کاندھے چلے گور کنارے بابا

متصل گور کے پہونچا جو شہ دیں کا پسر
کہا زینبؑ نے کہ اب لاش اتارو رو کر

لاش مرقد میں جو رکھنے لگا با دیدۂ تر
قبر سے ہاتھ یداللہ کے نکلے باہر

کہا زینبؑ نے کہ تشریف علی لائے ہیں
دستگیری کے لئے شیر خدا آئے ہیں

کہا زینبؑ سے پھوپھی دور کھڑی ہو تم کیا
دیکھ لو بھائی کا دیدار یہاں آؤ ذرا

سرِ شبیرؑ لئے بیٹھے ہیں محبوبِ خداؐ
آکے زینبؑ نے کیا شاہِ رسلؐ کو مجرا

اور کہا خلد سے تشریف یہاں لائے ہو
مٹی دینے پسرِ فاطمہؑ کو آئے ہو

میری فریاد بھی سن لیجئے از بہر خدا
ظالموں نے مرے بازو کو رسن میں باندھا

سر چھپانے کو نہ دی بلوے میں اک کہنہ ردا
آپ کی پیاری نواسی پہ یہ کی جور وجفا

آپ امداد کو زینبؑ کی نہ آئے نانا
دکھ یہ دکھ قید و مصیبت کے اٹھائے نانا

یہ بیاں سن کے بہت روئے رسولِ اکبر
دفن شبیرؑ کو عابدؑ نے کیا رو رو کر

فاتحہ پڑھ کے حرم روئے بہت پیٹ کے سر
غل جو رونے کا ہوا کنجِ لحد کے اندر

کہا عابدؑ نے کہ بے چین ہوتی ہے بتولؑ
بیٹے کے مرنے سے اس حال یہ روتی ہے بتولؑ

کہا سجادؑ سے کبرؑ نے یہ اس دم رو رو — بھائی صاحب مرے دولہا کو بھی اب دفن کرو
تا مجاور ہیں بنوں کھول کے اپنے سر کو — کہا اکبرؑ نے یہ سجادِ حزیں لے کے چلو

ٹکڑے لاشوں کے بہم بادلِ غمناک کریں
قاسمؑ ابن حسنؑ کو بھی تہِ خاک کریں

جس گھڑی لاشہ قاسمؑ پہ وہ بیکس آیا — لا کے ہر عضو کو نوشاہ کے رکھا اک جا
اس گھڑی مادرِ قاسمؑ نے یہ عابدؑ سے کہا — یہ نشاں نعلوں کے ہیں جسم پہ کیسے بیٹا

بولے عابدؑ کہ انہوں نے جو سناں کھائی تھی
لاش اس دولہا کی گھوڑوں سے کچلوائی تھی

کہہ کے یہ قبر میں لاشے کو رکھا رو رو کر — پھول جھڑ کے رکھے گور پہ بادیدہ تر
رکھ کے منہ گور پہ رونے لگی اس دم مادر — اور کہنے لگی کیا کرتے ہو اے نورِ نظر

چھاتی اس وقت مری غم سے پھٹی جاتی ہے
قبر کی خاک سے بھی مہندی کی بو آتی ہے

چوم کر قبر کو یہ عابدِ مضطر سے کہا — قبر تو قاسمؑ نوشہ کی بنائی بیٹا
واری اب قبر پہ اس لال کے لکھ دو یہ ذرا — اس کی یہ قبر ہے جو بیاہ کے دن قتل ہوا

بیٹا شبرؑ کا ہے شبیرؑ کا داماد ہے یہ
بھوکا پیاسا ہی یہ ارمان بھرا ناشاد ہے یہ

مرثیہ نمبر ۵۹

دفنِ شہدا

جب فاطمہؑ کے لال کا سر کٹ گیا تن سے
اور کوچ کیا لشکرِ کفار نے رن سے
سادات ہوئے قید بندھے ہاتھ رسن سے
محروم رہے سبطِ نبیؐ گور و کفن سے
تھا گرد کا دامن تنِ صد چاک کے اوپر
خنجر سے ٹپکتا تھا لہو خاک کے اوپر

وہ گرمی کے ایام وہ صحرائے خطرناک
پتے کا نہ سایا تھا بجز سایۂ افلاک
اڑتے تھے بگولے کبھی اڑتی تھی کبھی خاک
ریتی پہ پڑا تھا پسرِ سیدِ لولاک
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر
اس دھوپ میں سلیانہ تھا لاشِ شہ دیں پر

کھیتوں پہ جو کٹتے تھے وہاں اہلِ زراعت
لاشے نظر آتے تھے انہیں آتی تھی رقت
دن بھر تو وہ سب روتے تھے بالصد غم و حسرت
اور شب کو گھروں میں بھی تھی غم سے فراغت
کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ سوتے تھے سحر تک
شبیرؑ کی مظلومی پہ روتے تھے نہ رتک

تب عورتیں کہتی تھیں یہ بادیدۂ پرنم — کیوں بے خور و بے خواب ہو کس بات کا ہے غم
اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں تم لوگوں کے ہر دم — بتلاؤ کہ ہے کون سے مظلوم کا ماتم
کھانے جو پکائے ہیں اسی طرح دھرے ہیں
کون اٹھ گیا دنیا سے کہ دل غم سے بھرے ہیں

تم لوگوں کے غم کھانے کا کھلتا نہیں احوال — خرمن پہ گری برق کہ کھیتی ہوئی پامال
کیا بیچ پڑا کون سا نقصان ہوا اس سال — املاک ہوئے ضبط کہ دنیا پہ پڑا کال
کچھ جرم کسی طرح کا ٹھہرایا ہے تم پر
کیا حاکمِ جابر کا عتاب آیا ہے تم پر

وہ بولے کہ ان میں سے نہیں بات کوئی آہ — کیا تم سے کہیں ہم پہ جو ہے صدمۂ جانکاہ
تھی تیسری تاریخ محرم کی کہ ناگاہ — وارد ہوا اس دشت میں اک بندۂ اللہ
تھوڑے سے ملازم تھے پہ سب غنچہ دہاں تھے
کچھ پیر تھے کچھ طفل تھے کچھ تازہ جواں تھے

برپا جو ہوا خیمۂ زرنگاری تہ دار — محمل سے حرم خیمہ میں داخل ہوئے یکبار
اترے وہ جواں گھوڑوں سے صحرا ہوا گلزار — واللہ عجب مصحفِ دیں تھی وہ خوش اطوار
فکر اور کوئی دل میں نہ جز یاد خدا تھی
تکبیروں کے نعرے تھے نمازوں کی صدا تھی

بند اس پہ ہوا ساتویں تاریخ سے پانی سمجھایا پر اعدا نے کوئی بات نہ مانی
وہ گرمی کے دن وہ تعبِ تشنہ دہانی مرنے لگے اس سیدِ مظلوم کے جانی
پانی کے نہ ملنے سے جو گھبراتے تھے بچے
کوزے لیے خیمہ سے نکل آتے تھے بچے

عاشورے کو مرنے پہ مسافر ہوئے تیار تلواریں نیاموں سے نکلنے لگیں یکبار
ڈھالوں کا لبِ نہر اٹھا ابرِ دھواں دھار ہر سو تھی کڑک تیروں کی اور تیروں کی بوچھار
کس منہ سے کہیں حال جوانانِ عرب کا
پیاسے تھے ہوا ظہر تلک خاتمہ سب کا

یہ سنتے ہی عورات نے اک شور مچایا گھبرا کے کہا ہائے یہ کیا تم نے سنایا
شبیرؑ تو خاتونِ قیامت کا ہے جایا اس شمعِ امامت کو لعینوں نے بجھایا
مظلوم کا سر تن سے اتارا گیا ہے ہے
لوگو پسرِ فاطمہؑ مارا گیا ہے ہے

دسویں کو ہوئی شہ کے سر و تن میں جدائی اور آج تلک لاش نہ بیکس کی اٹھائی
ان کا تو باقی کوئی بیٹا ہے نہ بھائی تم نے بھی نبیؐ زادے کی میت نہ اٹھائی
فرزندِ علیؑ دشت میں بے دفن ہے کیسے
معلوم ہوا ڈر گئے حاکم کے غضب سے

تم اوڑھو ردائیں ہمیں دو جنگ کے ہتھیار — بس آج سے تلواریں نہ تم باندھیو زنہار
خوش ہیں نہ نبیؐ تم سے علیؑ تم سے ہیں بیزار — بے پردہ ہیں زینبؑ ہمیں پردہ نہیں درکار
فوجیں بھی جو پہونچیں تو نہ حاکم سے ڈریں گے
اب فاطمہؑ کے لال کو ہم دفن کریں گے

یہ کہہ کے بس عورات نے عریاں لئے سر — جلدی سے اتارا انہیں جو پہنے تھے زیور
آغوش سے بچوں کو بھی بٹھلا دیا رو کر — اور پھینک دیا سب نے رداؤں کو زمیں پر
گر سینہ زنی تھی کبھی فریاد و بکا تھی
اس غول میں زہراؑ کے بھی نالے کی صدا تھی

مردوں نے جو دیکھا کہ چلیں عورتیں باہر — گھبرا گئے اور بولے یہ گر گر کے قدم پر
تم روؤ گھروں میں صفِ ماتم کو بچھا کر — ہم گاڑتے ہیں لاشۂ فرزندِ پیمبرؐ
دلویں گے کفن شاہِ غریب الغربا کو
منہ ہم کو بھی دکھلانا ہے محبوبِ خداؐ کو

یہ کہہ کے چلے بیلچے لے کے وہ یک بار — اور کیں لحدیں فاطمہؑ کے پیاروں کی تیار
سر لے گئے تھے کاٹ کے سب جو ستمگار — معلوم نہ ہوتا تھا کہ ہے کون سا سردار
جس خاک پہ ٹکڑے تنِ سرور کے پڑے تھے
یہ لوگ وہاں ششدر و حیران کھڑے تھے

کہتا تھا کوئی کس سے کہیں کون بتائے | ہم پوچھیں جو لاشوں کا شناسا کوئی آئے
سب خواب اجل میں ہیں کوئی کس کو جگائے | احمدؐ کا نواسا کفن و گور نہ پائے

معلوم نہیں کون سی جا پر شہ دیں ہیں
لاشے سے صدا آئی وہ مظلوم ہمیں ہیں

صد شکر کہ آخر ہوئے جہم کے بھی ایام | کر دیگا خدا دفن و کفن کا بھی سرانجام
مشرق میں جو ہو فوت امام ذوی الاکرام | مغرب سے امام آتا ہے وہاں دفن کے ہنگام

رہنے دو زمیں پر نہ اٹھاؤ ابھی ہم کو
ٹھہرو کہ امام زمن آیا کوئی دم کو

ناگاہ ہوئی سامنے سے گرد نمودار | مقتل کی زمیں ہو گئی سب مطلع انوار
آواز فرشتوں کی پھر آنے لگی یکبار | آ پہونچے سر شاہ لئے عابدؑ بیمار

ہر گام پہ گر پڑتے تھے یہ زور گھٹا تھا
عمامہ نہ تھا سر پہ گریبان پھٹا تھا

مقتل میں کھڑے ہو کے پڑھی پہلے زیارت | بس گر پڑے لاشہ پہ نہ تھامی گئی رقت
چلائے کہ اے دلبر خاتون قیامت | بے چین تھا میں آپ سے جب سے ہوئی فرقت

بعد آپ کے سب خاک پہ سوتے گئے بابا
اتنے دنوں ہم قید میں رویا کئے بابا

مرثیہ نمبر ۶۰

چہلم شہدائے کربلا

چہلم جو کربلا میں بہتّر کا ہو چکا — اور فاتحہ حسینؑ کے لشکر کا ہو چکا
پیوند بیکسوں کے سر و تن کا ہو چکا — مدفون لاشہ سبطِ پیمبرؐ کا ہو چکا
ماتم میں تین روز رہے شور و شین سے
روئے لپٹ لپٹ کے مزارِ حسینؑ سے

مثلِ چراغ گورِ غریباں پہ دل جلائے — پھولوں کے بدلے قبروں پہ لختِ جگر چڑھائے
پر اُن کی بود و باش کے ساماں جو یاد آئے — بیساختہ پکارے کلیجہ پکڑ کے ہائے
اب کس کے ساتھ داخلہ کربلا ہوا
لایا تھا جو مدینہ سے وہ ہم کو کیا ہوا

آئے تھے دوسری کو محرم میں کس کے ساتھ — خیمے بپا ہوئے تھے برابر لبِ فرات
اترے تھے جب تو روکی تھی عباسؑ نے قنات — تاکید تھی کہ زور سے کوئی کرے نہ بات
ہے ہے وہ پردہ دار ہمارے کدھر گئے
بے پردہ ہو کے آلِ نبیؐ در بدر گئے

مقتل کے آس پاس یہ یوں وحی تھی فغاں
زینبؑ جبیں لحد پہ رکھے کرتی تھی بیاں
اے مرے کربلائی برادر حسنؑ کی جاں
ہمشیر تین دن سے تمہاری ہے میہماں

اللہ مری بات بھی پوچھی نہ آپ نے
زنداں کی واردات بھی پوچھی نہ آپ نے

میں جانتی تھی شہر بسا ہوگا بھائی کا
ہوگا ہجوم قبر پہ ساری خدائی کا
چہلم کروں گی دھوم سے میں کربلائی کا
پرساں بھی یہاں کوئی نہیں زہرا کی جائی کا

منہ ڈھانپنے کو آپ ہی پلہ بھی لیتی ہوں
اور اپنے دل کو آپ ہی پرسا بھی دیتی ہوں

چہلم تو کر چکی میں دل افگار یا حسینؑ
اب روضہ کس طرح سے ہو تیار یا حسینؑ
بیٹا بھی اور بہن بھی ہے نادار یا حسینؑ
آخر کبھی تو آئیں گے زوّار یا حسینؑ

تکیہ ہے کارسازئ پروردگار پر
اس دم تو سائبان بھی نہیں ہے مزار پر

بھیا میں داستانِ الم کیا کروں بیاں
کیوں مر گئی نہ آہ یہ ہمشیر خستہ جاں
ٹوٹا مصیبتوں کا غریبوں پہ آسماں
لوٹی گئیں اسیر ہوئیں ساری بیبیاں

خیمے جلے ذلیل ہوئیں ننگے سر پھریں
اونٹوں پہ قیدیوں کی طرح دربدر پھریں

سر ننگے بنتِ فاطمہؑ بازار میں گئی
بے مقنعہ آہ مجلسِ اشرار میں گئی
ابنِ زیاد شوم کے دربار میں گئی
بزمِ یزیدؔ فاجر و بدکار میں گئی

آنکھوں سے ظلم بانیِ شر دیکھتی رہی
طشت طلا میں آپ کا سر دیکھتی رہی

دکھیا بہن کی آپ نے بھیا نہ لی خبر
بھیا ہمیں پھرایا ہے شہروں میں ننگے سر
رکھتے تھے سر ستم کی روا ہم پہ اہلِ شر
بے وارثوں پہ ڈالتے تھے قہر کی نظر

زندہ ستم اٹھانے کو یہ خستہ تن رہی

زندانِ تنگ و تار میں بھیا بہن رہی

بھیا ترے فراق میں تھی نیم جاں بہن
مدت کے بعد آ کے ملے ہو شہِ زمن
دن رات یاد کرتی تھی بھیا یہ خستہ تن
قربان سر بریدہ کے یہ کشتۂ محن

مضطر بہن کے دل کو تسلی تو دیجئے

ماں جائے کچھ تو حال بیاں اپنا کیجئے

حضرت کی قبر ہل گئی زینبؑ کے بین سے
آ کر کہا بشیرؔ نے ابنِ حسینؑ سے
شہزادہ جاں بہ لب ہے پھوپھی شور و شین سے
چلئے وطن کو قبرِ شہِ مشرقین سے

عابدؑ نے پوچھا کیوں پھوپھی اماں قبول ہے

وہ بولی اختیار ہے کیا ہاں قبول ہے

اے کربلائے حضرتِ دلگیر الوداع　　اے قتل گاہِ حضرتِ شبیرؑ الوداع

اے قبرِ صاحبِ تطہیر الوداع　　لو بھائی جان جاتی ہے ہمشیر الوداع

کیا بے نصیب ہے یہ نواسی رسولؐ کی

جس کی مجاوری بھی نہ تم نے قبول کی

اے کربلا کے سید و سردار الوداع　　نورِ نگاہ احمدِ مختار الوداع

ہم بیکسوں کے قافلہ سالار الوداع　　دکھیا بہن کے مونس و غمخوار الوداع

تڑپا رہا بدن کو یہ دردِ فراق ہے

بھیا لحد کا چھوڑنا زینبؑ کو شاق ہے

کب سے تمہیں پکار رہی ہوں میں خستہ تن　　ہے ہے جواب بھی نہیں دیتے شہِ امم

بھیا گلے لگا لو تو جاؤں سوئے وطن　　آئی ندا سدھارو خدا حافظ اے بہن

صغرا کو میری سمت سے تم پیار کیجیو

ہوگا ثواب خاطرِ بیمار کیجیو

لے کر بلائیں قبر کی بولی وہ سوگوار　　اس پیار کے نثار اس آواز کے نثار

تسلیم کی لحد کو پھری گرد سات بار　　جی تو نہ چاہتا تھا پہ جبراً ہوئی سوار

جب تربتِ حسینؑ کی غربت نظر پڑی

ناقہ پہ کتنی بار چڑھی اور اتر پڑی

مرثیہ نمبر ۶۱

چہلم شہدائے کربلا

آج چہلم تمام ہوتا ہے ۔ دفن سب کا امام ہوتا ہے
کشتوں کا اب مقام ہوتا ہے ۔ دور گردوں خیام ہوتا ہے
تنِ شہ آج سر سے ملتا ہے
عرشِ خالق دوبارہ ہلتا ہے

کربلا میں ہے آج شیون و شین ۔ دفن ہوتی ہے آج لاشِ حسینؑ
روتی کبرا ہے شہ کی نور العین ۔ بانوئے شاہ ہے بہت بے چین
رو رو زینبؑ دوہائی دیتی ہے
گود میں شہ کی لاش لیتی ہے

شش جہت میں ہے شور و واویلا ۔ آتی ہے یہ ملائکہ کی صدا
قید سے چھوٹ کر امام آیا ۔ آج اک حشر پھر بپا ہوگا
چلو اے قوم پیشوائی کو
لاؤ زینب فلک ستائی کو

آگے آگے تھے جبرئیل امین
ان کے پیچھے ملائکہ غمگیں
پھینک کر تاج سر برہنۂ زمین
آئے بیمار کربلا کے قریں

حاملانِ الم کو لے آئے
قتل گہ میں حرم کو لے آئے

آج سجّادؔ کو غش آتے ہیں
غش سے فرصت ذرا جو پاتے ہیں
باپ کی لاش کو ہلاتے ہیں
گھٹے زنجیروں کے دکھاتے ہیں

جب وہ بیمار دکھ سناتا ہے
لاشۂ شاہ کانپ جاتا ہے

پہنچے عابدؔ جو لاشۂ شہ پر
بولے باصد ملال رو رو کر
کچھ خبر آپ کو ہے اے سرور
رنج کیا کیا ہوئے ہیں بندہ پر

آپ کے بعد ہم اسیر ہوئے
طوق آہن میں دستگیر ہوئے

لے گئے ہم کو بیڑیاں پہنا
اور گردن میں طوق بھی ڈالا
آپ سوتے رہے یہاں بابا
لی خبر بھی نہ میری کچھ اصلا

دشمنِ دیں زبس ستاتے تھے
تازیانے مجھے لگاتے تھے

سن کے اہلِ حرم بھی شہ کی صدا   روئے ایسے کہ ہوش بھی نہ رہا
پھر تو زینبؑ نے شاہ سے یہ کہا   بھائی آئی ہے یہ بہن دکھیا

ساتھ اہلِ حرم کو لائی ہوں
پر سکینہ کو کھو کے آئی ہوں

بولی زینبؑ کہ اے شہید امام   آئی ہوں طے میں کر کے راہِ شام
اب یہاں سے نہ جاؤں گی اک گام   آپ کی قبر پر رہوں گی مدام

اسی بیشہ میں جان کھوؤں گی

عمر بھر آپ کو میں روؤں گی

بھائی شرمندہ ہوں میں صغراؑ سے   منہ وطن میں دکھاؤں کیا جا کے
نہیں ممکن ہے اب زینبؑ سے   آپ کو بن میں چھوڑ کر جائے

قبر اصغرؑ کی اب بناؤں گی
عمر بھر بیٹھی خاک اڑاؤں گی

سن کے لاشہ تڑپ گیا شہ کا   آئی حلق بریدہ سے یہ صدا
اے بہن دخترِ علیِؑ ہدا   کہوں پیغام کیا میں صغراؑ کا

مجھ کو سجاؑد سے ندامت ہے
ہجر صغراؑ کا ایک قیامت ہے

لاشِ اکبر پہ زینبِ دلگیر — آئی جس دم بحالتِ تغییر
کہتی تھی اے میرے بدرِ منیر — خاک میں تیری مل گئی تصویر
سو چکے بس اُٹھو اُٹھو بیٹا
آئے سجّاد ہیں ملو بیٹا

تم سے چھٹ کر ہوئے یہ مجھ پہ ستم — قید کر شام لے گئے اظلم
سرِ دربار بے ردا تھے ہم — طشت میں تھا سرِ امامِ اُمم
ساتھ فوجِ یزید تھی بیٹا
قتلِ سیّد کی عید تھی بیٹا

تھی سکینہؑ جو شاہ کی دختر — کھڑی کہتی پدر کے لاشہ پر
حال بیٹی کا دیکھو اے سرور — بال کھولے ہیں اپنے رو رو کر
مجھ پہ کیا کیا ستم ہوئے بابا
منہ کا دیکھو مرے ورم بابا

عید کے روز تم نے جو سرور — تھے پنہائے جو کان میں گوہر
لے گیا اس کو شمرِ بد گوہر — اور طمانچے بھی مارے ہیں منہ پر
اپنا دُکھ میں سنانے آئی ہوں
نیل منہ کے دکھانے آئی ہوں

مرثیہ نمبر ۶۲

چہلم شہدائے کربلا

ابنِ حیدرؑ کا آج چہلم ہے علی اکبرؑ کا آج چہلم ہے
ابنِ شبرؑ کا آج چہلم ہے علی اصغرؑ کا آج چہلم ہے

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

قید سے چھوٹ کے آتے ہیں عابدؑ باپ کا سر بھی لاتے ہیں عابدؑ
داغ تازہ اٹھاتے ہیں عابدؑ سب کو رو کر سناتے ہیں عابدؑ

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

پہنچے مقتل کے جب قریب امامؑ دیکھا آتے ہیں لینے شاہ انام
شہ کا ہے جسم پاش پاش تمام کہہ کے یہ روئے عابدؑ ناکام

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

بھائی کا سر لئے ہوئے دیکھا	آئی مقتل میں زینبؑ ذیجاہ
خاک اڑا کر یہ کرتی تھی نوحہ	دفن کرنے کو آئی ہوں بھیا

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

کیا ستم شام میں حرم پہ ہوئے	سر کھلے در بدر پھرائے گئے
گئے دربار میں بھی دکھ پائے	قید سے چھٹ کے آج ہیں آئے

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

قید میں شہ کی لاڈلی دختر	مرگئی کہتے کہتے ہائے پدر
شام میں غم زدہ کو دفنا کر	داغ سوغات لائے ہیں مضطر

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

بی بیاں وارثوں کی لاشوں پر	بین کرتی ہیں ہائے رو رو کر
ہے بکا سے حرم کے ایک محشر	کھوتی ہیں جان غم سے خستہ جگر

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

روکے سجادؑ سے کہتے تھے پشت زخمی ہے میری کوڑوں سے
بابا جاں مجھ پہ جو ستم گذرے اف بھی منہ سے کبھی نہ کی میں نے

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

تھام کر دل کو عابدؑ بیمار دفن کرنے کو ہو گئے تیار
تھا جو لاشوں کا ایک جا انبار ایک ہی جا بنا یا سب کا مزار

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

آکے پھر لاشہ شہ دیں پر گرے سجاد غم سے غش کھا کر
ہوش میں آئے جب تو رو رو کر جسم شہ سے نکالے تیر و تبر

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

پائینتی شہ کے لاشۂ اکبرؑ دفن فرمائے عابدؑ مضطر
بولے بھائی ہے داغ یہ دل پر گئے سینہ پہ تم سناں کھا کر

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

تن اطہر سے شہ کے سر کو ملا　　رکھا عابدؑ نے قبر میں لاشا
پھر بنا کر لحد پہ فرمایا　　اے زمیں شاہ کو تجھے سونپا

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

پہلوئے شہ میں لاشۂ اصغرؑ　　دفن فرما کر بولے یہ رو کر
شہ کی نصرت میں حلق چھدوا کر　　چل بسے بھائی تم سوئے کوثر

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

لے کے عباسؑ کے کٹے شانے　　نہر پر دفن کے لئے آئے
لاش پیارے چچا کی دفنا کے　　سر پہ سجادؑ خاک اڑانے لگے

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

بن چکی جب لحد شہیدوں کی　　قبر شہ پہ بہن یہ چلائی
خاک میں آپ چھپ گئے بھائی　　مجھ کو اس وقت بھی نہ موت آئی

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

ساتھ ماں جائی کا نہ یوں چھوڑ دو
اک لحد کی جگہ مجھے بھی دو
کھو کے کرب و بلا میں پیاروں کو
جاؤں میں کس طرح وطن بولو

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

مجھ سے صغرا جو سب کو پوچھے اگر
ہائے میں اس سے کیا کہوں سرور
دوں یتیمی کی اس کو کیسے خبر
کھوئے گی غم سے جان وہ مضطر

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

آپ کو ماں نے تھا مجھے سونپا
پوچھیں جب وہ تو میں بتاؤں کیا
آپ پر ہائے جو ستم گذرا
کس طرح میں بیاں کروں بھیا

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

قبر حسین پر بدرد و بکا
بین کرتی تھی پیٹ کر زوجہ
تھی سکینہ جو آپ کی شیدا
قید میں مرگئی وہ ساہ لقا

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

اسی بچی کا واسطہ آقا غم فرقت سے کیجئے مجھ کو رہا
زیست کا جب بڑھ گیا نقشہ جائے کیوں کر مدینہ یہ دکھیا

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

قبرِ قاسمؑ پہ کہتی تھی کبراؑ ہائے اک رات کے میرے دولہا
تم ہوئے قتل میں ہوئی بیوہ کا لوٹی کس طرح دکھ رنڈاپے کا

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

قبرِ اکبرؑ پہ کہتی تھی لیلےٰ اے پُر ارماں نوجواں بیٹا
تم نے سہرا نہ ماں کو دکھلایا خاک میں چھپ گیا تیرا چہرہ

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

تھا یہ اُمِّ رباب کا نوحہ چھد گیا حلق پیاسے اصغرؑ کا
قید میں دی سکینہؑ جانِ وفا کوکھ بھی اجڑی اور بنی بیوہ

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

بادشاہِ حلب یہ سن کے خبر — کربلا آیا سب لٹا کر گھر
ساتھ زوجہ تھی اور تھی دختر — پہونچے چہلم کے دن وہ خستہ جگر

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

بنت شاہِ حلب پہ کی جو نگاہ — بولی رو رو کے زینبؑ ذیجاہ
کیا کہوں اے بہو میں تجھ سے آہ — ہوگیا قتل اکبرؑ ذیجاہ

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

بنت شاہ حلب نے رو کے کہا — میں نے منہ بھی نہ دیکھا دولہے کا
ہائے افسوس ہوگئی بیوہ — مجھ کو قسمت نے دن یہ دکھلایا

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

آج رخصت حسینؑ ہوتے ہیں — سب عزادار جان کھوتے ہیں
منھ کو سب آنسوؤں سے دھوتے ہیں — یاد میں شہ کے خون روتے ہیں

ہائے سرور کا آج چہلم ہے
شہ کے لشکر کا آج چہلم ہے

مرثیہ نمبر ۶۳

قافلہ کی مدینہ واپسی

مسافرانِ مصیبت وطن میں آتے ہیں — سفر سے آتے ہیں سوغات آہ لاتے ہیں
بجائے اشک وہ آنکھوں سے خوں بہاتے ہیں — اٹھا کے ہاتھ مدینہ کو یہ سناتے ہیں
کٹا کے آئے ہیں زہرا کے سب گھرانے کو
نہ کر قبول تو ہم بیکسوں کے آنے کو

مدینہ ہم ترے والی کو آئے ہیں کھو کر — مدینہ گردنِ شبیر پر چلا خنجر
مدینہ کوفے میں سر ننگے ہم پھرے در در — مدینہ داغِ رسن ہیں ہمارے شانوں پر
ہم آئے ہیں زندہ پہ زہرا کا نورِ عین نہیں
مدینہ اکبر و قاسم نہیں حسین نہیں

ہلی زمین مدینہ کی اس گھڑی پیہم — کیا بشیر کو سجادؑ نے طلب اس دم
گلے میں شال عزا ڈالدی بدیدہ نم — اور اس کے ہاتھ میں رو کر دیا سیاہ علم
کہا کہ جا نہیں گو اپنے منہ دکھانے کی
مگر وطن میں خبر کر دے میرے آنے کی

چلا بشیر یہ دیتا ہوا خبر ہر جا مگر محلہ ہاشم میں دیکھتا ہے کیا
کہ اک مریضہ سر راہ ہے کھڑی تنہا جو نام پوچھا تو رو رو کے بولی وہ صغراؑ

بشیر کہنے لگا کیوں تو شور شین میں ہے
کہا یہ حال مرا فرقت حسینؑ میں ہے

کھڑی ہوں منتظر اکبرؑ کو دیکھوں کب آئے میں گھر سے نکلی ہوں شاید کہ قاصد آجائے
خدا کہیں مرے بھیا کو خیر سے لائے کہ یہ مریضہ لب گور ہے شفا پائے

کوئی پدر کی خبر لائے پاؤں پڑتی ہوں
جدا مسیح سے ہوں ایڑیاں رگڑتی ہوں

بشیر سمجھا یہ بنت حسینؑ ہے صغراؑ خموش رہ گیا صغرا کے منہ پر کچھ نہ کہا
پکاری فاطمہؑ گردن میں دیکھ شال عزا تو بھائی لایا ہے کس کی سنائی مجھ کو سنا

وہ بولا قاصد بیمار کربلا ہوں میں
سنائی قبر پیمبرؐ پہ لے چلا ہوں میں

وہ بولی رو رو کے بھائی کیا سناتا ہے وہ کون ہے جسے بیمار تو بتاتا ہے
سنائی کس کی ہے یہ مجھ کو ہول آتا ہے کہ مصطفےٰؐ کی لحد سے تو کہنے جاتا ہے

عمامہ پھینک کے اس نے کہا دہائی ہے
ترے حسینؑ کی صغرا سنائی آئی ہے

گری زمین پہ صغراؔ کہ اس پہ چرخ گرا　　خبر یہ پھیلی تو ماتم ہر اک گھر میں ہوا
نکل نکل پڑیں سب عورتیں برہنہ پا　　نبیؐ کی قبر پہ جا کہ بشیر نے یہ کہا

سفر سے لٹ کے ادھر بھیجوں کی پیاسیاں آئیں
اٹھو رسولؐ تمہاری نواسیاں آئیں

بشیر کہتا ہے واللہ روضہ کانپ گیا　　لحد سے نالہ ہوا واحسینؑ کا پیدا
ادھر زمین پہ تڑپتی تھی فاطمہؑ صغرا　　زنانِ ہاشمیہ نے وہاں ہجوم کیا

ہلا کے شانہ کہا شاہ مشرقین آئے
اٹھو حسینؑ کی عاشق اٹھو حسینؑ آئے

وہ آنکھیں کھول کے بولی کہ مر گئے بابا　　کہ اس میں قافلہ کربلا بھی آ پہنچا
بہن حسینؑ کی سر ننگے دیتی تھی یہ صدا　　حسینؑ جب سے موئے میں نے سر نہیں ڈھانپا

نہ مردہ اور نہ تابوت اخی کا لائی ہوں
مدینہ والوں میں بھائی کو کھو کے آئی ہوں

مدینہ والو کہو اس بہن کی کیا تقدیر　　جو دیکھے اپنے برادر کے حلق پر شمشیر
عزیزو اسکی سزا کیا ہے کچھ کرو تقریر　　لہو میں غرق جو دیکھی حسینؑ کی تصویر

بتاؤ کہتے ہیں کیا سب اس اماں جائی کو
جو دے بہن نہ تلک کفن نہ بھائی کو

مرے حضور تھا حلقِ حسینؑ پر خنجر شہید ہو گیا ہم شکلِ مصطفیٰؐ اکبرؑ
کفن نہ دے سکی بھائی کو میں ہوں وہ خواہر خدا گواہ کہ سر پر مرے نہ تھی چادر
زمینِ گرم پہ بھائی کی لاش تنہا تھی
حسینؑ جاتے تھے میں اسیرِ اعدا تھی

یہ کہہ کے آگے بڑھی زینبؑ نجستہ صفات تو دیکھا دور سے صغراؑ کو اس طرح ہیہات
دیئے ہوئے ہیں کسی بی بیاں بغل میں ہاتھ گئی نہ سامنے صغراؑ کے زینبؑ خوش ذات
کبھی تو قافلے کے پیچھے آ کے چھپتی تھی
کبھی رسولؐ کے روضے میں جا کے چھپتی تھی

نبیؐ کی قبر پہ صغرا نے پایا زینبؑ کو گلے لپٹ کے پکاری پدر کا پرسا دو
وہ لوبی سارے عزیزوں کا مجھ سے پرسہ لو عزیز ہو گئے سب فدیۂ شہ خوشخو
تو جانتی ہے کہ بابا فقط سوا صغرا
شہید تیرے اصغرؑ تلک ہوا صغرا

ابھی یہ کہتی تھی زینبؑ بہ نالہ جانکاہ کہ اک شیشے کو لے آئیں امِ سلمہ آہ
بھرا ہوا تھا لہو سے وہ شیشہ سب واللہ حرم نے منہ پہ ملا وہ لہو بحالِ تباہ
فغاں و آہ کے نالے بلند ہونے لگے
بٹھا کے بیچ میں صغراؑ کو سب رونے لگے

قافلہ کی مدینہ واپسی

سجادؑ کو فرصت جو ملی دفنِ پدر سے
رو کر کہا یہ زینبؑ مجبور دلِ جگر سے

رخصت ہو پھوپھی قبرِ شہِ جن و بشر سے
وہ بولی کہ زاری مجھے کیا کام ہے گھر سے

قبرِ شہِ تنہا سے نہ منہ موڑوں گی پیارے
جنگل میں اکیلی نہ لحد چھوڑوں گی پیارے

سجادؑ نے کی عرض کہ اے قبلۂ حاجات
بابا سے تو اب ہو گی قیامت میں ملاقات

گھر چل کے شہیدوں کے لیے روئیے دن رات
سب بیبیاں بولیں مناسب ہے یہی بات

ہم سب کو پہنچنا ہے مگر ساتھ تمہارے
تم ساتھ ہو سجادؑ کے ہم ساتھ تمہارے

زینبؑ کو سوا جانے کے پھر کچھ نہ بن آیا
تربت کو برادر کی کلیجے سے لگایا

گو حضرت سجادؑ نے زینبؑ کو چھڑایا
زینبؑ نے مگر بیٹھ کے یہ شور مچایا

اے قبرِ فداؑ تجھ پہ یہ آوارہ وطن ہو
تو شق ہو تو سبطِ نبیؐ سے بغل گیر بہن ہو

پھر پاس سے منہ رکھ کے لحد پہ پکاری | بھیا اٹھو اب رخصت آخر ہے ہماری
ناقہ پہ شتربان نے کسی کا لی عماری | بے آپ کے [illegible]ا ہے مگر میری سواری
مرقد سے کفن پہنے چلے آیئے بھائی
دو چار قدم تو مجھے پہنچائیے بھائی

اکبرؑ سے بھی کہہ دو کہ پھوپھی جاتی ہے آؤ | کس کام میں ہیں قاسمؑ مضطر کو بلاؤ
پھر پیٹ کے سر بولی کہ بے ہے نہ رلاؤ | بھیا تمہیں محمل میں مجھے آکے بٹھاؤ
منہ اپنا وطن میں کسے دکھلائے گی زینبؑ
بے آپ کے یثرب کو نہ اب جائے گی زینبؑ

سجادؑ نے جب دی قسم قبر پیمبرؐ | مجبوری سے اسوار ہوئی دختر حیدرؑ
یثرب کو روانہ ہوئے پھر عابدؑ مضطر | جز غم کا پسر قافلے کے آگے تھا کھلے سر
کہتا تھا کہ کچھ حد نہیں اس جور و جفا کی
شبیرؑ کو مارا ہے دہائی ہے خدا کی

وہ قافلہ یثرب کے قریب آیا جو ناگاہ | مشتاقوں سے اس شہر کے مسدود ہوئی راہ
سر پیٹ کے سجادؑ سے زینبؑ نے کہا آہ | ان لوگوں سے کہہ دو مری جانب سے یہ للہ
بن بھائی کے آتی ہوئی شرماتی ہے زینبؑ
یہ وجہ ہے جو منہ نہیں دکھلاتی ہے زینبؑ

مرثیہ نمبر ۶۵

قافلہ کی مدینہ واپسی

جب گورِ غریباں وطن میں حرم آئے　　سر پیٹتے سجادؑ بہ زیر علم آئے
کہتے تھے نہ اکبرؑ نہ امامِ امم آئے　　اٹھارہ بنی فاطمہؑ کو کھو کے ہم آئے
آواز بتولؑ آئی کہ تاریک جہاں ہے
زینبؑ مرا یوسف مرا شبیرؑ کہاں ہے

زینبؑ مرے بچوں کو کہاں چھوڑ کے آئی　　زینبؑ مجھے پردیسی کو غربت میں نہ لائی
زینبؑ مرے مظلوم سے کی تو نے جدائی　　زینبؑ تو لٹا آئی غریبوں کی کمائی
نکلی تھی تو سب کنبہ کو اولاد کو لے کر
آئی ہے فقط عابدِ ناشاد کو لے کر

ناگاہ خبر آمد سادات ہوئی عام　　مردوں سے بھرے راستے اور عورتوں سے بام
ہر سمت تصدق کا زیارت کا سرانجام　　پر نالۂ زہراؑ سے بقیع میں تھا کہرام
یہ کہتے ہوئے لوگ چلے جاتے تھے گھر سے
کہہ دے کوئی صغرا سے حسینؑ آئے سفر سے

زنجیرِ درِ فاطمہؑ صغرا کو بلا کر ! — اک لڑکی نے جلدی سے یہ آواز دی گھر
بی بی پدر آیا ترا اب شکرِ خدا کر — مل آئی ہوں کبریٰ و سکینہؑ سے میں جا کر
مرضی تری مادر کی جو میں پاتی ہوں بی بی
میں گود میں اصغرؑ کو ابھی لاتی ہوں بی بی

آواز دی صغرا نے ترے منہ کے میں واری — اور مادرِ عباسؑ کو خوش ہو کے پکاری
صحنک کرو زہراؑ کی مراد آئی ہماری — سنتی ہوئی در پہ گئی شبیرؑ کی پیاری
کیا دیکھتی ہے چاروں طرف عید بپا ہے
پر شہر کے دروازہ پہ رونے کی صدا ہے

پنجہ علمِ سبز کا پھر دور سے چمکا — اک ناقہ پہ آ پہنچا نشاں شاہِ اممؑ کا !!
اک لڑکی اور اک لڑکا عصا تھامے علم کا — منہ پیٹ کے دونوں یہ بیاں کرتے تھے غم کا
ہے ہے علیؑ و احمدِ مختارؐ کو مارا
امت کے علمدار کے سردار کو مارا

اور بچوں کی فریاد پہ سب خلق پکاری — عباسؑ کا یہ بیٹا ہے وہ ہے شاہ کی پیاری
یہ غل تھا کہ پیدا ہوئی زینبؑ کی سواری — کالی کفنی کالی ردا کالی عماری
محمل میں بھی سر شرم سے نہوڑائے ہوئے ہیں
اور خاک بھرے بالوں کو بکھرائے ہوئے ہیں

کوٹھوں پہ کھڑی ہو گئیں سب عورتیں اُس دم — ہاتھ اپنے رکھے ہاتھوں پہ اور گردنیں کیں خم
بڑھ بڑھ کے مخاطب ہوئیں با دیدۂ پُرنم — اے زینبؑ عالی گہر اے ثانیٔ مریم

آگے بھی یہاں تھا یہی دستور ہمارا
تسلیم اور آداب ہو مقبول ہمارا

لو منہ سے تو اب پردۂ محمل کو ہٹاؤ — مشتاق ہیں سب لونڈیاں دیدار دکھاؤ
مردانہ نہیں ہے یہاں تو منہ نہ چھپاؤ — وہ بولی کہ بس بس نہ مجھے شرم دلاؤ

درباروں میں بازاروں میں تشہیر ہوئی ہوں
زینبؑ وہ کوئی اور ہے میں کنبہ موئی ہوں

سر کھُلنے سے عُریاں ہے دیکھو گی دکھاؤں — سو ٹکڑے گریباں ہے دیکھو گی دکھاؤں
ناداری کا ساماں ہے دیکھو گی دکھاؤں — بے وارثوں کی شان ہے دیکھو گی دکھاؤں

ہیں بازوؤں میں داغِ رسن دیکھنا کیا ہے
مجروح ہے دُرّوں سے تن دیکھنا کیا ہے

تھرّائے ہوئے ہاتھوں سے پردہ جو اٹھایا — سر پیٹ کے منہ خاک بسر اس کو دکھایا
چلائیں کہ تم سب سے جو منہ میں نے چھپایا — رخصت کے مجھے جس سے وہ بھائی نہیں آیا

سر پر مرے دامانِ حسینؑ اب نہیں لوگو!
وہ اور ہی زینبؑ تھیں میں زینب نہیں لوگو

اے ہاشمیو شوہرِ زینبؑ سے خبردار
کاٹیں نہ گلا ہاتھ سے سے کوئی تلوار

ابنِ حنیفہ سے بھی اسدم رہو ہوشیار
بے صاحب غیرت پسرِ حیدرِ کرار

بازو پہ نشاں رسّی کے دکھلاتی ہے زینبؑ
وہ اونٹ پر سر کھولے ہوئے آتی ہے زینبؑ

یہ نوحہ تھا جو حشر کا ساماں نظر آیا
یعنی شترِ زینبؑ نالاں نظر آیا

ماتھے پہ جما خونِ شہیداں نظر آیا
سر فاطمہؑ کی بیٹی کا عریاں نظر آیا

خوں بہتا تھا زخموں کی طرح دیدہ تر سے
آتی ہے صدا ہائے حسینا کی جگر سے

ابن حنفیہ کا ہوا دل تہ و بالا
خنجر وہیں حلقوم پہ رکھنے کو نکالا

پرسے نے انہیں دی قسم سید والا
عبداللہ جعفر کو فرشتوں نے سنبھالا

زینبؑ نے کہا قتل کرو مل کے مجھی کو
کھو آئی ہوں جنگل میں حسینؑ ابن علی کو

انبوہ جوانانِ وطن جب نظر آیا
دل بانوؑ کا اکبرؑ کے تصور میں بھر آیا

ٹکڑے ہوا دل یاد جو لختِ جگر آیا
بے ساختہ یہ حرف لبِ پاک پہ آیا

بیٹے کی جدائی میں مجھے صبر نہیں ہے
یثرب کے جوانو مرا اکبر بھی کہیں ہے

مرثیہ نمبر ۶۶

قافلہ کی مدینہ واپسی

جد کے روضہ پہ اسیرانِ ستم آتے ہیں — ہر طرف غل ہے کہ پابندِ الم آتے ہیں
فاقہ کش اہلِ عزا کشتۂ غم آتے ہیں — گھر لٹا کے شہِ بیکس کے حرم آتے ہیں
یوں سفر میں نہ عزیزوں سے چھٹے گا کوئی
یوں جہاں میں نہ لٹا ہے نہ لٹے گا کوئی

کوئی کہتی ہے کہ ہے ہے مرا پیارا نہ رہا — کوئی کہتی ہے مرا راج دلارا نہ رہا!
دل کی تسکین ضعیفی کا سہارا نہ رہا — ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا
کوئی کہتی ہے کہ سو طرح کے غم کھاؤنگی
اب میں اس شہر میں پیاروں کی کہلاؤنگی

وہاں مدینے میں کسی نے یہ خبر پہنچائی — روضۂ جد پہ اب آئے ہیں حسینؑ کے بھائی
کوئی چلایا بہت پاس سواری آئی — یہ سنتے ہی شاداں ہوئے سب شیدائی
سب نے خوش ہو کے کہا صاحبِ تطہیر پھرے
یا خدا شکر ترا حضرتِ شبیر پھرے

نوجوانوں کو یہ شادی تھی کہ اکبرؑ آئے
کوئی کہتا تھا کہ عباسؑ دلاور آئے
غل یہ لڑکوں میں ہوا دلبرِ جعفر آئے
بچے ہنس ہنس کے پکارے علی اصغرؑ آئے

شور تھا جانِ شہ بدر و حنین آتے ہیں
پیشوائی کو چلو آج حسینؑ آتے ہیں

یہ خبر شہر کے ہر گھر میں مشہور ہوئی
دخترِ شاہ بھی شاداں ہوئی مسرور ہوئی
ہجر کا داغ جدائی کی بلا دور ہوئی
تپ جو ہر وقت جلاتی تھی وہ کافور ہوئی

ہنس کے دادی سے کہا لو شہ والا آئے
سب مرض دور ہوئے میرے مسیحا آئے

شکر ہے جانِ علیؑ سبطِ پیمبرؐ آئے
لو سفر سے مرے بھیا علی اکبرؑ آئے
میرے عباسؑ چچا آپ کے دلبر آئے
میرے عاشق مرے پیارے علی اصغرؑ آئے

ننھے بھائی میرے شیدا ہیں یہ سب جانتے ہیں
دیکھوں اب بھی علی اصغرؑ مجھے پہچانتے ہیں

کوئی صغراؑ سے یہ بولی کہ نہ اب دیر لگاؤ
بی بی اب اٹھ کے ذرا گھر میں نیا فرش بچھاؤ
ہم بھی خدمت کیلئے آئے ہیں کچھ کام بتاؤ
آئیں دار دل سے کہو آبِ خنک جلدی لاؤ

تشنہ لب احمدِ مرسل کے نواسے ہونگے
دور سے دھوپ میں سب آئے ہیں پیاسے ہونگے

اس طرف فاطمہؑ کے گھر پہ خوشی ہے پیہم — اس طرف عابدؑ مضطر ہیں اسیرِ غم و ہم
دست بستہ وہ حضوری میں بشیرِ جذلم — آپ کا رُو کے یہ ارشاد کہ اے اہلِ ہمم

سب کے دل پر غمِ سرور کا اثر پہنچا دو
میرے آنے کی مدینے میں خبر پہنچا دو

اس خدا دوست نے جس وقت یہ ارشاد سنا — نوحہ گر خاک بسر مسجدِ احمدؐ میں گیا
دی صدا اہلِ مدینہ کو بصد آہ و بکا — تم جہاں رہتے ہو یہ شہر یہ انوار گیا

دشتِ غربت میں امامِ ازلی قتل ہوئے
خاک اُڑاؤ کہ حسینؑ ابنِ علیؑ قتل ہوئے

بن میں لٹ کر حرمِ شاہِ ہدیٰ آئے ہیں — قید سے چھوٹ کر اسیرانِ بلا آئے ہیں
سر پہ وارث جو نہیں محوِ بکا آئے ہیں — آل کو لے کے فقط زین العباؑ آئے ہیں

یادِ ماضی نے بہت دل کو جو تڑپایا ہے
شہر سے دور قیام اس لئے فرمایا ہے

غُل اُٹھا ہائے ہدایت کا یہ انجام ہوا — نذرِ شمشیرِ جفا ہادیٔ اسلام ہوا
ہر طرف شہر میں مظلوم کا غم عام ہوا — خانۂ فاطمہؑ صغراؑ میں تو کہرام ہوا

کہتی تھی کیا یہ خبر آہ زبانی آئی
ہائے بابا کے عوض گھر میں سنانی آئی

مجھ کو ماں بہنوں سے پھوپھیوں سے ملاؤ لوگو
بھیا عابدؑ کی مجھے شکل دکھاؤ لوگو
مجھ سے روٹھے ہیں ذرا چل کے مناؤ لوگو
میں بھی چلتی ہوں وہیں راہ بتاؤ لوگو

ہائے کس بات پہ بیمار سے منہ موڑ لیا
کچھ خطا مجھ سے ہوئی جس سے یہ گھر چھوڑ دیا

بیبیاں بولیں کہ تم گھر سے نہ جاؤ صغراؑ
اپنی دادی کے چلن کو نہ بھلاؤ صغراؑ
اپنے عمو حنفیہ کو بتاؤ صغراؑ
ہم فدا ٹھیک خبر ان سے منگاؤ صغراؑ

ناگہاں خود وہ سوئے عابدِ خوش ذات چلے
خاک اڑاتے ہوئے سب اہلِ حرم ساتھ چلے

دیر تک رو کے محمدؐ نے یہ عابدؑ سے کہا
فاطمہؑ پیٹ کے مر جائیگی اے زین العبا
ایک تو مرگ پدر دوسرے کنبہ سے جدا
یہی بہتر ہے کہ اب گھر کو چلو بہر خدا

سر جھکا کر یہ کہا بنت علیؑ سے کہیے
مجھ کو کیا عذر ہے پر آپ بھی کچھ سمجھئے

رو کے وہ بولیں کہ کس طرح گھر جاؤں میں
بھائی کو کھو کے عزیزوں سے نہ شرماؤں میں
اس پہ یہ قہر کہ لاشہ بھی نہ دفناؤں میں
گھر کے جو زینت تھے اب ان کو کہاں پاؤں میں

اب تو میں گھر کی طرف رخ نہ کروں گی بھیا
میں اسی دشت میں رو رو کے مروں گی بھیا

سن کے یہ دشت سے مغموم دل افگار چلے
خیمے اونٹوں پہ لدے شہ کے عزادار چلے
محملوں میں شہ مظلوم کے زوار چلے
سوئے روضہ حرم احمد مختار چلے
ہم وطن دل پہ شہیدوں کے الم لیکے چلے
آگے سجادؑ سیاہ ایک علم لیکے چلے

ناگہاں شور ہوا باپ کی شیدا آئی
محو ماتم وہ مریض شہ والا آئی
لو وہ روتی ہوئی ہم صورت زہرا آئی
بیبیو حشر ہوا فاطمہ صغرا آئی
پاس آکر وہ ماں سے نہ چچی سے لپٹی
دوڑ کر قبر پیمبر پہ پھوپھی سے لپٹی

رو کے زینب نے کہا ہائے لٹا گھر بی بی
ذبح مقتل میں ہوئے سبط پیمبر بی بی
مر گئے اکبر و عباس دلاور بی بی
تیر کھا کر ہوئے بسمل علی اصغر بی بی
قید خانے میں فلک نے یہ جفا کی صغرا
سیلیاں کھا کے سکینہ نے قضا کی صغرا

ناگہاں آکے یہ فضہ نے خبر دی آکر
بیبیو آتے ہیں اب بنت علی کے شوہر
یہ سخن سنتے ہی زینب نے کہا پیٹ کے سر
جلد آؤ مرے عونؑ و محمدؑ ہو کدھر
فرط غیرت سے عجب حال ہے میرا بچو
تم کو پوچھیں تو کہوں ان سے کہوں کیا بچو

اتنے میں شوہرِ زینبؑ بہ دلِ زار آئے
محوِ غم لختِ دلِ جعفرِؑ طیار آئے
شہ کی فرقت میں مغموم و دل افگار آئے
سر کو نہوڑھائے ہوئے جانبِ بیمار آئے

بڑھ کے شبیرؑ بھی نازوں کے پلے سے لپٹے
ہائے سجادؑ کہا اور گلے سے لپٹے

رو کے بولے گئے فرزند میں تم پر قربان
حیف مارے گئے غربت میں امامِ دو جہاں
رو کے عابدؑ نے کہا ہائے مرے عمو جان
آپ کا گھر بھی لٹا ہو گئے بچے قرباں
آہ بھر کر کہا غم اُن کا نہ کھاؤ بیٹا

میں فدا ان کے لئے دل نہ کڑھاؤ بیٹا

ان کے مرنے کی مری جان ضرورت کیا ہے
میں بھی قربان ہوں بچوں کی حقیقت کیا ہے
یہ تو بتلاؤ مگر تم کو اذیت کیا ہے
کس پہلو تمہیں راحت نہیں کلفت کیا ہے
غم تمہارا دلِ بیتاب کو تڑپاتا ہے
پشت پر ہاتھ ہر اک بار کیوں جاتا ہے

پشت دیکھی تو کہا ہائے یہ کیا اے سجادؑ
یہ مرض اور یہ صدمے یہ کیا اے سجادؑ
یہ تنِ زار یہ دُرّوں کی جفا اے سجادؑ
تم نے صبر کیا ہے بخدا اے سجادؑ
عرض کی اور بھی اک زخم عیاں ہے عمو
طوقِ آہن کا گلے میں بھی نشاں ہے عمو

اہلحرم کی مدینہ واپسی

تنہا شبِ فرقت میں بکا کرتی تھی صغرا　　دن آمدِ اکبر کے گنا کرتی تھی صغرا
جینے کی نہ صحت کی دعا کرتی تھی صغرا　　زہرا کی لحد سے یہ کہا کرتی تھی صغرا
بیمار کو بے کس کو مسیحا سے ملا دو
صدقے گئی دادی مجھے بابا سے ملا دو

بی بی میں تمہاری لحدِ پاک کے قرباں　　دادا کے لئے پوتی کی مشکل کرو آساں
پردیس میں بابا ہیں لبوں پر ہے مری جاں　　آ بیٹھو سرہانے مرے مرقد سے کوئی آں
لو تم تو بلائیں مری ہاتھوں کو بڑھا کر
میں رو دوں تمہیں دل کے دھڑکنے کو دکھا کر

وہ دن گئے جو راہ کے کرتے تھے نظارے　　اب آنکھ بھی کھل سکتی نہیں ضعف کے مارے
سوتی ہوں کوئی جب نام مرا لے کے پکارے　　تب کھول کے آنکھیں کروں دو ایک اشارے
سر بالش بستر سے مرا اٹھ نہیں سکتا
اب ہاتھ سے صغرا کے عصا اٹھ نہیں سکتا

اوّل تو میسّر ہی نہیں آتا ہے کھانا — اور خیر جو رزّاق مرا پہنچاتا ہے کھانا
تب ساتھ کا ماں باپ کے یاد آتا ہے کھانا — میں کھاتی نہیں کھانا مجھے کھاتا ہے کھانا
نفرت مجھے اب ہو گئی ہے آب و غذا سے
کیا جانے کہ کب پھر کے مرے بابا ہیں کربلا سے

اس طرح سے اب راوی صادق نے ہے لکھا — تشویش میں سب چاند محرم کا بھی گزرا
پردیسیوں کا نامہ و پیغام نہ پہنچا — اک لڑکی نے اک روز کہا آکے کہ صغراؑ
کیا روتی ہے دل شاد ہو بابا ترا آیا
اے فاطمہؑ بیمار مسیحا ترا آیا

صغرا نے سنا مژدہ جونہی یہ پدر آئے — لب کھل گئے شادی سے اور آنسو نکل آئے
سجدہ کیا بولی مرے ارمان بر آئے — پھر پوچھا کہاں تک شہِ جن و بشر آئے
ہے خیر رفیقانِ شہِ عرش نشیں کی
کچھ دھوم ہے آتی سواری شہِ دیں کی

کب ہوئیگا داخل یہاں فرزندِ ید اللہ — ہیں اکبرؑ و عباسؑ بھی ہمراہ شہنشاہ
وہ لڑکی لگی کہنے کہ اے بنتِ شہِ ذیجاہ — جو ساتھ سدھارے تھے وہ سب ہونگے ہمراہ
عرصہ نہیں اب کچھ بھی حسینؑ آتے ہیں صغراؑ
لینے کیلئے اہلِ وطن جاتے ہیں صغراؑ

کچھ اُن کے تصدق کے لئے جلد منگاؤ
تکیہ علی اصغر کے بھی جھولے میں لگاؤ
بابا کے قدم آتے ہیں آنکھوں کو بچھاؤ
پوشاک نئی پہنو یہ ملبوس بڑھاؤ

اب آمدِ فرزندِ رسولِ دوسرا ہے
بالوں سے جو گھر آج بہارو تو بجا ہے

اُمِ سلمہ سنتی ہوئی آئیں پھر اُس جا
بولیں کہ حسین آئے مبارک تمہیں صغرا
اب تو مرے کہنے کا یقیں تم کو پڑیگا
میں تم سے نہ کہتی تھی ہیں آتے شہ والا

جاں اپنی عبث تم نے یہاں ڈالی تھی غم میں
اب تم میں نہیں اٹھنے کی طاقت ہے نہ ہم میں

پھر بازوؤں کو تھام کے بیکس کو اٹھایا
اور مادرِ عباس کو بھی پاس بلایا
بیمار کو دروازے پہ لے جاکے بٹھایا
صغرا کو مدینہ میں تلاطم نظر آیا

دیکھا کہ ہجوم کوچوں میں سب چھوٹے بڑے ہیں
سب آمدِ شبیر کے مشتاق کھڑے ہیں

اک غول ہوا دور سے ناگاہ نمودار
تھی جس میں صدا ہائے حسینا کی ہر اک بار
اس غول کے حلقہ میں بشیرِ جگر افگار
یہ مرثیہ پڑھتا ہوا آتا ہے بہ تکرار

اے اہلِ وطن چین سے کیا بیٹھے ہو گھر میں
گھر لٹ گیا احمد کے نواسے کا سفر میں

اس حادثے کے سنتے ہی غش ہوگئی صغراؑ
اور مادرِ عباسؑ کا دل سینہ میں کانپا
امِ سلمہ بولیں کہ یہ قہر ہوا کیا
سب لوگ لگے ہاتھوں سے سر پیٹنے اپنا
حسرت سے کوئی پشت بہ دیوار کھڑا تھا
ہر کوچہ میں اک ایک بیہوش پڑا تھا

ظاہر تھے مدینے میں تو یہ حشر کے آثار
جو اونٹ ہوئے آلِ پیمبرؐ کے نمودار
غل پڑ گیا لو آئی ہے وہ عترتِ اطہار
وہ اونٹ پہ سجادؑ بھی سر ننگے ہیں اسوار
وہ زین ڈھلا گھوڑا ہے فرزندِ نبیؐ کا
دیکھو وہ علم آتا ہے عباسؑ علی کا

اک اونٹ عماری کا ہوا آہ نمودار
تھے جس کی مہار آپ لئے عابدِ بیمار
اُس وہ خلائق جو سوار ہوتا تھا ہر بار
سجادؑ حزیں کرتے تھے اک ایک سے گفتار
اس اونٹ سے مل کر نہ چلو بے ادبی ہے
یہ اشترِ بانوئے حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

ناگہ شتر بانوئے مغموم گیا تھم
سجادؑ کو محمل سے پکاری وہ بصد غم
اس بیٹھ کو سر کا ذکر رکتا ہے مرا دم
روضہ پہ محمدؐ کے مجھے لے چلو اس دم
کیا وجہ سواری مری اس جا جو کھڑی ہے
بولا کوئی صغراؑ یہاں بیہوش پڑی ہے

بانو نے کہا لوگو مرا اونٹ بٹھا دو　　بچھڑی ہوئی بیٹی کو گلے میرے لگا دو

دل ڈھونڈھ رہا ہے مرا صغرا کو دکھا دو　　عابد تمہیں پردہ مرے محمل کا اٹھا دو

میں سنتی ہوں آواز مجھے دیتی ہے صغراؑ

تم کہہ دو بلائیں تری ماں لیتی ہے صغراؑ

کچھ عورتیں روتی ہوئی واں آئیں کھلے سر　　اور واسطے پردے کے لگیں رکھنے چادر

دل بانو کا بھر آیا لگی کہنے یہ رو کر　　جس سے مرا پردہ تھا چلا اس پہ تو خنجر

بے وارثی ہوں بیوہ و مغموم حزیں ہوں

پردہ نہ کرو پردے کے قابل میں نہیں ہوں

زینبؑ کے اترنے کی بھی پھر آئی جو باری　　منہ اپنا سوئے کرب و بلا کر کے پکاری

اے بھائی کہاں ہو میں تمہارے گئی واری　　تم آکے اتارو تو بہن اترے تمہاری

ہو دور مگر صاحب اعجاز بڑے ہو

آؤ یہاں اور روکے چادر کو کھڑے ہو

زینبؑ کو صدا روحِ برادر کی یہ آئی　　خواہر ترے ہمراہ یہاں آیا ہے بھائی

موجود ہے جو روحِ شہِ کرب و بلائی　　تم شوق سے اترو اسد اللہ کی جائی

سب جانتے ہیں صاحبِ عصمت تو بڑی ہے

معلوم کی روکے ہوئے پردے کو کھڑی ہے

مرثیہ نمبر ۶۸

قافلہ کی مدینہ واپسی

جب آئے وطن میں چمن آرائے مصیبت — تھے خاک بسر آہوئے صحرائے مصیبت
گھر فاطمہ زہراؑ کا بنا جائے مصیبت — تھا شور کہ ہے جوش میں دریائے مصیبت
بولی کوئی کس جا شہِ ناشاد کو چھوڑا
اے قمریو کس باغ میں شمشاد کو چھوڑا

تم آئے جنابِ شہِ دلگیر نہ آئے — سیدانیوں کیا حضرتِ شبیرؑ نہ آئے
کیا قہر ہے وہ صاحبِ شمشیر نہ آئے — سلطان جہاں بخش جہانگیر نہ آئے
تم کون سی بستی میں لٹے قافلے والو
کس مصر میں یوسفؑ سے چھٹے قافلے والو

دل تھام کے زینبؑ نے کہا آہ نہ پوچھو — ٹھہرو ابھی حال تشنہ ذی جاہ نہ پوچھو
گھبرا کے یہ افسانہ جانکاہ نہ پوچھو — کس بن ہے شیر اسد اللہ نہ پوچھو
ہم آئے امامؑ ازلی رہ گئے لوگو
جنگل میں حسینؑ ابنِ علیؑ رہ گئے لوگو

کچھ بنتِ شہِ یثرب و بطحا سے نہ کہنا — اعدا کے ستم بیکس و تنہا سے نہ کہنا
بابا کا قلق عاشقِ و شیدا سے نہ کہنا — سب حال ابھی فاطمہ صغرا سے نہ کہنا
یارا نہ رہے گا دم الٹ جائے گا اس کا
صدمے سے کلیجہ ابھی پھٹ جائیگا اس کا

بیمار ہے مظلوم برادر کی نشانی — تھا یاد میں اس کی اسد اللہ کی جانی
بولے تہِ خنجر کبھی صغرا کبھی پانی — بھائی نے دیئے ہیں اسے پیغام زبانی
دیتی ہیں تسلی شہ صابر کی طرف سے
سینے سے لگاتا ہے مسافر کی طرف سے

پرسے کے لئے آنے لگیں بی بیاں ایک بار — ماتم کی صفیں لائیں کنیزانِ وفادار
صغرا سے یہ فرمانے لگیں زینبِ ناچار — بیٹی تم ادھر آؤ کہوں کچھ میں دل افگار
چارا نہیں اس میں جو مشیت ہے خدا کی
تم صاحبِ ماتم ہو غریب الغربا کی

کرتے ہیں کھڑی پوچھتی تھی اشک وہ ذیجاہ — بولی کہ پھوپی میں نہیں اس رسم سے آگاہ
اب سب کی بزرگ آپ ہیں بنتِ اسد اللہ — ہوں آپ عزادار کہا کھینچ کے اک آہ
فرمایا کہ لحد چھوڑ کے پچھتائی ہوں بیٹی
پرسا تمہیں دینے کو میں خود آئی ہوں بیٹی

دستور ہے یہ خلق میں اے بیکس و ناداں بابا کی عزاداری تھی میں پریشاں
جب اٹھ گئے جد صاحب ماتم ہوئیں اماں تھا بھائی کے ماتم کا نہ پردیس میں ساماں

بیووں کی خبر بھی کوئی لینے کو نہ آیا
صغرا ہمیں پرسا کوئی دینے کو نہ آیا

صف بچھتی ہے ماتم کی چلو جمع ہے سب گھر لو خاک ملو چہرے پہ اے بیکس و مضطر
لوگ آئے ہیں پرسے کیلئے گھر سے نکل کر مادر سے کہو شال عزا ڈال لیں سر پر

پروردۂ بیماں بھتیجی کہو صغرا
جب آئے کوئی ڈھانپ کے منہ رو یو صغرا

ہمسائیاں ہر سمت کھڑی ہو گئیں آکے گہنوں کو اتارے ہوئے سامان عزا کے
سر کھول دیئے رنج میں شاہ شہدا کے بال اڑتے ہوئے پریشان ہوئے جھونکوں سے ہوا کے

گہ اڑتی ہوئی کالی ردائیں نظر آئیں
چھائی ہوئی ماتم کی گھٹائیں نظر آئیں

چلائیں وہ زینب کا ابھی حکم جو پائیں آئیں وہیں آقا کے لئے خاک اڑائیں
فضہ نے جو پوچھا تو کہا شوق سے آئیں اک گھر ہے پردہ کا ابھی کچھ دھیان نہ لائیں

ہمدم کوئی غیر نفس سرد نہیں ہے
سب مر گئے اس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے

سجادؑ سے جا کر یہ جلوخانہ میں کہہ آ ماتم کا جو ہو شور نہ گھبرائیو اصلا
ناموسِ رئیسانِ عرب آئے ہیں بیٹا گھر میں نہ چلے آئیو جب تک نہ ہو پردا
پر فاطمہ کبرا تمہیں بلوائیں تو آنا
جو چھپتے ہوں بیٹا وہ سرک جائیں تو آنا

کوٹھے سے یہ کہتی ہوئی ہر اک اتر آئی اس وجہ سے پوچھا فقط اے حق کے فدائی
زندہ جو تھے ہم سب کے حضور آپ کے بھائی اس قصر کی حد تک زنِ غیر آنے نہ پائی
سمجھیں نہ حضور آپ کے پُرغم سے چھپیں گی
ہم لونڈیاں شہزادۂ عالم سے چھپیں گی

جس گھر سے رہا پردہ امت یہ وہ گھر ہے ہم چین میں تھے جس کی بدولت یہ وہ گھر ہے
حاصل ہوئی جس سے ہمیں عزت یہ وہ گھر ہے مردوں کو ہمارے ملے خلعت یہ وہ گھر ہے
صدمے ہمیں پہنچے نہ کبھی جن و پری کے
ہمسایہ میں رہتے تھے حسینؑ ابن علیؑ کے

سن کر یہ بیان بول اٹھی دخترِ حیدر تھا بھائی کے دم تک مکاں قصرِ سکندر
ہاں آنے کوئی تھے نہ روادار برادر عبرت کی جا ہے ان کے محل میں ہوں ستمگر
پردیس میں بے پردہ نکالا مجھے گھر سے
اماں کی ردا ظلم نے چھینی مرے سر سے

مرثیہ نمبر ۶۹

قافلہ کی مدینہ واپسی

وطن میں جب کہ اسیروں کا کارواں آیا
نبیؐ کے روضہ پہ سجاد ناتواں آیا
اُتر کے ناقہ سے با چشم خوں چکا آیا
حرم کے ساتھ یہ کرتا ہوا بیاں آیا

مدینے دلبرِ زہراؑ کا سر اتار لیا
ہمارے باپ کو فوج شقی نے مار لیا

ہمارے سامنے مارے گئے پھوپی کے پسر
ہمارے سامنے قاسمؑ نے کھائے تیغ و تبر
ہمارے سامنے بے جاں ہوئے علی اکبرؑ
ہمارے سامنے عباسؑ ہو گئے بے سر

ہمارا قافلہ بحرِ بلا میں ڈوب گیا
جہازِ آلِ نبیؐ کربلا میں ڈوب گیا

بٹھا کے ناقہ کو سجادؑ ناتواں اُترے
عصا کو تھام کے با چشم خونفشاں اترے
قریبِ مرقدِ سلطان انس و جاں اترے
اور اہلبیت یہ کہتے ہوئے فغاں اترے

ہوئی غریبوں پہ بیداد یا رسول اللہؐ
حسین مر گئے فریاد یا رسولؐ اللہ

ہوا جو روضہ میں داخل وہ قافلہ ناگاہ   گرے مزارِ مبارک پہ عابدِؑ ذی جاہ
اٹھا کے ہاتھ یہ فریاد کی بنالہ و آہ   تباہی آگئی ہم بیکسوں پہ یا جدّاہ

یتیم ہو کے یہ ناشاد کام آیا ہے
پدر کو کھو کے وطن میں غلام آیا ہے

گئی لحد پہ پھر اس طرح زینبِ محزون   کہ ایک ہاتھ میں شہ کا عمامہ پرخوں
اور ایک ہاتھ میں حضرت کا جامہ گلگوں   زباں پہ مرثیہ جس کا یہ جاں گزا مضمون

یزیدؔ نے ہمیں لوٹا دوہائی ہے نانا
بہن شہید کے مجرے کو آئی ہے نانا

حسین بھائی کو ہم کربلا میں چھوڑ آئے   علی کے لال کو دشت بلا میں چھوڑ آئے
یتیم فاطمہ کو نینوا میں چھوڑ آئے   تمہارے چاند کو خاک شفا میں چھوڑ آئے

یہ بعد قتل عجب تفرقہ یہ پڑا نانا
گلا بدن کہیں اور سر کہیں گڑا نانا

بپا تھا یاں تو ابھی ماتمِ شہ ابرار   کہ یہ قیامت کبریٰ بپا ہوئی ایکبار
سنبھالے فاطمہ صغرا کو عورتیں دو چار   منہ اپنا پیٹتی داخل ہوئیں بحالت زار

پکارتی تھیں شہ مشرقین کو مارا
یہ کیا غضب ہے کس نے حسینؑ کو مارا

سنی جو رانڈوں نے ماتم کے جوش میں صدا
یہ پچھاڑیں کھانے لگیں خاک پر یہ رو دیکا
ہوا یہ شور کہ ہے شہید تیغ جفا
تڑپ تڑپ کے پکاری یہ فاطمہ صغراؑ

دکھائی دیتا ہے سب گھر لٹا ہوا لوگو
ارے پدر مرا تم میں سے کیا ہوا لوگو

کہاں ہیں حضرت جو بھیا مرے علی اکبرؑ
کہاں ہے چھوٹا مسافر مرا علی اصغرؑ
کہاں ہیں عونؑ و محمدؑ پھوپی کے لخت جگر
بتاؤ قاسمؑ و عباسؑ نامور ہیں کدھر

قریب مرگ ہوں غم سے میں خستہ تن لوگو
کہاں ہے بالی سکینہؑ مری بہن لوگو

پکاری کوٹ کے چھاتی یہ بانوئے ناشاد
جگر خراش ہے بی بی حسین کی روداد
میں رانڈ ہو گئی زہرا کا گھر ہوا برباد
رہا نہ کنبے میں باقی کوئی بجز سجادؑ

عجب حادثہ ہم پر گذر گیا صغراؑ
پسر بھی مر گئے وارث بھی مر گیا صغراؑ

سنان کیں سے گئی جان میرے اکبرؑ کی
چھدی خدنگ سے ننھی سی گردن اصغرؑ کی
چلی گلے پہ شہ دیں کے دھار خنجر کی
صفائی ہو گئی اک دوپہر میں سب گھر کی

میں شہر شام تلک ننگے سر گئی صغراؑ
سکینہ قید میں گھٹ گھٹ کے مر گئی صغراؑ

مرثیہ نمبر

قافلہ کی مدینہ واپسی

ہے کربلائیوں کا مدینے میں داخلہ		آتا ہے بجز حسینؑ کے زینبؑ کا قافلہ
کس حسرت و قلق کا ہے ویسے مقابلہ		یثرب سے قرب گور غریباں کا فاصلہ
زینبؑ پکاری گھر میں صورت دکھاؤنگی
میں تو نبیؐ کی قبر پہ پرسے کو جاؤں گی

سب نے کہا قبول ہے اے بنتِ مرتضیٰ		قبر نبیؐ پہ قافلہ لوٹا ہوا چلا
زینبؑ نے بابِ روضہ پہ جا کر یہ دی صدا		اٹھو لحد سے سو چکے اے فخرِ انبیا
حضرت کے لختِ دل کے عزادار آئے ہیں
نانا ترے نواسے کے زوار آئے ہیں

لبیک کی صدا ہوئی تربت سے آشکار		داخل ہوئے رواقِ پیمبرؐ میں سوگوار
آتے ہی طوفِ قبر کیا سب نے ایکبار		زینبؑ بلائیں لے کے پکاری کہ میں نثار
معمول ہے کہ گھر میں مسافر جو آتا ہے
کچھ تحفہ خواہ مخواہ سفر سے وہ لاتا ہے

میں تحفہ مادرؔ سے بہت ساتھ لائی ہوں — پرخوں لباس سید خوش ذات لائی ہوں
بازو پہ نیل رسی کے ہیہات لائی ہوں — ناداریِ سفر سے یہ سوغات لائی ہوں

دور از وطن شہیدوں کی پوشاک پاک ہے
کچھ ابن بوتراب کی تربت کی خاک ہے

اک تحفہ تو شبیہ پیمبر کا داغ ہے — اک ہدیہ چھ مہینے کے اصغر کا داغ ہے
کیا کیا دکھاؤں تند رہبتر کا داغ ہے — سوغات سب سے عمدہ برادر کا داغ ہے

سر دو تن کو پیٹ کے اور رو کے آئی ہوں
دولت علیؑ کی مار یہ میں کھو کے آئی ہوں

زینب کے بعد بانوئے سلطان کربلا — اٹھی لحد کے گرد پھری باغم و بکا
لے کر بلائیں قبر کی اس طرح سے کہا — تسلیم اے حبیب خدا فخر انبیا

ہو کر سفر سے بیوہ میں ناشاد آئی ہوں

سوغات اک ننھے مسافر کی لائی ہوں
یہ کہہ کے خوں بھرا ہوا کرتا صغیر کا — تعویذ قبر پاک پہ پھیلا کے رکھ دیا
اک دفعہ مہر مادری نے جوش جو کیا — لے کر بلائیں کرتے کی بولی بصد بکا

گستاخیاں نہیں یہ مناسب غلام کو
اصغر سلام تو کرو خیر الانام کو

آنکھوں سے قبرِ پاکِ پیمبر لگا تو لو نھی سی انگلی بہرِ زیارت اٹھا تو لو
اِس صغیر سن میں دکھ جو سہے ہیں سنا تو لو نانا کو زخم تیرِ ستم کا دکھا تو لو

مرقد میں بھی نہ چین سے ہم سونے پائے ہیں
نانا تمہاری قبر پہ فریاد لائے ہیں

کچھ تحفہ نانا جان کو تو کربلا کا دو حرمؑ تو کوئی نذر میں خاکِ شفا کا دو
پرسہ چچا کا باپ کا سب اقربا کا دو پرخوں عمامہ اکبرِ گلگوں قبا کا دو

قیدِ ستم کے جور و ستم سہنے کو کہو
دربار میں پھوپی کے کھڑے رہنے کو کہو

نانا سے کہہ دوں کھری بلوے میں بے ردا کہہ دو کہ بازوئے دخترِ مشکل کشا بندھا
نانا سے کہہ دو شہ کو کفن بھی نہیں ملا کہہ دو کہ لاشہ باپ کا پامال ہو گیا

نانا سے کہہ دو بالی سکینہ بھی مر گئی
بابا کے سر پہ جان فدا اپنی کر گئی

کہہ دو کہ نیزہ کاری بڑے بھائی کے لگا تا پشت صدر اکبرِ گلگوں قبا چھدا
کہہ دو پھوپی کے بیٹے بھی حق پہ ہوئے فدا مقتولِ ظلم ہو گئے عباسِ باوفا

کہہ دو کہ بازو ٹوٹا امام غیور کا
ٹھنڈا ہوا علم لبِ دریا حضور کا

مرثیہ نمبر ۱۷

قافلہ کی مدینہ واپسی

جب زائرانِ شاہِ غریب الوطن پھرے
یعنی سوئے وطن حرمِ پنجتن پھرے
اِک دستِ تحفے کے نشانِ رسن پھرے
غل تھا کہ اہل بیتِ حسین و حسن پھرے
سترہ دو تن کو زیرِ زمیں سونپ آئے ہیں
کچھ صرے خاکِ پاک کے ہمراہ لائے ہیں

اسباب سب لٹا ہوا خیمہ جلا ہوا
اور زین ذوالجناح لہو سے بھرا ہوا
منہ پر غبارِ گنجِ شہیداں لگا ہوا
دامانِ ماتمی کفنی کا پھٹا ہوا
بچے بھی کوزے پانی کے ہاتھوں میں لیتے ہیں
پیتے نہیں ہیں فاتحہ اصغر کا دیتے ہیں

فاقہ وہی ہے پیاس ہی ہے دہی بکا
ان کو ہر ایک شہر و بیابان ہے کربلا
جب آنسو خشک ہو گئے کچھ پانی پی لیا
سو بھی اس لئے ہے کہ ہو قوتِ عزا
دنیا سے رزق اٹھ گیا غم کھانا رہ گیا
پانی گلے سے اترا تو آنکھوں سے بہہ گیا

ناگہ گزار قافلہ کا شہر میں ہوا — اور لشکرِ شبیر میں نقارہ بھی بجا
آوازِ تیز گامیِ اسپاں ہوئی بپا — ہمسائیوں کو فاطمہ صغراؑ نے دی صدا
لوگو سواری آتی ہے کس بادشاہ کی
سب نے کہا کہ سبطِ رسالت پناہ کی

یوں تندرست ہوگئی وہ سن کے یہ خبر — بیمار جیسے شاد ہو پرہیز توڑ کر
پھر تو ہر ایک سے یوں ہوئی گویا وہ خوش خبر — آئے حسینؑ سرد ہوئی آتشِ جگر
اب خوف ہے مرض کا نہ شوقِ علاج ہے
حاصل پدر کا شربتِ دیدار آج ہے

اتنے میں امِ ہانیہ اس دم فلک وقار — سر پر قصابہ پاؤں میں موزے بھی آشکار
اُمِ البنین کے ساتھ وہاں آئی ایکبار — صغراؑ سے پوچھا اب تو نہ ہوگا تمہیں بخار
غل ہے کہ زینبؑ آتی ہے شبیرؑ آتے ہیں
چلتی ہو تم بھی ہم تو انہیں لینے جاتے ہیں

وہ بولی پیشوائی کو موجود ہوں مگر — ہے قصد چھپ رہوں کسی گوشہ میں بیٹھ کر
اکبرؑ تلاش میں پھریں آواز دیں پدر — اصغرؑ بھی گھٹنیوں مجھے ڈھونڈھے اِدھر اُدھر
جب سب کہیں کہ مرگئی چھپتے ہی آپ سے
ہنستی ہوئی میں آکے لپٹ جاؤں باپ سے

ام البنین پکاری نہ وارثی یہ میری جاں
یہ روٹھنا غضب ہے کدھر ہیں گئے شہ زماں
القصہ سب کے ساتھ وہ خوش خوش ہوئی رواں
دیکھا کہ رہ گزر میں ہے انبوہ شیعیان

ہر سمت ازدحام عرب کا یہ حال ہے
پیک نگاہ کا بھی گزرنا محال ہے

ام البنین نے پا پا جو بلوہ میان راہ
صغرا کو لے کے گود میں ٹھٹکی بعز و جاہ
اور شہر میں شروع ہوئی آہ پہ آہ
سب لشکر شبیر کی پوشاک تھی سیاہ
برپا تھی ہر قدم پہ صدا شور و شین کی
غل وا ذبیحا کا تو ندا واحسین کی

اک مرتبہ سروں پہ پڑے مرد و زن کے ہاتھ
جانا سبھوں نے قتل ہوئے شاہ نیک ذات
صغرا نے پوچھا ادی یہ کیسی ہے واردات
یہ فوج تو گئی تھی نہ جیسے پدر کے ساتھ
ہے ہے مسافروں پہ مرے کیا گزر گئی
پوچھو تو ان سے فوج حسینی کدھر گئی

آخر نہ رہ سکی سوئے لشکر یہ دی ندا
تم کربلا میں تازہ ملازم ہوئے ہو کیا
اکبر کے باپ نام ہے تم لوگوں کا پر!
بارے کہو گروہ حسینی کہاں رہا
بتلاؤ مومنو میں ہوں پیاری حسین کی
اب کتنی دور ہو گی سواری حسین کی

سب نے کہا تو بنتِ امامِ غیور ہے — آنکھوں سے دیکھ پوچھنا اب کیا ضرور ہے
جو حادثہ ہے آج وہ تیرے حضور ہے — سب قافلہ قریب ہے سالار دور ہے

آگاہ اہلِ بیت ہیں حالِ امام سے
سیدانیوں کے ساتھ ہم آئے ہیں شام سے

ناگاہ آیا سیدوں کا غول ننگے سر — دامانِ سبز کرتوں کے تھے چاک سر بسر
آگے علم لئے ہوئے اک طفلِ بے پدر — ماتم کے نیل چاند سے سینہ پر جلوہ گر

مشکیزۂ سکینہ علم میں بندھا ہوا
اک تیر اس میں بہر گواہی لگا ہوا

زیرِ نشان پڑھتے تھے نوحہ ہر اک قدم — ماتم حسینؑ پیاسے کا کرتے تھے دمبدم
غم سے لرزنے لگتا تھا جب پنجۂ علم — بڑھتے تھے آگے صاحبِ ماتم بچشمِ نم

فارغ جو ماتمِ تشنہ دہاں سے ہوتے تھے
پھر کہہ کے ہائے حضرتِ عباسؑ روتے تھے

امُ البنین نے نام جو عباسؑ کا سنا — آنکھوں کے نور سینے سے دل ہو گیا جدا
صغرا کو امِ سلمہ کی آغوش میں دیا — بولو میں بڑھ کے پوچھوں تو یہ ماجرا ہے کیا

اغلب ہے آلِ سیدِ نبیؐ کی خبر ملے
کس سے تمیم آتے ہیں ماں ننگے سر کھلے

یہ کہہ کے چند گام بڑھی وہ بصد بکا
کاندھے پہ جس یتیم کے تھا وہ علم دھرا
حیرت سے اس غریب کا منہ دیکھا خوب سا
بینائی جا چکی تھی نہ پہچانا مطلقا
پوچھا کہ یہ نشاں تجھے کب عطا ہوا
اے حامل علم مرا عباسؑ کیا ہوا

تسلیم کر کے بولا وہ معصوم نیک ذات
دریا پہ شیر آپ کا سو گیا کٹا کے ہاتھ
اٹھا نہ تھا میں قبر سے ان کی لب فرات
دے کر علم سکینہؑ نے آئی ہے اپنے ساتھ
عباسؑ کا پسر ہوں بھتیجا امام کا
دادی غلام ہوں میں تمہارے غلام کا

یہ نوحہ تھا کہ عابدؑ عالی مقام آئے
غل پڑ گیا حسین علیہ السلام آئے
لو کربلائی آئے سفر سے امام آئے
وہ ناقوں پہ مجاورِ خیر الانام آئے
لو شیعو پیشوائی اہلِ حرم کرو
صغراؑ اٹھو زیارتِ شاہِ امم کرو

کیا دیکھتی ہے اٹھ کے وہ بیمارِ دل فگار
عابدؑ پدر کے گھوڑے پہ سر ننگے ہیں سوار
رومال رکھ کے آنکھوں پہ روتے ہیں زار زار
تھامے ہوئے رکاب ہیں دو شیعہ نامدار
بولی کہ صاف بے پدری کے نشان ہیں
بابا کہاں ہیں یہ تو مرے بھائی جان ہیں

مرثیہ نمبر ۲۷

قافلہ کی مدینہ واپسی

وطن میں داخلہ عترت حسینؑ ہے آج | بلند قبر پیمبرؐ سے شور و شین ہے آج
عزیزو پرسۂ غم سلطان مشرقین ہے آج | کہ رونا چشم خلائق پہ فرض عین ہے آج

جوانیٔ علیؑ اکبرؑ کے ذکر ہوتے ہیں
لپٹ لپٹ کے گلوں سے جوان روتے ہیں

لکھا ہے آمد آل عبا کا یوں احوال | درود پڑھ کے وطن کو چلا حسینؑ کا لال
قریب پہنچی مدینہ کے جب حسینؑ کی آل | کہا مدینہ سے زینبؑ نے بہ رنج و ملال

لٹا کے آئے ہیں زہراؑ کے ہم گھرانے کو
نہ کر قبول تو ہم بیکسوں کے آنے کو

مدینہ یاد تو ہو گا تجھے وہ جاہ و حشم | گئے تھے کیسے تجمل سے کربلا کو ہم
وہ خیمہ اور وہ شبیرؑ اور وہ فوج علم | اور اب سیاہ کفنی اور حسینؑ کا ماتم

پسند آمد ذریت رسولؐ نہ کر
مدینہ اے حضروں کو تو قبول نہ کر

مدینہ ہم ترے والی کو آتے ہیں کھو کر — مدینہ گردن شبیرؑ پہ چلا خنجر
مدینہ کوفہ میں سر ننگے ہم پھرے دردر — مدینہ داغِ رسن ہیں ہمارے بازو پہ
نہ راہ دے ہمیں زہراؑ کا نورِ عین نہیں
مدینہ اکبرؑ و قاسمؑ نہیں حسینؑ نہیں

ہلی زمین مدینہ کی اس گھڑی پیہم — کیا بشیر کو سجادؑ نے طلب اس دم
گلے میں شالِ عزا ڈال دی بہ درد و غم — اور اس کے ہاتھوں میں رد کر دیا سیاہ علم
کہا کہ جا نہیں گو اپنے منہ دکھانے کی
مگر وطن میں خبر کر دے میرے آنے کی

چلا بشیر یہ دیتا ہوا خبر ہر جا — مگر محلہ بنی ہاشمی میں کیا دیکھا
کہ اک مریضہ سرِ راہ ہے کھڑی تنہا — کہا بشیر نے کیا نام بولی وہ صغراؑ
وہ بولی راستہ میں تو شور و شین یہ ہے
کہا یہ حال مرا فرقتِ حسینؑ میں ہے

بشیر سمجھا یہ بنتِ حسینؑ ہے صغراؑ — خموش ہو گیا صغراؑ کے منہ پہ کچھ نہ کہا
پکاری فاطمہ گردن میں دیکھ شالِ عزا — تو بھائی لایا ہے کس کی سنانی مجھ کو بتا
وہ بولا قاصدِ بیمارِ کربلا ہوں میں
سنانی قبرِ پیمبر پہ لے چلا ہوں میں

وہ رو کے بولی کہ بھائی یہ کیا سناتا ہے　　وہ کون ہے جسے بیمار تو بتاتا ہے
سنائی کس کی ہے یہ مجھ کو ہول آتا ہے　　کہ مصطفےٰ کی لحد پر سنانے جاتا ہے

عمامہ پھینک کے اس نے کہا دہائی ہے
ترے حسینؑ کی صغرا سنائی آئی ہے

گری زمیں پہ صغرا کہ اس پہ چرخ گرا　　خبر یہ پھیلی تو ماتم ہر ایک گھر میں ہوا
نکل نکل پڑیں سب عورتیں برہنہ پا　　نبیؐ کی قبر پہ جا کر بشیر نے یہ کہا

سفر سے لٹ کے ادھر بہو کی بیٹیاں آئیں
اٹھو رسول تمہاری نواسیاں آئیں

بشیر کہتا ہے واللہ روضہ کانپ گیا　　لحد سے نعرہ ہوا واحسینؑ کا پیدا
ادھر کھڑی تھی جو بستر میں فاطمہ صغراؑ　　زنانِ ہاشمی نے آکے وال ہجوم کیا

ہلایا شانہ کہ سلطانِ مشرقین آئے
اٹھو حسین کی عاشق اٹھو حسین آئے

وہ آنکھیں کھول کے بولی کہاں ہیں بابا　　کہ آیا قافلۂ کربلا جو ننگے پا
بہن حسینؑ کی سر ننگے دیتی تھی یہ صدا　　حسینؑ جب سے موئے میں نے سر نہیں ڈھانپا

نہ مردہ اور نہ تابوت اخی کا لائی ہوں
مدینہ والو میں بھائی کو کھو کے آئی ہوں

مدینہ والو کہو اس بہن کی کیا تقدیر
جو دیکھے اپنے برادر کے حلق پر شمشیر
عزیزو اس کی سزا کیا ہے کچھ کرو تقریر
لہو میں غرق جو دیکھے حسینؑ کی تصویر

بتاؤ کہتے ہیں کیا سب اس اماں جائی کو
جو ار لعین تلک دے کفن نہ بھائی کو

مرے حضور تھا حلقِ حسینؑ پر خنجر
شہید ہو گیا ہمشکلِ مصطفےٰؐ اکبرؑ
کفن نہ دے سکی بھائی کو میں ہوں خواہر
مگر خدا کی قسم سر پہ بھی نہ تھی چادر

زمینِ گرم پہ بھائی کی لاش تنہا تھی
حسینؑ جانتے ہیں میں اسیرِ اعدا تھی

مدینہ لانے کا صغرا سے میرا تھا اقرار
کہا تھا اماں نے زینبؑ حسینؑ سے ہوشیار
یہ کوئی پوچھے تو صغراؑ سے میں تمہارے نثار
کہ تیرے باپ کو کھو آئی ہے یہ سینہ فگار

وطن میں آنے دیں زینبؑ کو یا نکلنے دیں
نبیؐ کی قبر پہ جانے دیں یا نہ جانے دیں

یہ ایک سمت سے پیدا ہوئی صدا ناگاہ
پدر نے چھوڑ دیا تم بھی چھوڑتی ہو آہ
پکاری وہ کہ صغراؑ کی ہے صدا واللہ
کہاں ہے میری پھپھی اخی کی نورِ نگاہ

ندا یہ آئی کہ اٹھتی ہوں اور گرتی ہوں
پھوپھی کدھر ہو تمہیں ڈھونڈتی میں پھرتی ہوں

مرثیہ نمبر ۳

قافلہ کی مدینہ واپسی

یثرب سے کربلا کے مسافر قریب ہیں — لٹ کر پھرے وطن کو عجب بے نصیب ہیں
کس حال میں حبیبِ خدا کے حبیب ہیں — بیکس ہیں سوگوار امامِ غریب ہیں
حضرت کے بعد چین کی شکلیں بگڑ گئیں
سیدانیاں غضب کی مصیبت میں پڑ گئیں

بس بیبیوں نے شہر سے باہر کیا قیام — اتریں امام زادیاں برپا ہوئے خیام
زینبؑ نے دیکھ کر سوئے مقتل کیا کلام — لو بھائی کربلا کا سفر اب ہوا تمام
سب فرطِ غم سے بیٹھ گئیں کانپ کانپ کے
رونے لگیں حسینؑ کو منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

اترے یہاں جو حضرتِ سجادؑ نامور — ناگہ میانِ شہرِ مدینہ اڑی خبر
آیا سفر سے حیدرِؑ کرار کا پسر — شادی سے ہوگئے تہ و بالا تمام گھر
بیتاب فرطِ شوق سے چھوٹے بڑے ہوئے
دوڑے جواں ضعیف جو تھے اٹھ کھڑے ہوئے

بیجو دہیں لوگ شوقِ امامؑ غیور سے
آنسو ٹپک رہے ہیں خوشی کے وفور سے
طاقت نہیں ہے ضبط کی جوشِ سرور سے
آواز ایک ایک کو دیتا ہے دور سے
کیسی خوشی ہوئی ہے امامؑ انامؑ آئے
تم نے سنا حسین علیہ السلام آئے

معمور ہے نمازیوں سے مسجدِ رسولؐ
باہم یہ گفتگو ہے دعا ہو گئی اب قبول
کہتا ہے کوئی رحمتِ حق کا ہوا نزول
آئے حسینؑ قلب کو فرحت ہوئی حصول
ہیں ہادی و امامِ سوم مشرقین کے
ہو گی نماز آج سے پیچھے حسینؑ کے

سب شہر میں عجیب تلاطم ہے جا بجا
صغراؑ کو فرطِ غم سے نہیں ہوشِ دست و پا
بیٹھی ہوئی ہے صحن میں اوڑھے ہوئے ردا
سینے میں دل دھڑکنے لگا جب چلی ہوا
کہتی ہے خلق سے اسی حسرت میں جائیے
کیوں دل کبھی ہمارے مسافر بھی آگئے

ناگاہ یہ صدا کسی عورت نے دی کہ لو
بچھواؤ فرش جھاڑ کے رکھے مکان کو
آئے حسینؑ آج تو واری بجال ہو
چادر کو منہ سے پھینک کے بولی کہ سچ کہو
تسکین دل کو ہو گئی آن آئی جان میں
تاثیر دے کریم تمہاری زبان میں

اٹھی یہ سن کے عاشقِ شاہنشہ امم — دیوڑھی میں جا کے بیٹھ گئی وہ اسیرِ غم
دیکھا کہ لوگ جاتے ہیں کہتے ہوئے بہم — عرصہ بہت ہوا ہے ذرا جلد اٹھیں قدم

ہوگا بڑا ملال جو ساعت یہ ٹل گئی
جانے سے فائدہ جو سواری نکل گئی

ہنستی ہوئی یہ سن کے پھری وہ اک بیقرار — اٹھ اٹھ کے چند بار گری تھی نحیف و زار
بے اختیار دوڑ کے چلائی ایک بار — لوٹاتی ہیں تو جاتی ہوں تم گھر سے ہوشیار

پہنچے سفر سے بادشاہ مشرقین آ گئے
تحقیق ہوگئی مرے بابا حسینؑ آ گئے

اصغر بہت صغیر تھا جب ہوگیا جدا — کیوں کر اب اس کو یاد رہے ہونگے ہم بھلا
چھوٹے بڑے بھی ایک زمانہ گذر گیا — نامِ خدا اب آگئی ہوگی سمجھ ذرا

خواہر کی سمت ہاتھ بڑھاتا ہے یا نہیں
دیکھیں ہماری گود میں آتا ہے یا نہیں

لاتی ہوں چل کے راہ میں ہونگے شہِ ہدا — ہمجولیوں کو ساتھ لیا اوڑھ لی ردا
اٹھیں خوشی میں زوجۂ پیغمبرِ خدا — ہمراہ ان کے مادرِ عباسِ باوفا

سب کس خوشی میں چھوڑ کے ہر ایک کام کو
لینے چلیں حسین علیہ السلام کو

طے کی امید و بیم کے عالم میں جب وہ راہ
پہونچیں قریب خیمۂ سلطانِ دین پناہ
دیکھا کہ پردۂ درِ محلسرا ہے سیاہ
مرجائے جس طرح سے کسی گھر کا بادشاہ

کانپے یہ دل رداؤں کے گوشے لٹک پڑے
دیوڑھی اداس دیکھ کے آنسو ٹپک پڑے

داخل حرم سرا میں ہوئیں بی بیاں اداس
دیکھی جو لونڈیوں کے گلے میں سیہ لباس
کی ایک نے بس ایک کے منھ پر نگاہ یاس
تسلیم کی سبھوں کو جو فضہ نے آکے پاس

کیوں خیر ہے کہا یہ کسی نیک نام نے
بولی وہ کربلا میں قضا کی امامؑ نے

سنتے ہی اس خبر کے لہو ہو گیا جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام لیا جھک گئی کمر
پوچھا کدھر ہے خواہر سلطانِ بحر و بر
فضہ نے بڑھ کے حضرت زینبؑ کو دی خبر

زوجہ رسولؐ پاک کی تشریف لائی ہیں
ام البنینؑ بھی آئی ہیں صغراؑ بھی آئی ہیں

ماتم کی صف کے پاس جو پہنچیں وہ نیک نام
رونے لگیں پکار کے سیدانیاں تمام
کلثومؑ بڑھ گئیں پئے تعظیم چند گام
اٹھیں ایک آہ کھینچ کے زینبؑ پئے سلام

گرنے لگیں تو بازو ئے فضہ پکڑ لیا
صغراؑ کو دیکھتے ہی کلیجہ پکڑ لیا

صغراؑ کے سر کو دیکھ کے روتی تھیں سب کی سب
بیمارے سے نام پدر رٹتی تھی جب
کہتی تھی مل کے ہاتھ غضب ہو گیا غضب
بیٹی بہت اداس ہے بابا بلا لو اب
رقت ہوئی نہ ضبط کنیزوں سے ہٹ گئیں
صغراؑ سے اٹھ کے حضرت زینبؑ لپٹ گئیں

بیمار کے درست ہوئے جب کچھ حواس
اشک آنکھوں میں بھرے ہوئے بیٹھی رہی اداس
ٹھہرا جو دل تو ماں سے کہا یہ کلام یاس
جھولے میں ہے کہ ہے علی اصغرؑ کسی کے پاس
بولی وہ بھر کے خونِ جگر چشمِ پاک میں
سوتا ہے کربلائے معلیٰ کی خاک میں

تھا بیکسوں میں ذکرِ شہیدانِ نینوا
رنڈسالہ پہنے زوجہ عباسؑ باوفا
بیٹھی ہوئی تھی سب سے جدا غم کی مبتلا
ام البنینؑ سے دل مضطر نہ تھم سکا
دیکھا بہو کو خون دل آنکھوں سے بہہ گیا
عباسؑ یاد آگیا دل ہل کے رہ گیا

در حال حضرت زینبؑ

رونقِ محفلِ تسلیم و رضا ہے زینب — زینتِ مسندِ اخلاص و ولا ہے زینبؑ

نورِ عینینِ شہِ عقدہ کشا ہے زینبؑ — معدنِ حسرت و اندوہ و بلا ہے زینبؑ

قرۃ العینِ علیؑ فاطمہؑ کی دختر ہیں

کیوں نہ مظلوم ہوں مظلوم کی یہ خواہر ہیں

خلق میں حضرتِ زینبؑ کا بڑا رتبہ ہے — مرتبہ خالقِ اکبر نے عجب بخشا ہے

نہ کوئی مثل ہے ان کا نہ کوئی ہمتا ہے — ثانیِ حضرتِ زہراؑ جو کہوں زیبا ہے

فاطمہؑ ہیں جو رسولِ عربیؐ کی بیٹی

یہ بھی تو فضلِ خدا سے ہیں وصیؑ کی بیٹی

خلق میں فاطمہ زہرا کے بڑے ہیں احساں — شک نہیں اس میں ہیں یہ محسنِ خاتونِ جناں

سب شرف ان کے ہیں مشہور عیاں را چہ بیاں — وہ محمد کی ہیں بیٹی یہ محمد کی ہیں ماں

بیٹے زہرا کے رہِ حق جو بیجان ہوئے

ان کے فرزند بھی شبیرؑ پہ قربان ہوئے

کیا شرف درگہِ خالق سے ہوئے ان کو عطا — جد رسولِؐ دو جہاں باپ امامِؑ دوسرا
ماں بھی وہ ماں کہ لقب ثانیِ مریمؑ جس کا — بھائی حسنینؑ سے امت پہ ہوئے جو کہ فدا
دم سے زہراؑ کے جو فردوس کی آبادی ہے
زینتِ خلدِ بریں یہ مری شہزادی ہے

روئیں خاتونِ قیامت تو پیمبرؐ کیلئے — یہ مگر روئیں ہیں اک ان میں بہتر کیلئے
کبھی اصغرؑ کیلئے اور کبھی اکبرؑ کیلئے — کبھی قاسمؑ کیلئے اور کبھی سرورؑ کیلئے
نکلا دم باپ کا خاتونِ زمن کے آگے
سر قلم یاں ہوا بھائی کا بہن کے آگے

صدمہ اک دُرّہ کا تھا بازوئے زہراؑ نے سہا — ہل گئی قبرِ نبیؐ ہوگیا محشر برپا
جائیں شیعوں کی ہوں زینبؑ کے تحمل پہ فدا — سیکڑوں ظلم اٹھانے پہ کیا شکرِ خدا
حرفِ شکوہ کا زباں پر بھی نہ لائیں زینبؑ
شام تک دُرّے ہی کھاتی ہوئی آئیں زینبؑ

گو کہ تھیں صابرہ دلبندِ رسولِؐ دوسرا — تھوڑی سی عمر میں کیا کیا نہ سہے ظلم و جفا
ابتدا ان سے ہوئی خاتمہ زینبؑ پہ ہوا — یہ ستم فاطمہؑ زہرا سے نہ اٹھتے حاشا
اونٹ پر آپ اس طرح سے دربدر پھریں
فاطمہؑ بلوے میں ہرگز نہ کھلے سر پھرتیں

گھر میں حیدر کے یہ دختر ہوئی جس دم پیدا
سن کے سلمان سے خبر آئے رسولِ دوسرا
اپنی آغوش میں حضرت نے نواسی کو لیا
پیار کرتے رہے تادیر اسے شاہِ ہدیٰ
پھر ہوئی شدتِ غم اشکوں سے منہ دھونے لگے
چوم کر شانے رسولِ دوسرا رونے لگے

حال یہ دیکھ کے گھبرا گئیں خاتونِ جناں
اور یہ کی عرض کہ ہو آپ پہ بیٹی قربان
کیجئے جلد خدا کے لئے یہ راز عیاں
آپ کیوں چوم کے شانوں کو ہیں مشغولِ فغاں
آپ کے رونے سے اوسان مرے جاتے ہیں
مجھ کو وسواس پہ وسواس چلے آتے ہیں

پونچھ کر اشکوں کو فرمانے لگے خیر البشر
جو کہ میں جانتا ہوں اس کی نہیں تم کو خبر
صدمہ یہ صدمہ اُٹھائے گی یہ تیری دختر
اس کے انجام پہ صد چاک ہے قلبِ مضطر
سوچ کر حال یہ آنکھوں سے رواں آنسو ہیں
جو کہ رسّی میں بندھیں گے یہ وہی بازو ہیں

کہہ نہیں سکتا ہوں جو جو یہ ستم دیکھے گی
دکھ پہ دکھ اور الم پر یہ الم دیکھے گی
علی اکبر کا نکلتے ہوئے دم دیکھے گی
سر شبیرؑ کو نیزے پہ یہ الم دیکھے گی
سب تماشہ کو ہجوم خلقِ خدا ہوئے گی
اور نہ سر پر تری دختر کے ردا ہوئے گی

ہوگا شبیرؑ پہ جب نرغۂ فوجِ کفار — رحم اک سر کے لئے ہونگے ہزاروں خونخوار
تیغیں کھینچے ہوئے سب قتل پہ ہونگے تیار — میرے شبیرؑ پہ بیٹوں کو کرے گی یہ نثار

اپنی دولت کو جو قربان کریگی زینبؑ
مجھ پہ اور تم پہ بھی احسان کریگی زینبؑ

کہہ یہ ہو گئے خاموش رسولِ اکبر — عرض کی فاطمہؑ نے پونچھ کے تب دیدۂ تر
پارۂ دل کی محبت پہ ہے صد چاکِ جگر — سب دکھ امت کیلئے مجھ کو گوارا ہے مگر

سینکڑوں ظلم ہزار اس پہ جفا ہو بابا
کچھ ہو پر آپ کی امت کا بھلا ہو بابا

ہے غم انگیز عجب زینبؑ دلگیر کا حال — زندگی بھر رہی وہ موردِ آفات و ملال
گذرا اک دن بھی راحت سے نہ کجا ماہ و سال — ہر مصیبت کی صعوبت کی ہے تفصیل محال

سوئیں تربت میں وہ منہ اشکوں سے دھوتے دھوتے
کٹ گئی عمر تمام آپ کی روتے روتے

سب سے پہلے وہ رسولِؐ دوسرا کو روئیں — بعد اس واقعہ کے خیر النساء کو روئیں
پھر صد افسوس شہ قلعہ کشا کو روئیں — بعد اس کے حسنِؑ سبز قبا کو روئیں

پھر تو رونے سے نہ فرصت ملی چشمِ تر کو
روئیں شبیرؑ کو شبیر کے سارے گھر کو

مرثیہ نمبر ۵

شہادت حضرت زینبؑ

جانکاہ ہے زینبؑ کی اسیری کا فسانہ — دربار یزید ستم ایجاد کا جانا
پھر چھوڑ کے اس خانۂ برباد میں آنا — گزرا تھا اسے بھی ابھی ایسا نہ زمانہ
کچھ کم نہ غم شاہ خوش اقبال ہوئے تھے
قتل شہ مظلوم کو دو سال ہوئے تھے

بدظن جو ہوا آہ یزید ستم ایجاد — کیا قہر ہے پھر قید ہوئے عابد ناشاد
پھر زیور آہن انہیں پہنا گئے جلاد — لاچار سوئے شام چلے سید سجادؑ
رنج شہ والا میں گرفتار تھیں زینبؑ
لکھا ہے کہ اس عہد میں بیمار تھیں زینبؑ

جس دم یہ خبر پا گئیں واحسرۃ و دردا — سجادؑ حزیں قید ہوئے جاتے ہیں تنہا
اس مرتبہ روئیں کہ نہ تھا زیست کا نقشہ — کہتی تھیں نہ چھوڑوں گی عابدؑ کو اکیلا
تیر غم و حسرت کا نشانہ ہوئیں زینبؑ
فضہؑ کو لیا ساتھ روانہ ہوئیں زینبؑ

رستے میں بھتیجے سے ملیں زینبؑ ناچار پہنچیں مع سجادؑ کسی دشت میں ایک بار
اس روز سے شب کو وہیں عابدِ بیمار منہ ڈھانپ کے روئیں جو ہوئے صبح کے آثار

عابدؑ سے کہا خواب میں آج آئے تھے بھائی
تشریف ہمیں دیکھنے کو لائے تھے بھائی

کہتے تھے چلو ساتھ ہمارے بہن آؤ آخر ہوئی اب مدت رنج و محن آؤ
ہم آئے ہیں لینے کو اسیر رسن آؤ اے خواہر مغموم و غریب الوطن آؤ

آج آؤ گی فردوس میں ہر غم سے چھٹو گی
ہم تم سے جدا ہوں گے نہ تم ہم سے چھٹو گی

ہے شوق ملاقات شہ صابر و شاکر اس گلشن ایجاد میں ہوں آج مسافر
اے قیدی دو بیمار خدا حافظ و ناصر فضہ نے کہا میری ہے یہ خدمت آخر

اس دشت میں الفت سے مجھے ایک شجر سے
خوشبو میں زیادہ ہے بہت وہ ہر گل تر سے

اس دشت میں تھے لائے جو سر سرور ٹھہرے تھے اسی نخل کے نزدیک ستمگر
رکھی تھی سنانِ سر شہ اس کے برابر شاخیں ہوئیں تھیں خون گل فاطمہؑ سے تر

جا دیکھو تو اس دشت میں وہ نخل کدھر ہے
اب اس سے بھی مل لوں کہ مجھے عزم سفر ہے

فضہ گئی صحرا میں نظر اس نے کی اک سو — دیکھا جو درخت اس نے تو جاری ہوئے آنسو
زینب کو دیا لے گئی وہ بیکس و خوشخو — اس نخل سے آئی گلِ فاطمہؑ کی بُو

جی یاد سرِ شاہ میں کھوتی رہی زینب
اس نخل سے لپٹی ہوئی روتی رہی زینبؑ

چلائی عجب درد سے ہے شہ ذی شاں — باغ ایک جو تھا متصلِ زینبؑ نالاں
تھا اس میں زبیر ابن نمیر ایک بد ایماں — کہتے ہیں وہی تھا چمن آرائے گلستاں

بدعت میں خلش میں وہ سوا خار سے نکلا
رونے کی صدا سن کے وہ گلزار سے نکلا

دستِ ستم ایجاد میں تھے آہنی اوزار — آگاہ ہوا بنتِ علیؑ سے جو ستمگار
وہ ظلم کیا اس نے کہ ہلا گنبدِ دوّار — صدمے سے جھکی خواہرِ شاہنشاہِ ابرار

تھرائے فلک آئیں جو تیورا کے زمیں پر
غل تھا کہ گریں فاطمہؑ غش کھا کے زمیں پر

بس بہرِ ملاقاتِ برادر گئیں زینبؑ — زیرِ شجرِ غم قضا کر گئیں زینبؑ
روتے رہے عابد سوئے کوثر گئیں زینبؑ — جنگل میں برادر کی طرح مر گئیں زینبؑ

فضہ نے کہا پیٹ کے فریاد خدا کی
لو احمدِ مرسل کی نواسی نے قضا کی

مرثیہ نمبر ۷۶

شہادتِ حضرتِ زینبؑ

جب زیبِ دہ منزلِ دنیا ہوئی زینب
گھر میں اسد اللہ کے پیدا ہوئی زینبؑ
اور دیکھ کے شبیرؑ کو شیدا ہوئی زینب
مشہورِ جہاں ثانیِ زہراؑ ہوئی زینبؑ

پُر نور مدینہ تھا رخِ خیر نساؑ سے
روشن دلِ زہراؑ ہوا زینب کی ضیا سے

پُر خامۂ قدرت سے جبیں پر تھا یہ تحریر
طفلی میں پیے خونِ دل اپنا عوضِ شیر
گھر میں تو ملے اوڑھنے کو چادرِ تطہیر
اور کوفے میں سر ننگے پھرے خواہرِ شبیرؑ

تقدیر تھی نازاں خطِ تقدیر کے اوپر
لال اس کے فدا ہوں گے شبیرؑ کے اوپر

طفلی ہی سے زینبؑ پہ مصیبت ہوئی کیا کیا
نانا کے لئے روئی کیا ماتمِ زہراؑ
اور محسنِ معصوم کے بھی لاشے کو دیکھا
یہ داغ نہ بھولی تھی کہ زخمی ہوا بابا

ٹکڑے جگرِ سیدِ مسموم کو دیکھا
پھر تیغ کے نیچے شہِ مظلوم کو دیکھا

اب رحلتِ زینبؑ کا ہے یوں واقعہ تحریر — سجادؑ کے ساتھ آئی وطن میں ہو وہ دلگیر
تھا خانۂ زہرا میں جہاں حجرۂ شبیرؑ — دن رات وہاں روتی تھی وہ شاہ کی ہمشیر

مرتا تھا جواں بیٹا وطن میں جو کسی کا
روتی تھی بیاں کر کے وہ ہمشکل نبیؐ کا

القصہ زینبؑ کو تھی سدا بھائی کی یاد — تھا دشمنِ عابدؑ جو یزیدِ ستم ایجاد
گذری یہ خبر اس کو کہ کیا بیٹھا ہے ناشاد — اجماع ہے شیعوں کا پئے یاری سجادؑ

وارث ہے وہ تیغِ کمرِ شیرِ خدا کا
اب تجھ سے عوض لے گا وہ خونِ شہدا کا

یہ سُن کے دیا حکم شقی نے سرِ بازار — عابدؑ کو گرفتار کریں جا کے کچھ اسوار
زنجیر بھی اور طوق بھی بھاری سا ہو تیار — لو اب وہ قصاصِ شہدا کا ہے طلبگار

کس بات پہ مغرور وہ ابنِ شہِ دیں ہے
کیا پہلی اسیری کا مزہ یاد نہیں ہے

القصہ مدینے کو روانہ ہوا لشکر — وارد جو مدینے میں ہوئی فوج بداختر
پھر ظالموں نے گھیر لیا خانۂ حیدرؑ — سجادؑ نکل آئے سراپردے سے باہر

پابوس ہوئی حلقۂ زنجیر دوبارہ
گردن میں پڑا طوق گلوگیر دوبارہ

اِک ہاتھ پکڑا تھا تو اک طوق گلوگیر
عابدؑ یہی کہتے تھے کہ کیا ہے مری تقصیر
وہ کہتے تھے یاں پوچھنے آئے نائب شبیرؑ
اب شام میں ہو جائیگی جو ہونی ہے تعزیر
عابد نے کہا خیر چلو ڈر مجھے کیا ہے
مظلوم کا فرزند تو راضی برضا ہے

جب منزلیں آفت کی وہ طے کیں سحر و شام
پہنچا وہ گرفتارِ بلا متصلِ شام
اک باغ میں شب باش ہوا عابدؑ ناکام
وہ رات تھی زینبؑ کے لئے موت کا پیغام
اللہ سے کہنے لگی ہاتھ اپنے اٹھا کر
کیا شام کے بلوے کو میں پھر دیکھونگی جا کر

اس رات کو زینب رہیں مشغولِ مناجات
ناگہ سحر کوچ نمایاں ہوئی ہیہات
سجاد نے زینبؑ سے یہ رو رو کے کہی بات
لو بھائی سے تم اپنے کرو آج ملاقات
کس درد سے کل آپ تھیں مشغولِ دعا میں
مقبول دعا ہو گئی درگاہِ خدا میں

زینبؑ نے کہا صدقے ترے منہ کے میں دکھیا
ہاں آج میں دیکھوں گی جمالِ شہ والا
کیونکر ہوا یہ راز مگر تم پہ ہویدا
عابد نے کہا خواب میں آئے مرے بابا
کہتے تھے بڑا غم ہے حسینؑ ابن علیؑ کو
کل روؤ گے پردیس میں تم اپنی پھوپی کو

زینبؑ نے کہا آیا یقیں اب مجھے بیٹا — پر موت کے آثار تو اب تک نہیں پیدا!
اب آگے یہ ہے مخبرِ اخیار نے لکھا — اس باغ میں بدخواہ تھا اِک آلِ نبی کا

تھا باغ میں پر خارِ گلستانِ جفا تھا
گلشن کی روش بیلچے سے کھود رہا تھا

حال اس نے سنا آمدِ زینب کا جو سارا — زینب کے قریب آیا وہ بے رحم فقارہ
اس ظلم کے کہنے کا زباں کو نہیں یارا — بس پشت پہ زینبؑ کے وہی بیلچہ مارا

زینبؑ نے کہا ہو گیا سامان قضا کا
مشکل مری آسان ہوئی شکر خدا کا

یہ کہتی تھی جو موت کی حالت ہوئی طاری — عابدؑ سے کہا لے چلو اک گوشے میں واری
قربان پھوپھی کرتے ہو کیوں نالہ و زاری — اک زخم مری پشت پہ ہے اور یہ کاری

رونے کی ہے جا حالِ شہنشاہِ زمن پر
تھے زخم کئی سو مرے بھائی کے بدن پر

اک گوشے میں عابدؑ انہیں لائے تو غش آیا — پانی وہ یتیم شہ دیں ڈھونڈ کے لایا
نبضوں کو جو دیکھا تو رواں انکو نہ پایا — زینبؑ نے یہ عابدؑ کو اشارے سے سنایا

پانی میں نہیں پینے کی گو تشنہ دہن ہوں
پیاسا مجھے مرنے دو میں پیاسے کی بہن ہوں

موجود ہوں حاضر ہوں میں قیدی ہوں تمہارا
لیکن مجھے بتلاؤ یہ تم جلد خدارا
زینبؑ کو تو اب قید کرو گے نہ دوبارا
موجود ہے وہ بھی نہیں کچھ زور ہمارا
گر کام نہیں اس سے تو کہہ دو یہ خوشی سے
مل آؤں میں ہمشیرِ حسینؑ ابن علیؑ سے

اعدا نے کہا جاؤ یہ جلد آئے تو باہر
عابد جو گئے پہنے ہوئے آہ یہ زیور
باقرؑ تو گرے ہائے پدر کہہ کے زمیں پر
زینبؑ نے لپٹ کر یہ کہا کیا ہوا دلبر
ناچار ہیں کچھ زور ہمارا نہیں پیارے
درّہ تو کسی نے تمہیں مارا نہیں پیارے

عابد نے کہا ہم کو ہیں سب ظلم مساوات
اب ہم ہیں یہ تنہائی ہے اور شام کے آفات
زہراؑ کی صدا آئی یہ دادی ہے ترے سات
زینبؑ نے کہا میں نہ کبھی مانگوں یہ بات
صدقے گئی جاتے ہو تو لو سات پھوپھی کو
منہ مجھکو دکھانا ہے حسینؑ ابن علیؑ کو

بے تابیٔ زینبؑ سے جو عابدؑ ہوئے ناچار
اک ناقے پہ محمل میں پھوپھی کو کیا اسوار
پھر آپ بھی اسوار ہوئے عابدِ بیمار
ہمراہ چلے ہو کے نگہبان ستمگار
ہر کوچے میں تھا حال عجب بنتِ علیؑ کا
آتا تھا سفر یاد اُسے سبطِ نبیؐ کا

مرثیہ نمبر ۲۲

شہادتِ حضرتِ زینبؑ

پیدا جو بنتِ حضرتِ خیر النساء ہوئی   غل تھا کہ خلق کنبہ کی صاحبِ عزا ہوئی
بیٹی پہ لاکھ جان سے زہرا فدا ہوئی   رخ سے نمود بیکسی، کربلا ہوئی
کہتا تھا دل تباہ ہوں میں ناسور ہونے کو
کہتی تھی آنکھ خلق ہوئی ہوں میں رونے کو

مظلومۂ ازل کے مصائب سنو تم اب   کنبہ میں روئے جس کی ولادت کے روز سب
بہتوں میں جس کا عاشقِ شبیر ہے لقب   بچپن ہی سے جہاں میں رہی موردِ تعب
دو سال شیرِ فاطمہ شام و سحر پیا
اور تیسرا برس تھا کہ خونِ جگر پیا

پہلے نبیؐ کے مرنے پہ آنکھ اس کی تر ہوئی   نانا کا سایہ سر سے اٹھا ننگے سر ہوئی
یہ حال تھا کہ ماں کے لئے نوحہ گر ہوئی   زہرا کا غم نہ بھولا تھا جو بے پدر ہوئی
ٹکڑے دلِ حسن کے میانِ لگن گئے
مقتل میں بھی حسین کے زخمِ بدن گئے

جابر تھا اِک مصاحبِ پیغمبرِ انام | اوّل جوار لعین کو ہوا زائرِ امام
اِک دخترِ رشیدہ تھی اس کی زکیہ نام | جابر کو اس کے عقد کی تھی آرزو تمام

ٹھہری جو بات کنبہ میں اس شک ماہ کی
جابر نے نامرادی کبرا پہ آہ کی

جابر کی زوجہ آئی نبی زادیوں کے ساتھ | دیکھا بدن میں بیبیوں کے ہے ماتمی لباس
شادی میں بیٹھنے کا کیا سب نے التماس | زینبؑ کے پاس آئی تو جاتے رہے حواس

شادی میں بیٹھنے کیلئے سب سے عرض کی
لیکن ادب کے مارے نہ زینبؑ سے عرض کی

زینبؑ نے خود وفورِ عنایت سے یہ کہا | بیٹی کا بیاہ تجھ کو مبارک کرے خدا
یہ گھر ہے قبر مردہ ہوں میں غم کی مبتلا | شادی سے اور بیاہ سے مرنے کو کام کیا

تھی جس کی زندگی وہ سدھارے جہان سے
شادی حسینؑ لے گئے اس خاندان سے

اکبرؑ جوان مر کے یہ رسمیں اٹھا گئے | بیٹے مرے جہان سے ناکتخدا گئے
مرنے کو بیاہ خلفِ مجتبیٰؑ گئے | دنیا سے نامراد تمام اقربا گئے

عیدیں ہمارے آگے زمانے سے اُٹھ گئیں
سب شادیاں علیؑ کے گھرانے سے اُٹھ گئیں

بیٹے ہیں کس جن کی دلہن بیاہ لاؤں گی | افسوس نہیں کہ جن کا میں دُودھ اب بڑھاؤنگی
ماتم کی صف بچھے اُٹھ کے میں شادی میں جاؤں گی | ہاں ماتمِ حسین بپا کر میں آؤں گی

بزمِ غمِ حسینؑ ہے اعلیٰ بہشت سے
میں گھر سے روتی آؤں گی زہراؑ بہشت سے

اکبرؑ کا تو تہ بیاہ ہو بیٹھوں میں بیاہ میں | اکبرؑ کا گھر تباہ ہو بیٹھوں میں بیاہ میں
زہراؑ تو دادخواہ ہو بیٹھوں میں بیاہ میں | جنت میں شور آہ ہو بیٹھوں میں بیاہ میں

جب تک میں بیٹھوں گی ماتم میں بھائی کے
جب تک ہے اُنکھ روؤنگی ماتم میں بھائی کے

گھر کو رواں وہ بیرِ وخیر انساء ہوئی | اور صدق دل سے بانیِ بزمِ عزا ہوئی
زینبؑ شریک مجلسِ شاہِ ہدا ہوئی | اس روز سے قریشیوں میں بنا ہوئی

شادی سے پہلے مجلس شبیرؑ ہوتی تھی
جا کر بہن حسین کی مجلس میں روتی تھی

ناگہہ سنا یزید نے یہ ماجرا تمام | گھر گھر بنا مدینہ میں ہے ماتم امام
سُن سُن کے ذکرِ واقعۂ کربلا و شام | طیش و غضب میں لال ہوا وہ سیاہ فام

پھر شیعوں کے کلیجے پہ خنجر رواں کیا
عابد کو قید کرنے کو لشکر رواں کیا

گھیرا سپاہِ شام نے پھر گھر حسینؑ کا
ٹھہرا گیا بہشت میں لشکر حسینؑ کا
نکلا اکیلا خیمہ سے دلبر حسینؑ کا
بدلی میں آ گیا مہِ انور حسینؑ کا

ہے ہے ہمائے اوجِ شرف صید ہو گیا
پوتا خدا کے شیر کا پھر قید ہو گیا

مختارِ کلؑ نے جبر کیا دل پہ اختیار
زنجیر و طوق پہنے ہوئے اونٹ پر سوار
ناگہہ پکاری فضہ کہ کُل کے تاجدار
دیکھو تو مڑ کے محشرِ تازہ ہے آشکار

زینبؑ کو صبر اور نہ زہراؑ کو کل پڑی
گھر سے پھوپھی مزار سے زہراؑ نکل پڑی

کیا دیکھتے ہیں مڑ کے امامِ فلک جناب
گر گر زمیں پہ لوٹتی ہے بنتِ بوتراب
زہراؑ کی یہ ندا ہے میں ہوں حاضرِ رکاب
پھر گھر مرا اجاڑتے ہیں خانماں خراب

عابدؑ پھوپھی سے اپنی اتر کر جو مل گئے
کوسوں مدینہ کے در و دیوار ہل گئے

زینبؑ سے ضبط ہو نہ سکا کھینچی اک آہ
عابدؑ کے گرد پھر کے پکاری وہ خیر خواہ
للہ ساتھ لو مجھے اے حجتِ الٰہ
یہ آخری سفر ہے ہمارا خدا گواہ

جی بھر کے دیکھ لوں تمہیں کوچ اور مقام میں
صدقے گئی اجل سے مری راہِ شام میں

اک ہودج سیاہ میں زینبؑ ہوئیں سوار — اور بیٹھے اپنے ناقہ پہ سجادِؑ دل فگار
پرسے سے منہ نکال کے بولے سب ایک بار — اللہ حافظ اے شہِ بیکس کی سوگوار

صغرا پکاری وعدہ کرو جلد آؤں گی
رو کر کہا حسینؑ کی خدمت میں جاؤں گی

اب سالکانِ راہِ رضا کا ہے یہ بیاں — پہنچے جو نصف راہ میں سجادِؑ ناتواں
اک باغ میں مقیم ہوا مالکِ جناں — شدّاد عہد باغ میں تھا اِک باغباں

باغی کے دل میں آلِ پیمبرؐ سے خار تھا
مٹھی میں اس کی بیلچہ آبدار تھا

اٹھی نمازِ شب کو جو زہراؑ کی یادگار — اور سجدے میں شروع کیا ذکرِ کردگار
اس وقت باغباں نے کیا بیلچے کا وار — صدمے سے اس جفا کے ہلا عرش تین بار

اب کیا لکھوں گزرتی تھی جو کچھ گزر گئی
اس بیلچے کے زخم سے سیدانی مر گئی

طے منزلِ حیات کو سجدے میں کر گئیں — اللہ و اکبر اٹھ کے کہا اور مر گئیں
عابدؑ پکارتے تھے پھوپھی تم کدھر گئیں — غربت میں ہم کو چھوڑ کے تنہا گذر گئیں،

یثرب سے زخمِ بیلچہ کھانے کو آئی تھیں
خادم کے ساتھ خلد میں جانے کو آئی تھیں

مرثیہ نمبر ۷۸

شہادتِ حضرتِ زینبؑ

سجاد جب دوبارہ اسیرِ جفا ہوئے — زنجیر اور طوق میں پھر مبتلا ہوئے
روحِ رسولِ پاک کو صدمے سوا ہوئے — درد و الم بتول کو لا انتہا ہوئے
غل تھا کہ پھر مدینہ کی بستی اجڑتی ہے
گردن میں طوق پاؤں میں زنجیر پڑتی ہے

لکھا ہے جن دنوں یہ ظلم ہوا آشکار — گھر میں بہت علیل تھیں زینب جگر فگار
پہنچی خبر جو قید کی عابد کے ایکبار — اٹھیں عصا کو تھام کے با چشم اشکبار
اعضائے جسم پاک بہم کانپنے لگے
آئیں جو در تلک تو قدم کانپنے لگے

رونے پھوپھی کو دیکھ کر عابد بحالِ زار — اتنے میں حکم پا کے چلی فوجِ نابکار
آگے تو قید جاتے تھے سجادِ نامدار — تھا ان کے پیچھے ناقۂ زینب جگر فگار
اٹھا تھا دل میں درد قدم تھرتھراتے تھے
محمل کو دیکھ دیکھ کے آنسو بہاتے تھے

جب سب اسی طرح سے ہوئیں منزلیں تمام　　صحرا ملا تب ایک قریب دیارِ شام
دن چھپ گیا نمود ہوئی شامِ تیرہ فام　　اس دن رئیسِ شام نے سب سے کیے کلام

اترو یہیں کہ راحتِ آب و طعام ہو
بہتر یہ ہے کہ شب کو اسی جا مقام ہو

یہ بات سن کے تھم گئی سب فوجِ نابکار　　کمریں کھلیں اتر پڑے گھوڑوں سے سب سوار
بستر لگے بپا ہوئے خیمے پھر ایک بار　　غل چار سو ہوا کہ اسیروں سے ہوشیار

ان کی طرف سے خوف رکھیں بے سبب نہیں
شبخوں گرے اگر تو کچھ اس کا عجب نہیں

القصہ جس گھڑی کہ نمایاں ہوئی سحر　　لشکر ہوا یزید کا آمادۂ سفر
اٹھیں وضو کو خواہرِ سلطانِ بحر و بر　　فضہ نے جا نماز بچھائی بچشمِ تر

اک دم ملول سوا ہوتی جاتی تھیں
زینب نماز پڑھتی تھیں اور روتی جاتی تھیں

فارغ ہوئیں دعا سے جو زینب بچشمِ تر　　فضہ کو تب بلا کے یہ بولی وہ نوحہ گر
یاں سے بہت قریب ہے سنتی ہوں وہ شجر　　خولی نے جس درخت میں باندھا تھا شہ کا سر

لے چل وہاں پہ فاطمہ زہرا کی جائی کو
روؤں گی اس درخت کے نیچے میں بھائی کو

اٹھ کر قریبِ خنجر کے جو پہنچیں کشاں کشاں
بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
آیا نظر جو خونِ شہنشاہ ناگہاں
لپٹیں خنجر سے خواہرِ سلطانِ انس و جاں
چلاتی تھیں کہ جانِ حزیں نکلی جاتی ہے
بھیا تمہارے خون کی بو مجھکو آتی ہے

روئیں بیان کر کے جو زینب بحالِ زار
مابینِ دشت ہائے حسینا کی تھی پکار
اک لاغ تھا وہاں کہ ہر اک گل تھا جس کا خار
تھا مہتمم وہاں کا تمیم ستم شعار
ظلمت عیاں تھی کفر کی اس بدخصال سے
رکھتا تھا بغض دل میں محمد کی آل سے

پوچھا اس نے آ کے قریبِ سپاہِ شر
عورت یہ کون سی ہے جو روتی اس قدر
بولا کوئی شقی کہ تجھے کیا نہیں خبر
زینب یہی ہے عاشقِ سلطانِ بحر و بر
مدت سے سوگوارِ شہِ تشنہ کام ہے
یہ خواہرِ حسین علیہ السلام ہے

سنتا تھا یہ کہ غیض میں آیا وہ بد زباں
پہنچا قریب دخترِ خاتونِ انس و جاں
تھا آہنی جو ہاتھ میں اک بیلچہ گراں
مارا شقی نے فرق پہ زینب کے ناگہاں
غش آ گیا زمین پہ تھرا کے گر پڑیں
سر پہ لگی وہ ضرب کہ تیورا کے گر پڑیں

ہلکے مرض میں جب قیامت ہوئی بپا ہلے سے سرد ہو گئے زینبؑ کے دست و پا
صحرا میں جن و انس کے رونے کی تھی صدا پہنچیں ارم میں خواہرِ سلطانِ کربلا
آنے لگی بکا کی صدا آسمان سے
غل پڑ گیا کہ اٹھ گئیں زینبؑ جہان سے

دوڑی یہ حال دیکھ کے فضہ بصد الم دیکھا کہ جسمِ پاک میں باقی نہیں ہے دم
دوڑی وہاں سے پیٹتی سر وہ اسیرِ غم عابدؑ کے پاس آ کے پکاری بچشمِ نم
جنت میں سوگوارِ شہِ بحر و بر گئیں
جلد آئیے کہ زینبِ دلگیر مر گئیں

اے سر گروہِ آلِ عبا وامصیبتا سر پر اڑاؤ خاکِ عزا وامصیبتا
تازہ ستم یہ اور ہوا وامصیبتا زینبؑ نے کی جہاں سے قضا وامصیبتا
سامانِ غسلِ زینبؑ دلگیر کیجئے
جلدی پھوپھی کے دفن کی تدبیر کیجئے

عابد یہ سن کے لاش پہ پہنچے بچشمِ نم چہرے کو دیکھ دیکھ کے روئے بصد الم
رو رو کے غسل دینے لگے سرورِ امم دیکھے نشاں رسن کے جو بازو پہ ہے ستم
بولے نشانیِ سپہ نابکار ہے
بعد فنا بھی داغِ رسن آشکار ہے

مرثیہ نمبر ۹

شہادتِ حضرتِ زینبؑ

صد شکر کہ مداح ہوں میں آلِ نبیؐ کا
بھولے سے بھی واصف نہ ہوا اور کسی کا
قائل ہوں جو شبیرؑ کی عالی نسبی کا
دم بھرتا ہوں میں عشقِ حسین ابن علیؑ کا
رکھتا نہیں کچھ کام کسی اہلِ جہاں سے
میں آلِ محمدؐ پہ فدا ہوں دل و جاں سے

قاصر صفتِ حضرتِ زینبؑ میں زباں ہے
جو ان کی بزرگی و شرف ہے وہ عیاں ہے
ہے باپ یداللہ سا اور فاطمہؑ ماں ہے
کیا رتبہ و توقیر ہے کیا شوکت و شاں ہے
حقا کہ یہی فخرِ عرب فخرِ عجم ہیں
ہمشیر ہیں سبطینؑ کی یہ مرتبے کم ہیں

قسمت میں جو لکھے ہوئے تھے صدمہ و آزار
کمسن تھیں جو پہلے ہوئیں ناناؐ کی عزادار
پھر ماں کی مصیبت میں رہیں آپ گرفتار
ہر وقت تھا بس گریہ و زاری سے سروکار
مادر کے غم و رنج میں آہیں تھیں جگر سے
پھر باپ کا سایہ بھی اٹھا آپ کے سر سے

جب حضرت شبرؑ نے بھی کی خلق سے رحلت ‏ صد پارہ جگر تھا یہ سہا صدمۂ فرقت
اِک آن بھی حاصل نہ ہوئی غم سے فراغت ‏ اعدا کے ستم سے کبھی پائی نہیں راحت

مانوس جو تھیں جان کو کھوتی رہیں زینبؑ
شبرؑ کے غم و رنج میں روتی رہیں زینبؑ

شبیرؑ کو اعدا نے وطن سے جو نکالا ‏ سب اہلِ حرم ساتھ تھے جز فاطمہ صغراؑ
گھر چھوڑ کے شبیرؑ ہوئے راہی کعبہ ‏ واں بھی نہ اماں پائی تو نکلے شہ والا

آرام نہ حاصل ہوا جنگل میں پہنچ کر
آخر کو لیا دم بھی تو مقتل میں پہنچ کر

عاشور کو جب قتل ہوئے سیّد ابرار ‏ لوٹے گئے سارے حرم احمد مختار
پیاروں کی نہ فرقت میں قرار آتا تھا زنہار ‏ اِک سال رہے شام کے زنداں میں گرفتار

سہہ سکتے تھے ایذا جو نہ اُس قید جفا کی
اک بچی نے بھی شام کے زنداں میں قضا کی

اب آگے ہے اسطرح رقم حالتِ زینبؑ ‏ کٹتا تھا نہ راحت سے کوئی دن نہ کوئی شب
جب لُٹ کے مدینہ میں گئے اہلِ حرم سب ‏ فرماتی تھیں ہو عذر نہیں ہوں تو بے نسب

مجبور ہوں اب دل سنبھالا نہیں جاتا
ویران یہ گھر آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا

لکھا ہے جو پھر قید ہوئے عابدِ بیمار — گھبرا گئیں سن کے یہ خبر زینبؑ ناچار
کرنے لگیں فریاد کہ اے خالقِ غفار — باز آتے نہیں جور سے اب تک ستمگار
سجاد کو پھر شامیوں نے گھیر لیا ہے
ثابت نہ ہوا کچھ بھی کہ کیا اس کی خطا ہے

آوازِ بکا زینبِ مغموم کی سن کر — اعدا سے یہ فرمانے لگے عابدِ بے پر
رونے سے پھوپھی کے ہوا ٹکڑے دلِ مضطر — مل آتا ہوں ناموسِ نبی سے مہلت دو جو دم بھر
ہاتھوں سے تمہارے نہ اماں پائے گا قیدی
پہنے ہوئے زنجیر کہاں جائے گا قیدی

یہ کہہ کے حرم میں گیا رخصت کو وہ بیمار — زینبؑ سے کہا قید ہوا پھر یہ دلِ افگار
کرتا ہے طلب شام میں پھر حاکمِ غدار — رو رو کے یہ فرمانے لگیں زینبِؑ غمخوار
تنہا تمہیں اے نورِ نظر جانے نہ دوں گی
بے آپ کے اس گھر میں کبھی میں نہ رہوں گی

روتی ہوئی اسوار ہوئی زینبِؑ غمگین — سب منزلیں طے کر کے قریں شام کے پہنچیں
جس دشت میں فوج آ کے رکی آپ بھی ٹھہریں — بیمار ہوئیں رنج سے ہمشیرۂ دیں
صدمہ ہوا منہ اشکوں سے دھونے لگی فضہ
مظلومیِ معصومہ پہ رونے لگی فضہ

ہوش آیا جو زینب کو تو فرمایا کہ فضا | اک نخل میں سر بھائی کا لٹکا تھا ابھی جا
تو جا کے پتہ اس کا ذرا جلد لگا آ | میں نے ہے ابھی خواب میں شبیر کو دیکھا

چہرہ ہے کچھ اترا ہوا مغموم سوا ہیں
بشرے سے ہویدا تھا کہ خواہر سے خفا ہیں

فضہ گئی اور آئی سراسیمہ و مضطر | کی عرض کہ دیکھ آئی میں اے خاصۂ داور
روتی ہوئی خیمہ سے چلیں زینب لیے پر | پہنچی جو قریب شجرِ تغر وہ مضطر

کی آہ و بکا ایسی کہ غش کر گئیں زینبؑ
فضہ کو یقیں اس کا ہوا مر گئیں زینبؑ

بستان میں پہنچا تھا آب ایک جو گمراہ | تھا نام ہمیم اس کا وہ تھا دشمن اللہ
لیکے بیلچہ تھا دست نجس میں بد خواہ | مارا سرِ اقدس پہ تو غش آنے لگا آہ

اٹھا نہ گیا زینبِ غمناک سے ہے ہے
جاری ہوا خوں زخم سر پاک سے ہے ہے

اس طرح سے راوی نے روایت میں ہے لکھا | اس ضرب سے معصومہ کا دم ہونٹوں پہ آیا
پڑھ کر کلمہ مر گئی وہ ثانی زہرا | تب سینہ و سر پیٹ کے رونے لگی فضا

جا کر کہا عابدؑ سے قضا کر گئیں زینبؑ
جلد آئیے قربان گئی مر گئیں زینبؑ

سن کے یہ خبر آئے وہیں عابدؑ ذیشاں آیا نظر افسوس قیامت کا یہ ساماں
ملبوس ہے سب خون سے ہر اک میں غلطاں سر ہاتھ سے تھامے ہوئے ہیں تن میں نہیں جاں

فرمایا کہ بے چین تھیں یادِ شہ دیں میں
بابا سے پھوپھی جا کے ملیں خلدِ بریں میں

برپا ہوئی آفاق میں اک تازہ قیامت سنتے ہو محبو ہوئی زینب کی شہادت
دنیا سے ہوئی خواہرِ شبیرؑ کی رحلت آفت پہ تو آفت ہے مصیبت پہ مصیبت

خالق کبھی یہ رنج نہ دکھلائے کسی کو
سجادؑ نے کفنا کے کیا دفن پھوپھی کو

کہتے تھے بکا کر کے یہ سجادِ دل افگار تنہا رہا اس دشت میں میں بیکس و ناچار
ہے سارا جہاں میری نگہ میں سیہ و تار پردیس میں اب کیا کروں میں بیکس و ناچار

منہ مجھ جگر افگار سے موڑا پھوپھی اماں
تنہا مجھے اس دشت میں چھوڑا پھوپھی اماں

مرثیہ نمبر ۸۰

شہادتِ حضرت امام زین العابدینؑ

مومنو احمدِ مرسل پہ نبوت ہے ختم — نام پر شیرِ الٰہی کے شجاعت ہے ختم
حلم شبرؑ پہ تو زہراؑ پہ مصیبت ہے ختم — حضرتِ شاہِ شہیداں پہ شہادت ہے ختم
قطعِ پوشاکِ تحمل قدِ سجادؑ پہ ہے
خاتمہ صبر کا شبیرؑ کی اولاد پہ ہے

قبلۂ زمرۂ تسلیم و رضا ہے سجادؑ — کعبۂ صاحبِ اندوہ و بکا ہے سجادؑ
آفاتِ فلکِ رنج و بلا ہے سجادؑ — شمعِ دل سوختۂ بزمِ عزا ہے سجادؑ
بعد شبیرؑ کے یہ عاشقِ قیوم ہوئے
باپ مظلوم تھا سجادؑ بھی مظلوم ہوئے

رویا چالیس برس باپ کے ماتم میں امام — بار ہا اشک سے ہو جاتا تھا مخلوط طعام
پانی جس وقت پیا رو کے لیا باپ کا نام — ایک دن خادمِ مولا نے کیا رو کے کلام
نہ تو سوتے ہو نہ کھاتے ہو نہ کچھ پیتے ہو
یہ بھی اعجازِ امامت ہے کہ تم جیتے ہو

الغرض بعدِ پدر تھا انہیں رونے سے کام — حشمت و دولتِ دنیا سے نہ واقف تھا امام

خدمتِ پاک میں آتے تھے مگر شیعہ تمام — مطلع جب کہ ہوا آہ یزیدؔ ابنِ حرام

بھیجے کچھ لوگ کہ عابد کو پکڑ کر لاؤ

زندہ گر آ نہ سکے کاٹ کر تم سر لاؤ

الغرض داخلِ یثرب جو ہوئی فوجِ یزید — درِ عابد کے ہوئے جمع وہ ملعون و پلید

آیا دروازے پہ جس دم پسرِ شاہِ شہید — کچھ نہ پوچھا نہ سنا کرنے لگے ظلمِ شدید

پھر دوبارہ اسے محبوس کیا آہن میں

بیڑیاں پاؤں میں اور طوق پڑا گردن میں

فوجِ اعدا سے رضا لے کے شہِ عرش سریر — گھر میں اپنے گئے پہنے ہوئے طوق و زنجیر

دیکھا زینبؑ نے دوبارہ جو بھتیجے کو اسیر — رو کے چلائی کہاں ہو گئے بھائی شبیرؑ

بولے سجادؑ کہ اب رہنے نہیں پاتے ہیں

رخصت اے اہلِ حرم شام کو ہم جاتے ہیں

کہا زینبؑ نے کہ کہتے ہو یہ حق میں کیا — میں تو گھر میں نہ رہوں گی نہ رہوں گی تنہا

واری تم ملک میں دشمن کے جاؤ تنہا — اپنے بابا کی طرح ساتھ لو مجھ کو بیٹا

قید کرنے کو تمہیں لشکرِ شام آ پہنچا

آج زینبؑ کی قضا کا یہ پیام آ پہنچا

سخن زینبؑ بیکس سے ہوا حشر بپا — گھر سے روتا ہوا نکلا پسر شیر خدا
چشم حسرت سے سوئے مرقد احمدؐ دیکھا — دشمنوں سے کہا تم دو مجھے اب اتنی رضا

پھر طواف لحد ختم رسالت کر لوں
طوق پہنے ہوئے نانا کی زیارت کر لوں

کہہ یہ قبر محمدؐ پہ گئے زار و نزار — اور کئی بار ہوئے مرقد اطہر پہ نثار
عرض رو رو کے یہ کی اے نبیؐ عرش وقار — آج سجاد سے پھر چھٹتا ہے حضرت کا مزار

سفر شام کا پھر ہم کو پیام آیا ہے
طوق و زنجیر پہن کر یہ غلام آیا ہے

میں ابھی پہلی اسیری کا نہ دکھ بھولا تھا — اب تلک بازوؤں میں نیل رسن کا ہے پڑا
زخم زنجیر کے ہیں پاؤں میں اب تک ہر جا — اب تلک طوق کے صدمے سے ہے مجروح گلا

دیکھ کر ظلم یہ امت کے جلال آتا ہے
پر کروں کیا مجھے حضرت کا خیال آتا ہے

کہہ کے یہ بات مرخص ہوا وہ عرش وقار — اور مدینے سے چلا سبط نبیؐ کا دلدار
زینبؑ خستہ ہوئی ناقہ پہ محمل میں سوار — دو قدم واں سے چلی تھی کہ اٹھا غل ایکبار

دیکھا عابدؑ نے بہت رو کے چلاتا ہے
ننگے سر باقرؑ معصوم چلا آتا ہے

کیا کہوں دل پہ جو سجاد کے صدمہ گزرا — رو کے باقر سے کہا جاؤ سدھارو بیٹا
پھر تمہیں دیکھیں گے پیارے جو خدا نے چاہا — گھر کو روتا ہوا وہ بیکس و مغموم پھرا

ساتھ سجاد کے زینب ہی نہ تھی محمل میں
فاطمہ پاس بھی پوتے کی ہر اک منزل میں

یوں احادیث میں وارد ہے محبو اللہ — شام کی راہ میں زینب نے قضا کی ناگاہ
دفن عابد نے پھوپھی کو کیا با حال تباہ — رو کے کہتے تھے جہاں ہے مری آنکھوں میں سیاہ

پوچھے زینبؑ کا قلق کوئی دلِ زہراؑ سے
رونے والی مرے بابا کی گئی دنیا سے

ساتھ عابدؑ کے نگہبان تھے جو ساکنِ شام — ان سے فرمایا سفر آن ہوا اپنا تمام
طوق و زنجیر سے رو رو کے کیا پھر یہ کلام — اب جدا تم بھی ہو جائے گا مدینے کو امام

چوم کر پاؤں جدا پاؤں سے زنجیر ہوئی
گر پڑا طوق بھی گردن سے نہ تاخیر ہوئی

چشمِ اعداء سے ہوئے عابدِ بیمار نہاں — پائے اعجاز سے یثرب کو گئے آپ رواں
پہنچے اک آن میں گھر اپنے امامِ دو جہاں — پوچھا سب بی بیوں نے زینبِ بیکس ہے کہاں

بولے وہ توڑ گئی آس ہماری زینبؑ
لو گئی شاہ کی خدمت میں سدھاری زینبؑ

یہ جو عابد نے کہا ہو گیا ماتم برپا
آ کے عابدؑ کو دیا اہلِ وطن نے پرسا
چین سجادؑ نے دنیا میں نہ پایا اصلا
ابنِ عبد الملکِ نحس کا جب دور ہوا

چار جانب سے علم ظلم کی شمشیر ہوئی
زہر دلوانے کی سجادؑ کے تدبیر ہوئی

وارثِ ارثِ حسنِ نائبِ شبیرؑ ہوا
زہرِ قاتل انہیں قاتل نے دیا واویلا
راوی لکھتا ہے برابر ہوا جب وقتِ قضا
تب طلب باقرِ معصوم کو حضرت نے کیا

اور کہا بعد مرے سیدِ ابرار ہو تم
مسندِ احمدِ مختار کے مختار ہو تم

پھر یہ اشارہ کیا اے پسرِ ماہِ لقا
اپنے ناقہ کو بہت دست رکھتا تھا سدا
دانہ و کاہ اسے سامنے اپنے دیتا
کہہ کے یہ بات شہِ دیں نے تشہد کو پڑھا

غل ہوا فوت ہوئے سید عالی افسوس
مسندِ شاہِ شہیداں ہوئی خالی افسوس

غسل باقرؑ نے جو سجادؑ کی میت کو دیا
تازیانوں کا نشاں پشت پہ دیکھا ہر جا
گردنِ پاک پہ تھا نیل رسن کا پیدا
جب کہ کفنایا تو رو کر کہا ہے ہے بابا

تب محبوں نے گریبانِ قبا چاک کیا
قمر برجِ امامت کو تہِ خاک کیا

مرثیہ نمبر ۱۸

شہادت حضرت امام زین العابدینؑ

ہوئے اسیر بلا میں جو سید سجاد — یتیم و بے کس و آشنا پہ تھی بیداد
نظر نہ آتا تھا ایک شخص بھی پئے امداد — نگاہ یاس سے تکتے تھے چار سو ہر بار

جفا گروں نے جفا بیشمار کی ہے کہ
نہ قدر سید عالی وقار کی ہے کہ

یہ ظلم ڈھایا شہ دیں کے ہائے دلگیر — تمام عمر ہوئی ان کی روتے روتے بسر
نہ باقی رہ گیا ہائے کوئی بھی یاور — لہو بہاتے تھے آنکھوں سے حال تھا ابتر

تڑپتے باپ کی تشنہ لبی پہ تھے ہر دم
لہو بہاتے تھے آنکھوں سے حال تھا ابتر

جہانے پیارے گئے سب مرے عزیز و یار — اکیلا رہ گیا رونے کو بیکس و ناچار
عدو نے کر دیا ہے مرا جگر تو فگار — مگر نہ خشک گلے پر دی پھری تلوار

کیا ہے آج کو تہہ تیغ فوج ظلم نے
جو خورد سال تھے بچے وہ تشنگی سے بیدم تھے

فلک کی آنکھ سے پیہم لہو برستا تھا — ستم ہے فوج خوشی سے بجاتی تھی باجا
خیام بنتِ علیؑ میں تھا شور نالہ بپا — قلق سے ہوتا تھا سو ٹکڑے دل فرشتوں کا
نہ روئیں اپنے عزیزوں کو رات دن کیونکر
کھلے ہیں سینۂ سوزاں میں داغہائے جگر

ملا نہ سیدِ لولاک کو بھی گور و کفن — پھرائے لاش پہ گھوڑے کھڑی تھی در پہ بہن
ردائیں چھن گئیں بیبیوں کی لٹ گیا گلشن — نکالا رانڈوں کو بلوے میں تب بہ رنج و محن
یہ اہل بیتِ محمد کی شان و عزت کی
ردا نہ سر پہ تھی عریاں تنی کی عزت کی

پدر کے آگے ہی سجادؑ تھے بہت بیمار — پڑے تھے بسترِ غم پر بحالتِ ناچار
ترس نہ کھاتا تھا لاغر پہ کوئی ظلم شعار — جہاں سے اٹھ گئے تھے سارے یاور انصار
کریں جفا پہ جفا کس طرح نہ بانیٔ شر
حسینؑ مر گئے ہیں کوئی اب نہیں سر پر

غریب و بیکس و سید پہ ظلمِ اعدا ہے — بنا کے اربابِ اسیر تا پھرایا ہے
قریب نظروں کے کنبہ غریب کا سارا ہے — حیا سے سر ہیں جھکائے پہ دم نکلتا ہے
برہنہ سر ہیں سبھی بستہ ہاتھ روتے ہیں
ہجوم عام میں سب اپنی جان کھوتے ہیں

سوائے بیکسی و یاس آیا کچھ نہ نظر — ہمارا ہاتھ میں پکڑے ہوئے پھرے در در
رگوں سے خون تھا جاری اور طوق کا لنگر — یہ حال دیکھ کے زینب بھی پیٹتی تھیں سر

غم و الم یہ دیا خلد میں پیمبر کو
عدو لگاتے تھے پیہم تازیانہ بے پر کو

چراغ بجھ گیا زہرا کا آگئی آفت — تباہ گھر ہوا شبیر کی لٹی دولت
نواسیوں پہ نبی کے یہ ہوتی ہے بدعت — برائے نام بھی امت کو کچھ نہ تھی غیرت

ہوا نہ خوش دل سجاد ایک دم کیلئے
پدر کو روتے تھے اٹھ گئے زمانے سے

تڑپ رہے ہیں جو بستر پہ عابد بیمار — نہ کوئی حامی تھا باقی نہ یاور و انصار
زہر ہائے جگر کے بھی ہو گیا تھا پار — پکارتے تھے پدر ہو کہاں میں تم پہ نثار

صدائے حضرت شبیر کان میں یہ آئی
میں ہوں سرہانے کھڑا اے پدر کے شیدائی

اٹھا کے سختیاں بے ہے گذرتے ہو بیٹا — نشاں گلے میں ابھی تک ہے طوق و زنجیر کا
مجھے ہے یاد وہ کانٹوں پہ راستہ چلنا — تمام کنبہ تھا کھلے سر تھا بلوے میں مرا

مرے غریب میں صدقے تری غریبی کے
اے غضب ہے کلیجے کے ہو گئے ٹکڑے

عزیز و سینہ و سر پیٹو اٹھ گئے سجادؑ — یتیم ہو گئے باقرؑ ہوئی نئی بیداد
بچھاڑیں کھاتے ہیں لاشہ پہ باقرِ ناشاد — یہ رو کے کہتے ہیں پیہم کریں ہو ابر باد

تمام عمر نہ چین آپ کو ملا کچھ بھی
یہ صبر تھا نہ کسی کا گلا کیا کچھ بھی

جہاں سے اٹھ گیا والی غریبوں کا پیٹو — اٹھائی سختیاں کیا شام میں ذرا سوچو
اسیر ہو نا شہ پاک کا خیال کرو — حرم تھے سامنے بے پردہ کچھ خیال کرو

زمیں پہ کھا کے جو غش آہ گرتے تھے لاچار
لگاتے پشت پہ دُرّے ہائے ستم شعار

پدر کو غسل و کفن دیتا ہے یتیم پسر — تو خون روتا ہے بیٹا پدر کے لاشے پر
جو نیل دُروں کے آتے ہیں پشت شہ پہ نظر — لبوں پہ آتی ہے بیساختہ فغانِ جگر

یہ کیسا زہر عدو نے دیا خدا کی پناہ
یتیم ہم کو لعیں نے کیا خدا کی پناہ

یہ غم وہ ہے زِ رلقیہ دل و جگر ہیں چاک — سروں کو پیٹتے شیعہ ہیں اڑاتے خاک
وفورِ غم سے کئے ڈے رہے ہیں خود کو ہلاک — ہلا رہی ہے فلک کو فغان حسرت ناک

چراغ بجھ گیا ہے ہے رسولؐ کے گھر کا
نہ پوچھو کیسا سماں ہے بتولؑ کے گھر کا

مرثیہ نمبر ۸۲

شہادتِ حضرت امام محمد باقرؑ

ہے قصد کچھ فضائلِ باقرؑ رقم کروں
تحریر معجزاتِ امامِ امم کروں
لکھنے میں شلِ خامہ سرِ عجز خم کروں
لوح و قلم کو غیرتِ لوح و قلم کروں
انوارِ معجزات سے روشن کتاب ہو
خامہ شعاع ہو تو ورق آفتاب ہو

اک دن پدر کی گود میں تھا وہ فلک مقام
اک شیعہ لایا نذر درا ہم پئے امام
سجادؑ کے حضور وہ درہم رکھے تمام
درہم سے کھیلنے لگا فرزندِ نیک نام
کیا عقل دی تھی خالق روزِ حساب نے
درہم زمیں پہ پھینک دیا اک جناب نے

بڑھ کے کی یہ شیعہ عابد نے التجا
ارشاد آپ کیجئے یہ ماجرا ہے کیا
شہ نے کہا یہ عادتِ طفلی نہ جاننا
ہو گا امام بعد ہمارے یہ مہ لقا
درہم یہ ایک غصبی و مالِ حرام ہے
کیونکر اسے قبول کرے یہ امام ہے

باقر پہ وہ نثار ہوا پاؤں چوم چوم — طفلی سے شہ علم خدا داد کی تھی دھوم
باقر کی شرح کرتے ہیں یہ خاص اور عموم — یعنی ہے وہ امام شگافندہ علوم
تھا کوئی رازِ غیب نہ شہ سے چھپا ہوا
عقدہ وہ کون سا تھا جو حضرت سے وا ہوا

لکھتا ہوں اب شہادتِ مولائے خوش نہاد — تھا بسکہ زید ابن حسنؑ کو حسد زیاد
رکھتا تھا بغض آپ سے وہ بانیٔ فساد — کرتا تھا مجلسوں میں حقارت سے شہ کو یاد
تھا منحرف وہ باقرِ عالی مقام سے
کرتا تھا ادعائے امامت امام سے

آیا حضور آپ کے اک دن وہ بے حیا — اور قاضی مدینہ کو گھر شہ کے لے گیا
قاضی کے آگے شاہ نے یہ زید سے کہا — خاصانِ کبریا سے خصومت نہیں روا
ظاہر ہے میرا مرتبہ میں کیا بیاں کروں
گر کہہ تو کوئی معجزہ تجھ پہ عیاں کروں

لکھا ہے دستِ زید میں تھی ایک چھری نہاں — وہ گر پڑی زمین پہ جدا ہو کے ناگہاں
اعجازِ شاہِ دیں سے وہ کرنے لگی بیاں — باقر امام پاک ہے اور شاہ دوجہاں
اے زید کر نہ دعویٰ باطل زبان سے
ورنہ تجھے ہلاک کروں گی میں جان سے

بے ہوش زید ہو گیا اور خاک پر گرا آیا جو ہوش پھر شہ والا نے یہ کہا
کیوں اور معجزہ کوئی دیکھے گا تو مرا جس سنگ پر کھڑا ہوں تجھے دے یہی صدا

باقر امین علم رسالت پناہ ہے
ہر سنگ و ذرہ میرے سخن کا گواہ ہے

اس نے کہا قبول ہے اے شاہ نامدار اس دم ہوا زمین پہ وہ سنگ بیقرار
اور زید سے خطاب کیا اس نے ایک بار حقیت امام باقرؑ ہے آشکار

ایذا نہ دے تو حضرت عابد کے لال کو
لاتا ہے کیوں جلال میں تو ذوالجلال کو

غش کھا کے زید نحس گرا پھر زمین پر شہ نے اٹھایا زید کو پھر ہاتھ تھام کر
تھا اک درخت متصل شاہ بحر و بر فرمایا گر کہوں تو گواہی دے یہ شجر

جاری ہے میرا حکم خزاں و بہار میں
دنیا کا برگ برگ ہے سب اختیار میں

نکلے ہے وہ درخت زمیں سے ہوا جدا شاخوں سے اپنے سایہ تن شاہ پر کیا
اور قدرت خدا سے یہ دی نخل نے صدا اے زید کیا نہیں ہے تجھے کچھ خوف کبریا

باقر امام خلق ہے ابن امام ہے
یہ نائب رسول علیہ السلام ہے

سوگند کھا کے زید نے اس وقت یہ کہا
دعویٰ جناب کروں گا امامت کا مطلقاً
پھر سوئے ملکِ شام وہ ملعون رواں ہوا
عبدالملک سے جا کے کہا سب یہ ماجرا

آخر کو یہ کہا کہ ہمارے گمان میں
باقر سا اب نہیں کوئی سارے جہان میں

عبدالملک کو بغض و خصومت ہوئی زیاد
کیا کیا نہ اس نے شاہِ امم سے کئے فساد
آخر امام کو یہ لکھا از رہِ عناد
میں بھیجتا ہوں زید کو اے شاہ خوش نہاد

ابن حسنؑ کو لائق تکریم کیجئے
تادیب کیجئے اسے تعلیم کیجئے

اور ایک زین تعبیہ جس میں کیا تھا سم
ہمراہِ زید بھیجا برائے شہِ امم
آیا جو زید روبروئے شاہِ باکرم
شہ بولے ہے جو قصد ترا جانتے ہیں ہم

اے ابنِ عم یہ ظلم و ستم تو نے کیا کیا
اس زین میں ہے تعبیہ زہرِ دغا کیا

اس زین پر میں ہوتا ہوں دانستہ اب سوار
بندہ کو کیا مشیتِ ایزد میں اختیار
باندھا وہ زین اسپ پہ اللہ رے انکسار
اور زیب رہوار ہوا شاہِ باوقار

موت اپنی کی پسند رضائے الٰہ میں
اس زہر نے نفوذ کیا جسمِ شاہ میں

شہ نے مراجعت کی سواری سے آہ جب
بس آشکار ہو گئے آثارِ موت سب
فرمایا تین روز کے ہم میہماں ہیں اب
جعفر کو لاؤ اور کفن بھی کرو طلب

طالب کفن کے بدلے ہیں اس پیرہن کے ہم
کعبہ کا طوف کرتے تھے جس کو پہن کے ہم

لائے وہ جامہ حضرتِ صادق بچشم تر
حضرت نے پیار کر کے کہا ان کو اے پسر
جاتا ہوں میں جہاں سے تو ہوتا ہے بے پدر
دنیا سے آج کرتا ہوں عقبیٰ کا میں سفر

پیارے پدر کے مرنے کا تم غم نہ کھائیو
مظلومی حسینؑ پہ آنسو بہائیو

روئے کمال جعفرِ صادق یہ سن کے آہ
کی عرض صبر دینے کا مختار ہے اللہ
کیونکر کہوں میں آپ اے شاہِ دیں پناہ
حضرت کے غم سے حال نہ ہو گا مرا تباہ

ہر چند اختیار میں اپنے قضا نہیں
بے سر بے پدر کے جینے کا ہرگز مزا نہیں

بیٹے کی بات سن کے ہوا ان کو اور غم
لپٹا لیا گلے سے پسر کو بچشم نم
بیتاب تین روز رہے سرورِ امم
روزِ سوم جو گزرا ہوئی زیست اور کم

بیٹے کی شکل دیکھ کے آنسو بہاتے تھے
سب سے وداع ہوتے تھے اور غش میں جاتے تھے

بیہوش رہتے روتے ہوئے آپ ناگہاں
غش سے ہوا افاقہ تو رو کر کیا بیاں
بالیں پہ میرے باپ کھڑے تھے ابھی یہاں
کرتے تھے بیکسی پہ میری نالہ و فغاں

فرماتے تھے کہ روح مری بیقرار ہے
جنت میں جلد آ کہ ترا انتظار ہے

یہ کہہ کے شہ نے کلمۂ طیب ادا کیا
اور کی نجاتِ امتِ عاصی کی بھی دعا
مولائے مومنیں کو ہوا وصل کبریا
پھر تو صدائے نوحہ و ماتم تھی جابجا

جعفر یہ بات کہہ کے بہت نوحہ گر ہوئے
بابا ہمارے مر گئے ہم بے پدر ہوئے

نہلا چکا امام کو جب نائب امام
تکفین کے رسوم بجا لایا پھر تمام
پڑھنے لگا نماز جو وہ شاہِ نیک نام
تھا انبیاؑ و جن و ملائک کا ازدحام

جن و ملک کے آگے تو شیر الٰہ تھے
پیغمبروں کی صف میں رسالت پناہ تھے

فارغ ہوئے نماز سے جب شاہِ بحر و بر
پہلوئے مجتبیٰؑ میں کیا دفن آن کر
پنہاں کیا بزیرِ زمیں جب تنِ پدر
رو رو کے سر کو رکھ دیا بالینِ قبر پر

اٹھتے تھے شعلے غم کے دلِ بیقرار سے
روئے بہت امام لپٹ کر مزار سے

مرثیہ نمبر ۸۳

شہادت حضرت امام محمد باقرؑ

باقرؑ ہوئے امامِ دو عالم پدر کے بعد
چمکا ستارہ فلکِ دیں قمر کے بعد
پایا وہ عز و جاہ شہ بحر و بر کے بعد
رتبہ ملا علیؑ و جو خیر البشر کے بعد
فرمانروائے کشورِ دینِ خدا ہوئے
مسند نشین انجمنِ اولیا ہوئے

حمدِ خدا میں کتنے رہے امتحاں کے دن
شاکر ہوا خطابِ شہنشاہِ انس و جن
قائل تھے حلمِ شاہ کے سب گو رکے محسن
ہر رنج میں رہا دلِ آگاہ مطمئن
کینہ بھرا ہوا تھا جو قلبِ ہشام میں
تکلیف دی بلا کے مدینے سے شام میں

گمراہ سے ڈرا نہ دو عالم کا مقتدا
مصروف وعظ و پند ہوا کل کا رہنما
غصے میں آ کے دشمنِ دیں نے غضب کیا
زنداں میں شہ کو بھیج دیا وا مصیبتا
دیکھا جو ڈھنگ ظلم ہشامِ پلید کا
یاد آیا بے وطن کو زمانہ یزید کا

جس شخص کے سپرد تھے زندان کے اسیر — جا کر کہا ہشام سے اس نے کہ اے امیر
ہوگا فساد بگڑے ہوئے ہیں جوان و پیر — یکدل ہے تجھ سے لڑنے کو اک مجمع کثیر
باقرؑ کو کر دے جلد رہا قید سخت سے
ہشیار اے ہشام خلافت کے تخت سے

گھبرا گیا ہشام سنا جب یہ ماجرا — حضرت کو قید خانے سے فوراً رہا کیا
راہی ہوئے مدینہ کی جانب شہ ہدا — تھے ہم رکاب چند رفیقانِ باوفا
ظالم نے کی یہ فکر کہ ایذا ہو راہ میں
کھانے کی کوئی شے نہ مہیا ہو راہ میں

پابند حکم حاکم جابر تھے بے ادب — قیمت سے کوئی چیز نہ دیتے تھے بے غضب
فاقے سے تین روز رہا سرورِ عرب — جس طرح کربلا میں اٹھایا تھا یہ تعب
گذرے تھے واں بھی اتنے ہی دن بھوک پیاس میں
دل تھام ہجومِ حسرت و اندوہ و یاس میں

شکر خدا کیا شہِ عالی مقام نے — دی بد دعا بھی اسکو نہ شاہِ انام نے
افسوس دم لیا نہ عدوئے امام نے — کی فکر قتلِ شاہِ دو عالم ہشام نے
تیار ایک زین ستمگار نے کیا
پیوست اس میں زہر سیہ کار نے کیا

وہ زین اور خلعتِ زر تار قیمتی — تحفہ پہ بھیجا آہ پئے دلبرِ علیؑ
آگاہ اس کے ظلم سے تھا وارثِ نبیؐ — فرمایا آشکار حقیقت ہے زین کی
یہ چوب جس درخت کی ہے جانتا ہوں میں
ہر شے کی اصل و فرع کو پہچانتا ہوں میں

نے وائے کس طرح کا ہے وہ مرد بے خبر — ہوتے ہیں جس کے ہاتھ سے جاری امورِ شر
دشمن ہے مصر تو کہا شہ نے کیا خطر — برحق ہے موت حق کی مشیت پہ ہے نظر
ظاہر ہوا شریر نے جو امر بد کیا
قاتل کا ہدیہ اہلِ کرم نے نہ رد کیا

رکھا گیا شتر پہ جو وہ زین زہر دار — جنت کی سیر کرنے کو حضرت ہوئے سوار
فی الفور ہو گیا اثرِ زہر آشکار — اعضائے پاک سوج گئے اترے بیقرار
حد یہ تھی کہ خشک رگِ دل کا خوں ہوا
عابدؑ کے لالہ رخ کا بدن نیلگوں ہوا

باقرؑ کے واسطے مرض الموت تھا وہی — ایذائے سخت کل کے مددگار نے سہی
طاقت نہ اٹھنے کی شہ ذی جاہ میں رہی — بخشا پسر کو آپ نے زین یداللّٰہی
صدمہ عجب تھا جعفرِ صادق کی جان پہ
جاری وصیتیں ہوئیں جس دم زبان پہ

کہنے لگے پسر سے امامِ فلک وقار
ہاں پارۂ جگر مرے شیعوں سے ہوشیار
تعلیم ایسی چاہیئے اے مرے یادگار
محتاج ہوں مسائل دیں کے نہ زینہار
بولا پسر کہ دوں گا سبق رات دن حضور
ایسا ہی میں کروں گا رہیں مطمئن حضور

تعداد پھر بتا کے یہ شہ نے کیا مقال
اپنے لئے علیحدہ کرتا ہوں اتنا مال
کرنا مقرر اہلِ عزا کو رہے خیال
دے دے کے اجرت انکو یہ کہہ دینا اے لال
دس سال تک بکا کریں اپنے امام پر
ایامِ حج میں روئیں منیٰ کے مقام پر

رونے لگا پسر جو سنا یہ کلامِ یاس
شہ نے کہا خدا ہو نگہباں نہ ہو اداس
رکھا ہوا ہے جو مرے احرام کا لباس
دینا کفن اسی سے مجھے میرے حق شناس
نہلانا اپنے ہاتھ سے اے مہ جبیں ہمیں
پڑھ کر نماز قبر میں رکھنا تمہیں ہمیں

بیٹے نے عرض کی میں فدا حکمِ شاہ پر
اب تو حضور چاق مجھے آتے ہیں نظر
ہے خیریت عیاں نہیں کچھ موت کا اثر
شہ نے کہا صدا کوئی سنتے ہو اے پسر
مجھ کو بلانے عابدِ بیمار آئے ہیں
بیٹا ہمارے جد پسِ دیوار آئے ہیں

آواز دے رہا ہے جگر گوشۂ حسینؑ — آ جلد باغِ خلد میں اے میرے نورِ عین
یہ کہتے کہتے چپ ہوئے سلطانِ مشرقین — لختِ جگر نے آہ کی آیا نہ دل کو چین
دیکھا کہ حال غیر ہے شاہِ انام کا
قبلہ کی سمت کر دیا چہرہ امام کا

تھا جن کے سامنے رخِ فرزندِ مرتضیٰ — آنکھیں وہ بند ہو گئیں اندھیر ہو گیا
جو دلربا سے کہہ رہے تھے دل کا مدعا — خاموش وہ زباں ہوئی اے وا مصیبتا
کیسا تھا کرب جس میں بسر تین دن ہوئے
بیجان چوتھے روز شہِ انس و جن ہوئے

کرتے تھے شور اہلِ حرم وا محمداہ — صدمے سے حال جعفرِ صادقؑ کا تھا تباہ
غسل و کفن کے بعد جنازہ اٹھا بہ آہ — اصحاب ننگے سر ہوئے جس دم پڑی نگاہ
تابوت لائے تربتِ سجاد کے قریب
مغموم کا گذر ہوا ناشاد کے قریب

ہاں سوگوار و آہ و فغاں کا ہے یہ مقام — تکبیریں پانچ کہہ چکا باقرؑ کا لالہ فام
لو مومنو نمازِ جنازہ ہوئی تمام — مدفون امامِ عصر نے کی میتِ امام
پایا بچھونا خاک کا خالق کے نور نے
دیوارِ قبر پہ کیا تکیہ حضور نے

مرثیہ نمبر ۸۴

شہادت حضرت امام محمد باقرؑ

عابدؑ کے لال قائم کی رحلت کا روز ہے ۔ یہ پانچویں امام کی رحلت کا روز ہے
سلطانِ خاص و عام کی رحلت کا روز ہے ۔ معصوم نیک نام کی رحلت کا روز ہے

رونے کی آ رہی ہے صدا آسمان سے
لو اٹھ گئے محمدِ باقرؑ جہان سے

سر پیٹو اہلِ بزم قضا کی امام نے ۔ کیا دکھ اٹھائے سرورِ گردوں امام نے
بھیجا سلام جن پہ رسولِؐ انام نے ۔ ہو بیٹھیں آہ زہر دغا اس کے سامنے

کیا انقلاب گردشِ لیل و نہار ہے
سجادؑ کے جگر کا کلیجہ فگار ہے

کب تاب ہے کہ اس کے مصائب کروں رقم ۔ مولا کی زندگی بھی ہے اک داستانِ غم
طفلی میں کربلا کے مصائب سہے دمبدم ۔ تھا پانچواں برس کہ ستم پر ہوئے ستم

اک ریسمانِ ظلم میں ننھی کلائی تھی
بابا کے ساتھ قید کی ایذا اٹھائی تھی

زندانِ شام سے جو رہا ہو کے آئے گھر　　فرطِ الم سے روتے تھے سجاد نوحہ گر
فرصت غمِ حسینؑ سے پائی نہ عمر بھر　　دادا کا غم انہیں تھا نہیں تھا غمِ پدر

عابد کے شغل جو تھے وہی شغل آپ کے
چالیس سال روئے ہیں ہمراہ باپ کے

افسوس رنج و غم سے نہ مہلت ملی ذرا　　سر سے پدر کا سایۂ رحمت بھی جب اٹھا
فریاد و آہ لب پہ کبھی تھی کبھی نہ رُکا　　اتنی مصیبتوں پہ بھی کب چین مل سکا

ظالم ڈرا نہ خالقِ اکبر کے قہر سے
بیجان کیا محمدِ باقرؑ کو زہر سے

تھا دشمنِ امام ہشام نا سعید　　بے رحموں میں شمر شقاوت میں تھا یزید
یہ بھی عدوئے آلِ نبی صورتِ ولید　　مظلوم پر غریب پہ ڈالے ستم شدید

در پہ ہوا شقی جو شہِ دل ملول کا
خوں ہے کیا الحذر کلیجہ رسولؐ کا

آمادہ قتل پہ ہوا جو وہ ستم شعار　　پیوست ایک زین میں کیا زہر بجھا مار
مرکب پہ چڑھنے کا دیا پھر حکم ایکبار　　جب جانشین مالکِ دلدل ہوا سوار

موقع دیا نہ زیست نے پھر قطعِ راہ کا
سم کے اثر سے پھول گیا جسم شاہ کا

نیلی ہوئیں رگیں جسدِ نازنین پہ آہ
تھا آشکار غم کا پسینہ جبیں پہ آہ
سلطانِ دیں ٹھہر نہ سکے پشت زیں پہ آہ
بس یا حسین کہہ کے وہ اترے زمیں پہ آہ

وہ اضطراب تھا شہ عالی مقام کو
بستر پہ آتے آتے غش آیا امام کو

تڑپے اثر سے زہر کے مولائے دو جہاں
تھرا گئی زمین ہلا غم سے آسماں
ذالحجہ کی ساتویں کی سحر تھی کہ الاماں
جنت کو شاہِ دیں کی سواری ہوئی رواں

وہ زہر تھا کہ جینے سے دل سیر ہو گیا
ایمان کی شمع بجھ گئی اندھیر ہو گیا

مرثیہ نمبر ۸۵

شہادت حضرت امام جعفر صادقؑ

بے چین دل سے تھے حضرتِ باقرؑ کی یاد میں ساماں غم تھا فرقۂ پاک اعتقاد میں
تھا جشن عید خانۂ اہلِ عناد میں گویا بہار آئی تھی باغِ مراد میں
خوش تھے کہ بار ورشجر مدعا ہوا
اک تازہ گل علیؑ کے چمن سے جدا ہوا

دن رات اہلِ شر اسی تدبیر میں تھے آہ خیر البشر کا نام مٹا دیں وہ روسیاہ
پر خلق رہ سکتی تھی بے حجتِ الٰہ بخشا خدا نے جعفرِ صادقؑ کو عز و جاہ
جوہر کشائے تیغ کرامت ہوئے حضور
رونق فزائے تختِ امامت ہوئے حضور

قربان ملک تھے جعفرِ صادقؑ کی شان پر حافظ فدا تھے مصحفِ ناطق کی شان پر
مولا تو جان دیتے تھے خالق کی شان پر معشوق کو بھی ناز تھا عاشق کی شان پر
قائل زبان ہر ایک منافق کی ہو گئی
عالم میں دھوم الفتِ صادقؑ کی ہو گئی

راضی قضا پہ تھا وہ جگر بند مرتضا کرتا ہے ایک شخص یہ وصفِ شبِ بقا
بیمار کوئی آپ کا تھا طفل مہ لقا دولت سرا پہ اس کی عیادت کو میں گیا
حضرت کھڑے ہوئے تھے جھکا میں سلام کو
پایا مگر اداس امامِ انام کو

اندر گئے حضور میں ٹھہرا رہا وہیں دیکھا یہ واپسی میں کہ غم کا اثر نہیں
میں نے کہا کہ شاد رکھے ربّ العالمیں شہزادہ خیریت سے ہے اے بادشاہِ دیں
فرمایا وہ مریض جہاں سے گزر گیا
لڑکے کا حال دیکھ کے آیا ہوں مر گیا

پوچھا کہ پہلے رنج تھا اب کیوں نہیں ملال بولے ہم اہلبیت نبی کا یہی ہے حال
غم کا ہے دم نزولِ بلا کرتے ہیں خیال نازل جو وہ ہو گئی تو کیا شکرِ ذوالجلال
تسلیم کس طرح نہ رضا کبریا کی ہو
بندے کا دخل کیا جو مشیّت خدا کی ہو

معصومؑ کی قضائے الٰہی پہ تھی نظر کیونکر نہ ہو حسینؑ سے صابر کے تھے جگر
ہے آشکار ہمّتِ شبیرؑ نامور پردیس میں لٹا دیا آباد اپنا گھر
راہ خدا میں دل کو سنبھالا امام نے
اولاد ذبح ہو گئی آنکھوں کے سامنے

باقرؑ کے لختِ دل کو نہ آیا کبھی غضب — تابع خدا کے حکم کا تھا سرورِ عرب
کرتا تھا صبر ناصرِ دینِ حبیبِ رب — دیتا تھا صدمے آپ کو منصورِ بے ادب

فرعونِ عصر پھر گیا فخرِ کلیم سے
کینہ تھا سنگِ سخت کو دُرِّ یتیم سے

ظالم کو بے گناہ سے منظور تھی دغا — مکار نے عراق میں آخر طلب کیا
کرتا رہا ارادۂ قتلِ شہِ ہدا — اعجازِ تازہ دیکھ کے کر دیتا تھا حلم

تیغِ ستم نکالتا تھا جب نیام سے
چل سکتا تھا نہ زور دعائے امام سے

حق کے ولی کا دشمنِ جانی تھا روسیاہ — سب آفتوں سے بچ کے وطن میں جب آئے شاہ
وہ ظلم ہو گیا کہ مدینہ ہوا تباہ — انگور میں امام کو دلوایا زہر آہ

سرورِ ریاضِ دیں کا عجب حال ہو گیا
سرسبز باغِ دین کا پامال ہو گیا

پاتے تھے جس سے رزق مساکین بینوا — اس گھر میں خاک اڑنے لگی وا مصیبتا
مل کر پدر سے موسیٰ کاظمؑ نے کی بکا — حضرت نے وقتِ نزع جواں کو وصی کیا

ہونٹوں پہ دم تھا موت تھی آنکھوں کے سامنے
بلوایا سب عزیزوں کو اُس دم امام نے

شاہِ امم کے گرد عزیزِ تھے نوحہ گر
خورد و کلاں پہ آپ نے الفت سے کی نظر
لطف و کرم سے اپنے کیا سب کو بہرہ ور
کھولا پھر ان پہ مخزن نصائح کا شہ نے در

وہ جانکنی کا وقت وہ نرمی کلام کی
وہ صحبت اخیر وہ رخصت امام کی

ناگاہ بند ہو گئی آواز دردناک
پہنچی جوارِ رحمت خالق میں روح پاک
تیغ الم سے دل ہوئے بیٹوں کے چاک چاک
تر ہو گیا یتیموں کے اشکوں سے فرشِ خاک

فکر کفن وصی شہ انس و جاں نے کی
تدبیر غسل شاہِ امامِ زماں نے کی

نہلا چکے پدر کو تو حاضر کیا کفن
کھولا پسر نے یوسفِ باقرؑ کا پیرہن
پہنایا شہ کو خلعتِ دربار ذوالمنن
مظلوم کا جنازہ اٹھانے مرد و زن

حجرے سے اپنے قبلۂ دنیا و دیں چلے
سوئے مکاں میں آنے کو زیرِ زمیں چلے

تابوت کو تھے گھیرے ہوئے صاحبِ عزا
دیوار و در سے آتی تھی فریاد کی صدا
روتے تھے حق شناس جگر بندِ مصطفےٰ
عمامہ سر سے موسیٰ کاظمؑ کے تھا جدا

پڑھ کر نماز میت شاہِ انام کی
باقرؑ کے پاس قبر بنائی امام کی

مرثیہ نمبر ۸۶

شہادت حضرت امام جعفر صادقؑ

مالکِ خطۂ بغداد جو منصور ہوا
نشۂ کبر میں سرشار وہ مغرور ہوا
چار سو اس کا ستم دہر میں مشہور ہوا
شیشۂ قلبِ محبانِ علیؑ چور ہوا

کیا کہوں کیسا عمارت میں لگایا گارا
خونِ سادات کا ظالم نے بنایا گارا

یوں گرفتار کیا ظلم سے بیچاروں کو
قید جس طرح سے کرتے ہیں گنہگاروں کو
حکم ظالم نے دیا تھا یہی معماروں کو
چن دو دیوار میں ان فاطمہؑ کے پیاروں کو

اک قیامت تھی بپا تازہ گرفتاروں میں
زندہ سادات چنے جاتے تھے دیواروں میں

عام شیعوں کیلئے ظلم کا دستور ہوا
چین ساداتِ بنی فاطمہ کا دور ہوا
کوئی قیدی تو کوئی قتل سے مغفور ہوا
اس ستم پر بھی نہ ٹھنڈا دلِ منصور ہوا

قبر میں احمد مختار کو غمناک کیا
زہر سے جعفر صادقؑ کا جگر چاک کیا

زہرِ ظالم نے دیا دانۂ انگور میں آہ — جس کے کھاتے ہی ہوا حال شہِ دیں کا تباہ
روزِ روشن ہوا آقا کی نگاہوں میں سیاہ — اٹھے دربار سے کہتے ہوئے انا للہ

کبھی چلتے تھے شہِ دیں کبھی رک جاتے تھے
درد سینہ میں جو اٹھتا تھا تو جھک جاتے تھے

پہنچے بستر پہ تو آقا کا عجب حال ہوا — مضطرب درد سے وہ فاطمہ کا لال ہوا
نامبارک شہِ دیں کو یہ مہ و سال ہوا — موت آ پہنچی چمن زیست کا پامال ہوا

سحر یہ شوال کو آفت آئی
بجھ گئی شمعِ امامت کی قیامت آئی

ماجرا غم کا نہیں ذکر کے لائق ہے ہے — ہو گیا ٹکڑے دلِ مصحفِ ناطق ہے ہے
صبحِ صادق کو ہوئی رحلتِ صادق ہے ہے — سوئے جنت گیا اللہ کا عاشق ہے ہے

دہر سے سرورِ معصوم کی حالت دیکھی
ہائے ناموسِ نبی نے یہ قیامت دیکھی

ظلمِ اعدا سے وہ اللہ کا پیارا نہ رہا — دہر میں عرشِ الٰہی کا ستارہ نہ رہا
رانڈوں کا اور یتیموں کا سہارا نہ رہا — شیعہ کہتے ہیں مددگار ہمارا نہ رہا

خنجرِ غم سے کلیجہ ہے دوپارہ ہے ہے
بے خطا زہر سے منصور نے مارا ہے ہے

مرثیہ نمبر ۸۷

شہادت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

سر پیٹو آج موسیٰ جعفرؑ ہوا شہید — ابنِ علیؑ و ابنِ پیمبرؐ ہوا شہید
غربت میں آہ کاظمؑ بے پر ہوا شہید — لو مومنوں کا ساتواں رہبر ہوا شہید
پلوایا زہر بادشہ خاص و عام کو
ہارون نا رشید نے مارا امام کو

کس طرح سے بیان کروں ظلمِ اہلِ کیں — افسوس پیٹ بھر کبھی کھانا ملا نہیں
فاقہ پہ فاقہ کرتا تھا احمدؐ کا جانشیں — زنداں میں چودہ سال تھے محبوس شاہِ دیں
طاقت نہ تھی ذرا بھی قعود و قیام کی
حالت یہ تھی امام علیہ السلام کی

دی اُمتِ نبی کو نہ حضرت نے بد دُعا — ہر وقت شہ کے لب پہ رہا شکرِ کبریا
سندی کے تازیانوں کی ہر روز تھی جفا — بہتا تھا خون جسم سے روحی لہ الفدا
ایذائے قید ایسی کسی نے سہی نہیں
بیداد اس طرح کی کسی پر ہوئی نہیں

القصہ زہر آپ کو انگور میں دیا جس سے جناب موسیٰ کاظمؑ نے کی قضا
بعضوں نے لکھا ہے یہ شہادت کا ماجرا گھلا کے شیشہ آپ کو جبراً پلا دیا

کیا کہوں کہ حال ہوا کیا امام کا
جل کر ہوا کباب کلیجہ امام کا

غل پڑ گیا کہ موسیٰ کاظمؑ نے کی قضا لاشہ کو لا کے جسر پہ اعدا نے رکھ دیا
اور چہرۂ امام سے کپڑا اٹھا دیا دو روز یوں ہی لاش کا چہرہ کھلا رہا

تھی لاش بے کفن شہ عالی مقام کی
توقیر تھی یہ آل رسولؐ انام کی

نزدیک بھائی تھا نہ پسر تھا نہ بھانجا تنہائی میں یہ ظلم و ستم واں مصیبتا
دو روز تک تو جسر پہ لاشہ پڑا رہا میت پہ نوحہ گر بھی ہائے کوئی نہ تھا

صدمے اٹھا کے ہائے جہاں سے گذر گئے
غربت میں آہ کاظمؑ ذیشان مر گئے

شیعہ نثار آپ کی غربت کے یا امام غربت میں تم شہید ہوئے اے شہ انام
بے جرم مارا آپ کو بادشاہ خاص عام ہاروں نے کیف کر دیا کام آپ کا تمام

خوف خدا نہ خوف رسول خدا کیا
شمع حیات آپ کی ظالم بجھا دیا

راہِ خدا میں حضرتِ کاظمؑ فدا ہوئے   اور غم میں مبتلا حرمِ مصطفٰؐ ہوئے

ظلم و ستم امام پہ حد سے سوا ہوئے   واحسرتا یتیم امامِ رضاؑ ہوئے

شیعوں کے سر سے اٹھ گیا سایہ امام کا

ہے جسر پر پڑا ہوا لاشہ امام کا

قتلِ تماشہ دیکھتے ہیں سارے مرد و زن   ہے زیرِ آفتاب امامِ ہدا کا تن

ہارون کا بھائی لاش پہ آیا بعدِ محن   حضرت کو اپنے گھر سے دیا قیمتی کفن

کاظمؑ کے پاس بھیجا خدا نے فدائی کو

لیکن کفن ملا نہ شہ کربلائی کو

مرثیہ نمبر ۸۸

شہادت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

زندانِ غم تھا موسیٰ کاظمؑ کے واسطے
تازہ ستم تھا موسیٰ کاظمؑ کے واسطے
آرام کم تھا موسیٰ کاظمؑ کے واسطے
بیحد الم تھا موسیٰ کاظمؑ کے واسطے
چھٹ کر پدر سے حاملِ رنج و محن رہے
پابندِ حکمِ حق کے امامِ زمن رہے

حلالِ مشکلات کے وارث امامِ دیں
مالک ہر آسمان کے مختارِ ہر زمیں
فرمانروائے ملکِ ولایت کے جانشیں
مشہور دو جہاں میں جہاندار سفتیمیں
آتے تھے کس ادب سے ملک بارگاہ میں
حیدر کا تخت و تاج تھا سرکار شاہ میں

دشمن تھا اس بزرگ کا ہارون نارشید
دنیا پرست مخربِ دیں پیرو یزید
لکھا ہے انتظام لعیں نے کیا جدید
اک بار نکلا حج کے بہانے سے وہ پلید
تھی فکر میری نسل خلافت سے شاد ہو
بڑھ جائے رعب اوجِ حکومت زیاد ہو

سادات کو رئیسوں کو نامے کیے رقم — جاہل نے بھیجے خط علماء کو بھی یک قلم
مضمون یہ تھا کہ مکے میں آئیں عرب عجم — اقرار میں کرم ہے اور انکار میں ستم
مانیں گے حکم جن کو علاقہ ہے دین سے
بیعت کریں سب آکے مرے جانشین سے

ڈنکا بجا وطن سے چلا فاسقِ انام — پہلے ہوا مدینے میں وارد باحتشام
قبرِ نبیؐ پہ آکے پکارا پس از سلام — ماں باپ میرے تم پہ فدا اے فلک مقام
ظاہر ہے کلمہ گوئے رسالت پناہ ہوں
حضرت سے اپنے قصد پہ میں عذر خواہ ہوں

ہرگز مجھے اطاعتِ کاظمؑ نہیں قبول — میں چاہتا ہوں قید کروں انکو یارسولؐ
رکھتا ہے اُسکی ذات سے کھٹکا یہ دل ملول — برپا ہوا فساد تو پھر اس سے کیا حصول
تدبیر وہ کروں کہ قصہ ہی پاک ہو
ایسا نہ ہو حضور کی امت ہلاک ہو

رنجیدہ کرکے روحِ نبیؐ کو وہ کینہ خواہ — پلٹا وہاں سے چیں بہ جبیں سوئے خیمہ گاہ
جاری کیا یہ حکم لعیں نے دمِ پگاہ — جائیں بنِ ربیع کے ہمراہ کج کلاہ
دشمن کو آج میرے نہ ہرگز اماں ملے
کرلیں اسیر موسیٰ کاظمؑ جہاں ملے

تھا روضۂ رسولؐ میں سلطانِ انس و جاں
مشغول تھا نماز میں وہ ہادی جہاں
پہنچے ملازمین ستمگر کے ناگہاں
کیونکر میں ظالموں کی شقاوت کروں بیاں

نرغہ سیاہ کاروں نے اک بار کر لیا
اس آہوئے حرم کو گرفتار کر لیا

بیکس کو لائے روضہ کے باہر جو اہل شر
اپنے پرائے رونے لگے ڈاڑھیں مار کر
گھبرائے اہلبیتِ نبی سن کے یہ خبر
سادات فاقہ کش کے لرزنے لگے جگر

برباد پھر وہ خانۂ آباد ہو گیا
تازہ غم اسیریٔ سجادؑ ہو گیا

پہنچا امام خلق جو حاکم کے روبرو
حضرت کی شکل دیکھ کے برہم ہوا عدو
سمجھا حقیر سرورِ دیں کو وہ تند خو
لختِ دلِ رسولؐ سے کی سخت گفتگو

دو محملیں منگا کے شقی نے غضب کیا
محبوس شہ کو ایک میں بے خوفِ رب کیا

بصرے کی سمت بھیجے گئے شاہِ بیکساں
بغداد کو وہ محملِ خالی ہوا رواں
مطلب یہ تھا کہ صاف کسی پر نہ ہو عیاں
راہی ہوا کدھر کو وہ خضرِ رہِ جناں

شبہے میں رہ کے لوگ مدد کو نہ جا سکیں
مظلوم کو نہ قید ستم سے چھڑا سکیں

بصرے سے سلطنت تھا بہت حاکمِ لئیم
عیسیٰ بن جعفر اسکا بھتیجا تھا واں مقیم
بھیجا اسی کے پاس کر دے صدمۂ عظیم
وہ فکر ہو کہ طفل ہوں معصوم کے یتیم
ماتم کی پھر بنا ہو علیؑ کے گھرانے میں
آجائے بے وطن کی اجل قید خانے میں

لکھا چچا کو لپٹ کے عیسیٰ نے صاف صاف
بندے کو قتلِ موسیٰ کاظمؑ سے رکھ معاف
میں کوئی بات ان کی نہیں دیکھتا خلاف
آتا نہیں زباں پہ کسی وقت حرفِ لاف
نفرین سے غرض نہ عداوت کسی سے ہے
ان کو فقط خدا کی عبادت سے کام ہے

یہ کارِ سخت اور کسی کے سپرد کر
ورنہ رہا کروں گا میں سید کو بے خطر
گھبرا گیا پڑھ کے خط کی عبارت کو اپنے گھر
باز آیا ظلم سے نہ ستمگار بدگہر
بصرے سے بیوفا نے بلا بھیجا شاد کو
بغداد میں اسیر کیا بے گناہ کو

غمخوار قید خانے میں تھی بادِ ذوالجلال
سجدے کو طول دیتے تھے سلطانِ خوش خصال
فاقوں سے گھل گیا تھا بدن ضعف تھا کمال
اٹھنا تھا ناگوار نقاہت کا تھا یہ حال
سمجھا نگاہ جس کی پڑی جسمِ پاک پر
کپڑا پڑا ہوا ہے کوئی فرشِ خاک پر

ہے مختلف بیانوں میں بیکس کا واقعا — اک قول ہے فشار گلے کو دیا گیا
کہتا ہے کوئی سنگدلوں نے یہ کی جفا — سینہ گداز کر کے دیا دا مصیبتا
مشہور یہ ستم بھی ہے رنجور کیلئے
تھی تیغ آہنی سرِ پُرنور کیلئے

دیندار اس بیان کو سمجھے ہیں معتبر — جانِ نبیؐ کا زہر سے ٹکڑے ہوا جگر
حالت ہے غیر پہنچی یہ ہارون کو خبر — مکّار کس قدر تھا وہ ناپاک و بدگہر
مطلب تھا بحث کچھ ہو نہ ظلمِ صریح میں
بھیجا طبیب خدمتِ فخرِ مسیح میں

آخر تڑپ تڑپ کے مسافر گزر گیا — مظلوم قید خانے کو ویران کر گیا
حیدر کے پاس وارثِ خیر البشرؐ گیا — بغداد میں مدینے کا سلطان مر گیا
ساماں تھا کیا نبیؐ کے یگانے کے واسطے
مزدور آئے لاش اٹھانے کے واسطے

حمال رک گئے کہ ہے لاشہ بہت گراں — دیکھا گلے میں طوق ہے پاؤں میں بیڑیاں
حدّاد آئے کرتے ہوئے نالہ و فغاں — تب قید سے رہا ہوئے سلطانِ انس و جاں
میّت غریب کی ستم ایجاد لے چلے
زنداں سے جانبِ پلِ بغداد لے چلے

مرثیہ نمبر ۸۹

شہادت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

وہ دن ہے آج چشم جہاں اشکبار ہے
وہ دن ہے آج قدسیوں کو انتشار ہے
وہ دن ہے آج روحِ نبی بیقرار ہے
وہ دن ہے آج فاطمہؑ کو اضطراب ہے
آہیں ہوئیں بلند دل ناتواں سے آج
اُٹھے ہیں آج موسیٰ کاظم جہاں سے آج

اب نالہ کش ہوں اہلِ عزا ہے دمِ بکا
کیونکر کروں میں عرض جو شہ پر ہوئی جفا
زنجیر و طوق میں کیا حضرت کو مبتلا
قبرِ رسولؐ ہل گئی محشر ہوا بپا
رو کر کہا نبیؐ سے نہ کیوں دل ملول ہو
مولا یہ ہماری آخری رخصت قبول ہو

مہلت قیام کی نہ ملی زیرِ آسماں
ہو کر اسیر موسیٰ کاظم ہوئے رواں
سختی کہاں سفر کی کہاں آہ نیم جاں
جلتا تھا جسم دھوپ کی شدت سے الاماں
تربت میں بے کلی تھی رسالت پناہ کو
بصرے میں لا کے قید کیا بے گناہ کو

ہوتے ہیں اب اسیر بلا و امصیبتا
ہچکی جو آئی محشر تازہ بپا ہوا
سر پیٹو خاک اڑاؤ عزادار اٹھ گیا
دنیا سے آہ جعفر صادقؑ کا دلربا

روتے جناح سے حیدر کرار آئے ہیں
پوتے کی لاش پر شہ ابرار آئے ہیں

کہتے ہیں سر کو پیٹ کے حیدر بصد بکا
قرباں تری غریبی پہ اے جانِ مرتضیٰ
کیا کیا نہ قید خانہ میں تجھ پر ستم ہوا
مرنے کے بعد طوق گلے سے جدا ہوا

آلِ نبی کے دل کو یہ کیسا محن ہوا
نیلا اثر سے زہر کے ہے ہے بدن ہوا

ہارون کا بھائی تھا جو سلیمان ذی وقار
تھا دل سے آلِ احمد کا دوست دار
بولا وہ دوستوں سے رو کر سنبھال زار
ہے ہے اٹھا زمانے سے عالم کا تاجدار

مصروف آہ و غم تازہ ہے مومنو
ہفتم امام کا یہ جنازہ ہے مومنو

اٹھوا کے لاش شاہ کی جس وقت لے چلا
کہتا تھا آگے آگے بہ نالہ و بکا
ہے ہے شہید ہو گیا عالم کا مقتدا
سر اپنا پیٹتا ہوا وہ مرد باخدا

داخل جو مقبرے میں بہ آہ و بکا ہوا
اعجاز سے ورود امام رضاؑ ہوا

آخر پسر نے غسل و کفن باپ کو دیا اور ساتھ احترام کے تربت میں بھی رکھا
دل کو فگار کرتا ہے اس غم کا ماجرا قرباں تری غریبی پہ اے شاہِ کربلا
پامال بعد قتل کیا تری لاش کو
ہے ہے کفن ملا نہ تنِ پاش پاش کو

اے عاشقانِ سیدِ شہنشاہ خاص و عام سر پیٹو خاک اڑاؤ یہ رونے کا ہے مقام
کیونکر کفن حسین کو ملتا بہ احتشام زنجیر میں اسیر تھے سجاد نیک نام
کیا غم اٹھائے فاطمہ کے نورِ عین نے
چالیس دن لحد بھی نہ پائی حسین نے

مرثیہ نمبر ۹۰

شہادت حضرت امام علی رضاؑ

اے شاہِ خراساں تری شوکت کے تصدق
اے نورِ مجسم تری صورت کے تصدق
الطاف کے قربان عنایت کے تصدق
آقا تری تنہائی و غربت کے تصدق
ہوں مضطرب الحال کہ رہتا ہوں قلق میں
ممدوح دعا چاہیئے مدّاح کے حق میں

ماموں نے جب شاہِ خراساں کو بلایا
ذرے نے فروغِ مہ تاباں کو بلایا
گمراہ نے خضرِ رہِ ایماں کو بلایا
ناچیز نے شاہنشہِ دوراں کو بلایا
آپس میں سخن تھا یہی درویش وغنی کا
ویران ہوا چاہتا ہے شہر نبیؐ کا

کرتے ہیں بیاں راوی اخبارِ مصیبت
مانوس تھیں حضرت سے بہت خواہرِ حضرت
تھی خواہرِ یوسف کی طرح آپ سے الفت
چھائی تھی شبِ صبحِ سفرِ غم کی جو ظلمت
شام اجل اُس رات کی اک ایک گھڑی تھی
آتی نہ انھیں نیند کہ تشویش بڑی تھی

لِلّٰہ سے کرتی تھیں دعا کھولے ہوئے سر
بھائی کو مبارک ہو سفر خالقِ اکبر
محفوظ رہیں خیر سے پھر آئیں برادر
تا روزِ جزا بھائی کا سایہ رہے سر پر
مالک پئے زہراؑ و یدُاللہ بچانا
تنہا کو میانِ سفر اللہ بچانا

شب بھر صفتِ مروہ بگو فال پھرا کیں
ہر اک طرف کھولے ہوئے بال پھرا کیں
تسبیح لئے مضطرب الحال پھرا کیں
نزدیک شہنشاہِ خوش اقبال پھرا کیں
زینب کی طرح غم کی چھری آہ چلی تھی
گویا وہ شبِ قتلِ حسینؑ ابن علیؑ تھی

سب عورتیں کہتی تھیں کہ غم آپ کھائیں
وسواس کریں رات کو آنسو نہ بہائیں
بی بی جو خدا چاہے تو جاتے ہی پھر آئیں
ضائع نہ کبھی جائیں گی ہم سب کی دعائیں
حضرت کو ہے تشویش کہ گویا نہیں ملتے
جو لوگ جدا ہوتے ہیں پھر کیا نہیں ملتے

کہتی تھی بڑی جبر سے جاتے ہیں غضب ہے
مایوس و پریشاں نظر آتے ہیں غضب ہے
رو کے مجھے سینہ سے لگاتے ہیں غضب ہے
کہتے نہیں کچھ حال چھپاتے ہیں غضب ہے
بیدل کو یقیں ہے کہ نہ آئیں گے بھائی
افسوس ہے اس شہر سے کل جائیں گے بھائی

تھا خانۂ مولا میں یہ سامان یہ کہرام — تھے جمع ادھر عاشقِ سلطانِ خوش انجام

اسبابِ سفر لے گئے ڈیوڑھی سے جو خدام — پوچھا کہ جو بیدار ہیں یا کرتے ہیں آرام

بولے کہ ہوا چاہتے ہیں جلوہ گر آقا

اٹھے ہیں ابھی پڑھ کے نمازِ سفر آقا

لو اہلِ عزا روؤ پریشاں کا سفر ہے — ہے حشر بپا شاہِ خراساں کا سفر ہے

اے ماتمیو مالکِ ایماں کا سفر ہے — ویراں ہے مدینہ شہِ ذیشاں کا سفر ہے

ہے کوچ گرفتارِ بلا ہوتے ہیں آقا

اب قبرِ محمد سے جدا ہوتے ہیں آقا

ہاں بہرِ امامِ دوجہاں خاک اڑاؤ — آنکھوں سے گہر و اشکِ رواں خاک اڑاؤ!

شیعو ہے دمِ آہ و فغاں خاک اڑاؤ — روتے ہیں ملک آ کے یہاں خاک اڑاؤ

فریاد جگر زہر سے چھانیں گے رضا کا

ماتم میں ہو غل ہائے غریب الغربا کا

اب لکھتے ہیں یوں راویٔ مغموم و حزیں دل — تھے مہر صفت مرحلہ پیمائے عادل

دردا بسِ رنج و الم و طے منازل — وہ چاند ہوا خانۂ مامون میں داخل

قصرِ ستم ایجاد میں تصویرِ علی تھی

بتخانے میں شمعِ حرمِ لم یزلی تھی

گمراہ نے جب زہر دیا راہنما کو
آغاز ہوا کرب شہِ ارض و سما کو
چھوڑا نہ رضاؑ نے کبھی تسلیم و رضا کو
اونچے کیے گردوں کی طرف ہاتھ دعا کو

کی عرض عجب عالمِ غربت ہے مدد کر
تو مونسِ تنہائی و وحشت ہے مدد کر

معبود سفر میں مجھے در پیش سفر ہے
ہر ایک طرف حسرت و حرماں کی نظر ہے
ٹکڑے صفتِ سیدِ معصوم جگر ہے
ہے باپ نہ ماں ہے نہ بہن ہے نہ پسر ہے

آسان مری مشکل یہ دعا کون کرے گا
امداد یہاں تیرے سوا کون کرے گا

ہے غیر بہت حال دوا کچھ بھی نہیں ہے
مہماں کو دیا زہر حیا کچھ بھی نہیں ہے
مالک ترے بندے کی خطا کچھ بھی نہیں ہے
ہے تجھ سے غرض ان سے گلا کچھ بھی نہیں ہے

گو رنج یہاں لوگ نہ زنہار کریں گے
ماتم ترے مظلوم کے زوار کریں گے

فرما کے دعا مر گئے افسوس صد افسوس
افسوس رضاؑ مر گئے افسوس صد افسوس
تن سرد ہوا مر گئے افسوس صد افسوس
کیا راہنما مر گئے افسوس صد افسوس

حجرے میں جو ہر سمت کو میت کی ضیا تھی
حسرت اسے کہتے ہیں حسرت کی صدا تھی

مرثیہ نمبر ۹۱

شہادت حضرت امام علی رضاؑ

راضی رضا تھے مرضیِ پروردگار پر
مجبور دل کو رکھتے تھے کس اختیار پر
دیتے تھے جان جادۂ صبر و قرار پر
چلتے تھے مسلکِ پدرِ نامدار پر
تھا حلم کاظمی شہِ عالی جناب میں
دل میں جو روشنی تھی نہیں آفتاب میں

شہرہ ہوا امامِ دو عالم کا شہر شہر
کہتے تھے یہ سب پھول ہے گلزارِ باغِ دہر
امرت ہے ابن کا عشق عداوت ہے اس کی زہر
سید کے دشمنوں پہ ہو نازل خدا کا قہر
دولت یہ ہے رسولؐ کی نعمت خدا کی ہے
نام خدا ہی توصفت اولیا کی ہے

جو صاحبِ یقین تھے بڑھا ان کا اعتقاد
حضرت سے خار کھانے لگے بانیِ فساد
رکھتے تھے خاندانِ رسالت سے جو عناد
ان حاسدوں کے دل کی کدورت ہوئی زیاد
کہتے تھے اُن کے واسطے جاہ و حشم کہاں
آلِ نبیؐ نے کی جو حکومت تو ہم کہاں

مامون شاہِ دیں کا بظاہر تھا قدر داں — باطن میں بغض رکھتا تھا حضرت سے بدگماں
اس کا سبب یہ تھا کہ شہنشاہِ انس و جاں — لاتے نہ تھے کلامِ خوشامد کا درمیاں
ہرگز نہ امرِ و نہی میں وسواس کرتے تھے
حق بات کہنے میں نہ کبھی پاس کرتے تھے

اک روز آئے ملنے کو سلطانِ بحر و بر — دیکھا عجیب شان سے بیٹھا ہے بے خبر
خادم تو پانی ڈالتا ہے اُس کے ہاتھوں پر — مشغول ہے وضو میں وہ مغرور خیرہ سر
بولے رضا کہ اس میں رضائے خدا نہیں
ہو دوسرا شریکِ عبادت روا نہیں

شرما کے اُس نے لے لیا خادم سے ظرفِ آب — دل آتشِ غضب سے مگر ہو گیا کباب
جب وعظ و پند کرتے تھے شاہِ فلک جناب — رہ جاتا تھا عدوئے خدا کھا کے پیچ و تاب
اس طرح رفتہ رفتہ وہ بیزار ہو گیا
مہماں کو زہر دینے پہ تیار ہو گیا

تھا وہ شقی سفر میں مع لشکر و سپاہ — ہمراہ تھے امامِ اُمم حجتِ اِلا
ل سنگدل نے جانِ مسافر کی بے گناہ — انگور یا رطب میں دیا زہر آہ آہ
رستے میں دردمند مسیحِ زماں ہوئے
آثارِ زہرِ قتل سے بدن پر عیاں ہوئے

خیر الانام آئے عیادت کے واسطے
چھوڑا مدینہ اُن کی رفاقت کے واسطے
بنتِ رسولؐ پوتے کی راحت کے واسطے
دیتی تھیں حق کو قدر و رحمت کے واسطے

لختِ جگر کے غم میں حسنؑ کو نہ ہوش تھا
آگاہ رنجِ زہر سے وہ سبز پوش تھا

بیکس حسینؑ روتے ہوئے کربلا سے آئے
سجادؑ ناتواں نے بھی صدمے بہت اٹھائے
کہتا ہے چاؤ پیار کر تشریف سب لائے
بیٹا بیاں وہ باقرؑ و جعفرؑ کی ہائے ہائے

گریاں جفائے بانیٔ بیداد سے چلے
کاظمؑ پسر سے ملنے کو بغداد سے چلے

شیعوں کا پیشوائے ہم دلبرِ رضاؑ
نامِ خدا محمدؐ محمدؐ التقا
جس کا لقب جواد ہے روحی لہ الفدا
برحق امام خلق تقیؑ شاہ اتقیا

در پردہ آیا نزدِ پدر رونے کیلئے
حضرت کا جانشین و وصی ہونے کیلئے

تعلیم کر کے بیٹے کو اسرارِ کردگار
عازم ہوئے بہشت کے آقائے نامدار
دردِ جگر سے روح تھی قالب میں بیقرار
پہلو میں دل تھا زہر کی تاثیر سے فگار

سوجھا ہوا تھا سب تنِ اقدس حضورؑ کا
گھٹنا اجل کے صدمے سے آنکھوں کے نور کا

تھوڑی سی رات گذری تھی ڈوبا جو وہ قمر شیعوں کے رہنما نے جہاں سے کیا سفر
آثارِ حشر آنے لگے ہر طرف نظر غربت پہ بے وطن کی ملائک تھے نوحہ گر
جب رو رہے تھے غم تھا مصیبت نصیب کا
اوج ہوا پہ شور تھا مات الغریب کا!

وہ وقت آگیا کہ ہوئے قلب آب آب میت کا غسل ہو نے لگا روئے شیخ و شاب
پنہاں ہوا کفن میں دلِ جانِ بوتراب برجِ شرف کا چاند ہوا داخلِ سحاب
رستے بھرے تھے ماتمیوں کے ہجوم سے
تابوت اٹھا غریبِ خراساں کا دھوم سے

جن عورتوں کے عقد کو گذری تھی ایک شب لے لے کے شوہروں سے اجازت چلیں وہ سب
روتی تھیں ساتھ ساتھ جنازے کے با ادب مہماں تھا اُن کا محسنِ امت شہ عرب
ایسا کبھی کسی کا جنازہ اٹھا نہ تھا
ملکِ عجم تھا وادیٔ کرب و بلا نہ تھا

کرتا ہوں یاد آپ کو اِس وقت یا حسینؑ بے غسل و بے کفن شہ گلگوں قبا حسینؑ
مقتولِ ظلم بیکس و بے آشنا حسینؑ پروردۂ کنارِ رسولِؐ خدا حسینؑ
کس کا سہارا تھا بدنِ پاش پاش کو
ہے ہے ملا تھا تیروں کا تابوت لاش کو

مرثیہ نمبر ۹۲

شہادت حضرت امام رضاؑ

تنہائی میں آوارہ وطن ہوتے رضاؑ ہیں | زہراؑ و علیؑ رنج میں مصروف بکا ہیں
یہ آٹھویں سردار بھی اب ہوتے جدا ہیں | مسموم ہیں مظلوم ہیں پابند بلا ہیں

سمجھا نہ کوئی رتبہ سلطان یگانہ

دشمن ہی رہا سبط پیمبرؐ کا زمانہ

سب عزّ و شرف بھول گیا ہائے وہ گمراہ | اور دل سے ہوا عترت اطہار کا بدخواہ
مہمان ہوئے آکے وہیں سید ذی جاہ | تعظیم کی حضرت کی ستم گر نے بہ اکراہ

مامون نے ولی عہد کیا شاہ امم کو

تھے مانتے سب لوگ شہنشاہ عجم کو

مامون نے توقیر نہ کچھ سمجھی رضاؑ کی | آئے جو خراساں میں تو ظالم نے جفا کی
محبوب الہٰی کے نواسے سے دغا کی | مولا کو دیا زہر دہائی ہے خدا کی

تھی شاق جدائی شہ والا کو پسر سے

غم یہ تھا کہ غربت میں چلے جاتے ہیں گھر سے

ہر بار لپٹ جاتے ہیں روضہ سے نبیؐ کے
فرماتے تھے اے جد میں جدا ہوتا ہوں تم سے

کفار چھڑاتے ہیں مجھے در سے تمہارے
ہر بار کلیجے سے تقی کو تھے لگاتے

آغوش میں خورشیدِ امامت کے قمر تھا
اور مطلعِ انوار تجلی سے وہ گھر تھا

ماموں نے دی جو سبطِ نبیؐ کو بہت ایذا
سب رحمتوں کو احمدِ مرسل کے بھلایا

لختِ دلِ حیدرؑ کو دیا زہر دغا کا
جس سے نہ بچا حیدرِ کرار کا جایا

احسان فراموش تھا کیا وہ جفا جو
توقیر نہ سمجھا شہ والا کی وہ بدخو

آگاہ کیا ہر شخص کو حال سے اپنے
فرمایا کہ نے ماموں نہ مجھے غسل و کفن دے

حجرے میں میری لاش ہے سوتے جو آئے
جب تک نہ اٹھے پردہ نہ جانے کوئی دے

مدفن کی طرف جائے گا پھر میرا جنازا
قاتل بھی مرا شامتی بدخو وہاں ہوگا

حضرت کو بہت شان سے ماموں نے بلایا
اصرار سے پھر آپ کو انگور کھلایا

انگور میں قاتل نے دیا زہر تھا کیسا
ٹکڑے ہوا دل فاطمہؑ کے لختِ جگر کا

نکلے تھے باہر کہ قیامت ہوئی برپا
سو ٹکڑے کلیجہ ہوا مرجھا گیا چہرہ

ہر بار میں بیتابی میں تھے لیتے کروٹیں — گھبرا کے کبھی اپنے بستر سے تھے اٹھتے

اس کرب و قلق میں شہ آوارہ وطن تھے — خاموش کبھی رہتے کبھی آہ تھے کرتے

جس جا کہ غریب الغربا کو اجل آئی

لوٹی گئی پردیس میں احمد کی کمائی

تیار تھی وہاں میت شاہنشہ والا — نظروں میں سب کے ہوئی جو دنیا تہ و بالا

سر پیٹتے تھے اہلِ ولا حال برا تھا — غل تھا کہ چلا دہر سے احمدؐ کا نواسا

روتے تھے وہاں برسرِ لاشِ شہِ دیں پر

مظلوموں کی فریاد سے تھا عالمِ محشر

ماتم کی صدا سنتے ہی مامون لگا رونے — گھبرایا مگر کہیں کھلنے نہ پائے

ہمراہ جنازے کے چلا خیر سے پہلے — پھر لاشِ مظلوم پہ سب لوگ بھی آئے

غربت میں اجل آئی غریب الغربؑا کو

دفنایا بصد رنج و الم سب نے رضاؑ کو

ہیں مومنین سر پیٹتے اور خاک اڑاتے — نالے دلِ مغموم کے تا عرش ہیں جاتے

یاد درد و الم ہیں صفِ ماتم کو بچھاتے — پرسے کو فرشتے بھی ہیں افلاک سے آتے

حالِ شہِ مظلوم لکھ اب تو نہ زلیقہ

افراطِ رنج و غم سے پھٹتا ہے کلیجہ

مرثیہ نمبر ۹۳

شہادت حضرت امام محمد تقیؑ

جب زہر سے شہید جناب رضاؑ ہوئے اور ماتم پدر میں تقیؑ مبتلا ہوئے
مغموم شیعیان رسولؐ خدا ہوئے کہتے تھے حیف ہم شہ دیں سے جدا ہوئے
دل زہر سے ہو ٹکڑے شہ کائنات کا
ہے تلخ ہم غلاموں کو شربت حیات کا

لکھا ہے درمیان جلا ئیوں یہ حال مامون نارشید کو تھا سخت انفعال
آیا سوئے مدینہ طیب وہ بد خصال تھے جمع ایک جا کئی اطفال خورد سال
اور ان میں ایستادہ یتیم امام تھا
جلوہ نما نجوم میں ماہ تمام تھا

جاہ و حشم سواری مامون کا دیکھ کر اطفال جو ہم تھے وہ بھاگے ادھر ادھر
لیکن کھڑا رہا شہ ابرار کا پسر مامون نے جمال تقی پر جو کی نظر
کہنے لگا کہ تم کو مرا کچھ خطر نہیں
واقف تو میرے جاہ و حشم سے مگر نہیں

شہ نے کہا ہمیں ہے فقط خوفِ کبریا
اے بے شعور بندے کو بندے سے خوف کیا

حیران ہو کے شہ سے خلیفہ نے پھر کہا
نام اپنا اور باپ کا اپنے مجھے بتا

فرمایا شاہِ دیں نے تقیؑ میرا نام ہے
بابا میرا رضاؑ شہِ عالی مقام ہے

تو نے جسے شہید کیا ہے مرا پدر
میں بیکس و یتیم اُسی شہ کا ہوں پسر

یہ سُن کے منفعل ہوا مامون زیادہ تر
واں سے چلا بسوئے بیاباں وہ بدگہر

مُدّت آج اک نظر پڑا اُس حیلہ ساز کو
بہرِ شکار چھوڑ دیا اُس نے باز کو

تھا بازگشتِ باز کا خواہاں گروہ باز
جنگل میں آ کے باز تھی ماموں کی چشم باز

لیکن پھر آیا وہ باز بس از مدتِ دراز
منقار میں تھا ماہی زندہ لئے وہ باز

ماہی کو اُس شقی نے لیا اپنے ہاتھ میں
اور آیا خدمتِ شہ عالی صفات میں

دیکھا کھڑا ہوا ہے وہیں نائبِ رضاؑ
اور اُن کے گرد و پیش ہیں اطفال مہ لقا

بولا کہ اے تقیؑ مجھے بتلاؤ تو بھلا
پوشیدہ اس گھڑی یہ مرے ہاتھ میں ہے کیا

معلوم حال غیب کا لاریب ہے تمہیں
لاریب روز و شب خبرِ غیب ہے تمہیں

حضرت نے مسکرا کے اس سے کیا مقال　　ماہیت ایک مچھلی کی کہنا ہے کیا مجال
میں جانتا ہوں ماہ سے ماہی تلک کا حال　　پیدا کیے ہیں حق نے کئی بحر بے مثال
بالا جو ابر ہوتا ہے دریائے آب سے
ہوتی ہے مچھلیوں کی بلندی سحاب سے

اس ابر پر بلند جو ہوتی ہیں مچھلیاں　　شہباز آ کے کرتے ہیں صیداں کو ناگہاں
اور بادشاہ کر کے انہیں ہاتھ میں نہاں　　آلِ نبیؐ سے پوچھتے ہیں بہرِ امتحاں
مفتاحِ بابِ علم ہماری زبان ہے
مچھلی ہے تیرے ہاتھ میں پر نیم جان ہے

مامون کو اس بیاں سے تعجب ہوا کمال　　بولا بہ ربِ کعبہ کہ تو ہے رضاؑ کا لال
ہمراہ شاہ کو لیا با حشمت و جلال　　داخل ہوا جو شہر میں اپنے وہ بد خصال
ظاہر میں تھا عقیدہ شہ نیکنام سے
دختر کا اپنی عقد کیا اس امام سے

یہ رسم اقربا پہ ہوئی اُس کو ناگوار　　مامون نے پر کیا نہ سخن اُن کا اختیار
ہر روز معجزے ہوئے حضرت سے آشکار　　سب عالمانِ شہر تھے محجوب و شرمسار
اس سے بھلا مقابلہ کیونکر بشر کرے
جد جس کا ایک انگلی سے شق القمر کرے

لکھی ہے یوں شہادتِ سلطانِ بحر و بر
ماموں رشید جب کہ ہوا داخلِ سفر
تھا اُس کا بھائی معتصمِ نحس بد گہر
بغداد کا خلیفہ ہوا پھر وہ کینہ ور

نامہ لکھا عدو نے شہ نیک نام کو
بغداد میں طلب کیا اس نے امام کو

بغداد کو رواں جو ہوئے شاہِ نیک ذات
وہ دخترِ خلیفہ چلی شاہ دیں کے سات
اس روز بھی مدینہ میں تھی طرفہ واردات
قبرِ نبیؐ پہ پہلے گئے شاہِ کائنات

رو کر کہا رسولِ خدا کے مزار سے
بندہ بھی آج جاتا ہے اپنے دیار سے

یہ کہہ کے قبرِ ختمِ رُسلؐ سے ہوئے جدا
پھر شاہ نے علی نقیؑ کو وصی کیا
فرمایا صبر میری جدائی میں ہے خدا
محشر کے روز ہوئینگے ہم تم اب ایکجا

بغداد میں مگر تو مرے پاس آئے گا
مرقد تو ہی غریب پدر کا بنائے گا

بغداد کو روانہ ہوئے شاہِ نامدار
پہنچا جو اس دیار میں وہ شاہِ بیدیار
ہمراہ تھی خلیفہ کی دختر جو بد شعار
حال اپنا معتصم سے کیا اُس نے آشکار

نظروں میں شہ کے کچھ نہیں میرا وقار ہے
اور مادرِ نقیؑ پہ کرم بے شمار ہے

حاطر کی معتصم نے بھتیجی کی بیشتر
اور بولا زہر دے کے تقیؑ کو ہلاک کر

یہ کہہ کے لا دیا اُسے پھر زہر با اثر
آئی وہاں سے خدمتِ شہ میں وہ بد گہر

کوشش کی اس نے قتلِ جنابِ امام میں
زہر دغا کھلایا ملا کر طعام میں

سید جو شہ کے تن پہ ہوا زہر کا اثر
ملعونہ منفعل ہوئی وہ حال دیکھ کر

وہ بیکسی پہ شاہ کی روئی وہ بد گہر
شہ نے کہا کہ تو بھی ہے بیشرم کس قدر

ایسی بھی دشمنی کہیں دنیا میں ہوتی ہے
پہلے تو مجھ کو زہر دیا اب تو روتی ہے

بتلا تو روزِ حشر میں کیا ہوگا تیرا حال
خاتونِ حشر کھولے گی جب اپنے سر کے بال

اور ہوگا دستِ فاطمہ میں عرشِ ذوالجلال
اس وقت تجھ کو ہوئیگا کس درجہ انفعال

اب گھر میں معتصم کے تو چھپنے کو جائیگی
محشر میں فاطمہ سے کہاں منہ چھپائیگی

یہ کہہ کے شاہِ پاک نے کلمہ کیا ادا
اور جانبِ بہشت گیا نائبِ رضاؑ

اے مومنو یہ راوئ پر غم نے ہے لکھا
واں آئے مجرے سے نقی شاہِ اتقیا

قبرِ پدر بنائی شہِ نیک نام نے
مدفون کیا امام کو آکر امام نے

مرثیہ نمبر ۹۴

شہادت حضرت امام محمد تقیؑ

ابن الرضاؑ بھی سالکِ راہ رضا رہا
سجادہ رسولؐ پہ شغلِ دعا رہا
ہر رنج میں زبان پہ شکر خدا رہا
گنتی کے دوست دل سے تھے دشمن ہزار تھا
بدخواہ کتنے اس قمرِ مرتضیٰؑ کے تھے
تھا اک چراغ سینکڑوں جھونکے ہوا کے تھے

کیا حال ہو رضاؑ کے جگر بند کا بیاں
پیارا تھا مرتضیٰؑ کا وہ سلطانِ انس و جاں
معجز نما۔ امام زماں۔ ہادیٔ جہاں
ایسے ولی کے درپئے ایذا تھے بدگماں
سوزِ الم سے دل میں تھے چھالے پڑے ہوئے
تھے رشکِ گل کو جان کے لالے پڑے ہوئے

لعنت خدا کی معتصمِ نابکار پر
بھیجا پیام چھوڑ دیئے گھر آیئے ادھر
درپیش آہ پھر ہوا بغداد کا سفر
پر اس سفر نے منزلِ آخر کی دی خبر
مظلوم کا یہ کوچ وطن سے اخیر تھا
مشتاق کنجِ قبر کا وہ گوشہ گیر تھا

ہمراہ اُمِّ فضل بھی تھی موردِ عذاب
یثرب سے جا رہی تھی خوشی اسکو بیحساب
اس کا چچا تھا معتصم خانماں خراب
بغداد میں پہنچ گئے شاہِ فلک جناب

توقیر ظاہری تو بہت بیوفا نے کی
پر فکر قتلِ شاہ اُس اہلِ جفا نے کی

بغداد میں مقیم رہے سال بھر حضور
ناری یہ چاہتا تھا کہ گُل ہو چراغِ نور
واقف تھا اُمِّ فضل کی حالت سے پر فتور
رکھتی تھی بغض رہبرِ عالم سے بے شعور

ظالم کے مشورے سے وہ خرسند ہو گئی
کہنے پہ معتصم کے رضامند ہو گئی

یہ بے مروتی یہ ستم یہ غضب، یہ قہر
وہ بیکسی امام کی وہ دور اپنا شہر
دیکھیں تو اہلِ دل خلشِ خارِ باغِ دہر
انگورِ رازقی میں دیا فاقہ کش کو زہر

لیں کروٹیں علیؑ ولی کو پکار کے
اعضائے پاک سوج گئے دل فگار کے

رونے لگی وہ دیکھ کے حضرت کا حالِ زار
فرمایا آپ نے کہ عبث ہے تو اشکبار
اس عار سے خدا دیگا سزا تجھ کو کردگار
جس کا کوئی علاج نہیں اے جفا شعار

دیتی جواب کیا سرِ ملعونہ جھک گیا
دم شاہِ دیں کا زہر کے صدموں سے رک گیا

تکلیف پائی چند شب و روز حال گسل — تاثیرِ سُم سے آگ تھی سینہ میں مشتعل
وہ کرب وہ جگر کی حرارت وہ دردِ دل — ہوتا گیا رسول کا دلدار مضمحل
حاکم نے کی مدد نہ توجہ طبیب نے
آخر سفر کیا سوئے جنت غریب نے

کمھلا کے رہ گیا گلِ تر بوترابؑ کا — مرجھا گیا نونہال رسالت مآبؐ کا
دیکھا جوانا مرگ نے رنگ انقلاب کا — وہ موت بیکسی کی وہ موسم شباب کا
کیوں پیرِ چرخ جلے تاسف سے یا نہیں
کمسن اماموں میں کوئی ایسا ہوا نہیں

جس وقت زندگی نے دیا آپ کو جواب — بالائے بام تھا وہ امامت کا آفتاب
رستے میں آئے زیرِ مکاں خانماں خراب — کوٹھے پہ نعش چھوڑ گئے اعدائے بوترابؑ
کن لفظوں میں وہ حادثۂ جانگزا کہوں
دنیا کا یہ نشیب و فراز اور کیا کہوں

خالی مقام گل کا ہوا خار سے چلے — تابوت میں نہ لاش کو غدار لے چلے
ہاتھوں پہ میت شہ ابرار لے چلے — ٹھکرائے سقف جانبِ دیوار لے چلے
خود گر پڑے نہ وہ ستم آرا زمین پر
پہنچا فلک سے ٹوٹ کے تارا زمین پر

انجام اس طرح بھی کتابوں میں ہے رقم
شیعوں نے آپ کے جو سُنا یہ نیا ستم
روتے ہوئے گئے سرِ تسلیم کرکے خم
میت کو بہرِ غسل اٹھایا بچشمِ نم
سینوں کو اپنے خستہ جگر پیٹنے لگے
عمامے پھینک پھینک کے سر پیٹنے لگے

نہلایا اس مسافرِ دار السلام کو
بھر آئے دل کفن جو پہنایا امام کو
تابوت میں لٹا کے شہِ خاص و عام کو
پرسا دیا علیؑ کو رسولِ انام کو
نالے طواف کرتے تھے عرشِ مجید کا
ماتم کیا اٹھا کے جنازہ شہید کا

تھیں تربتیں قریش کی بغداد میں جہاں
مشہور کاظمین ہے اب غیرتِ جناں
دیندار ننگے سر اسی جانب ہوئے رواں
پہنچا وہاں جنازۂ سلطانِ انس و جاں
اک طفلِ مہ لقا کا گزرنا کہاں ہوا
وہ مقتدا نماز پڑھا کر نہاں ہوا

حس جا تھی قبرِ موسیٰ کاظم فلک وقار
پہلو میں اس لحد کے کھدا دوسرا مزار
شیدہ زیرِ خاک ہوا نورِ کردگار !
حسرت پکارتی تھی کہ اس شان کے نثار
تاخیرِ دفن سے کبھی شرف آشکار ہے
یہ وارثِ حسین غریب الدیار ہے

مرثیہ نمبر ۹۵

شہادت حضرت امام محمد تقیؑ

آلِ نبیؐ پہ تازہ مصیبت کا دن ہے آج
گریاں ہے آسمان بھی قیامت کا دن ہے آج
اے اہل عزا بزم نالہ و رقت کا دن ہے آج
آفاق میں تقیؑ کی شہادت کا دن ہے آج
آلِ نبیؐ میں شیعوں وہ رقت کا جوش ہے
اندھیر ہے کہ شمع امامت خموش ہے

دشمن جو معتصم تھا محمدؐ کی آل کا
ہے ہے نویں امامؑ پہ ظالم نے کی جفا
کھانے میں اس نے زہر دیا وا مصیبتا
کھاتے ہی اس کے شہ کا جگر چاک ہوگیا
فرطِ الم سے آلِ نبیؐ اشکبار تھے
بستر پہ جانشینِ مصطفیٰؐ بیقرار تھے

فرزند کو لگا کے گلے شہ نے یہ کہا
اب میرے بعد تم ہو دو عالم کے مقتدیٰ
لازم ہے صبر وقت بلا میرے مہ لقا
ہوتا ہے ہمارا کوچ زمانہ سے دل ربا
جاتا ہوں اس جہان کے منزل میں قبر کی
کرنا تم اہل بیت کو تلقین صبر کی

تڑپا یہ ذکر سن کے محمد تقیؑ کا لال　　ہاتھوں سے دل کو تھام کے دیکھا پدر کا حال

چہرہ تھا زرد دل پہ ہجومِ غم و ملال　　بولے کہ جو رضا تری اے ربِ ذوالجلال

فرزند دور ہوتا ہے اپنے پدر سے آہ

اٹھتا ہے سایہ باپ کا اب میرے سر سے آہ

تلقینِ صبر کی شہِ عالی مقام نے　　ہچکیاں بڑھائیں قضا کے پیام نے

اگلا لہو منہ سے شہِ نیک نام نے　　پھیلائے پاؤں گاہ سمیٹے امام نے

آخر اثر سے زہر کے مولا گزر گئے

بیت الشرف میں شور ہوا شاہ مر گئے

سایہ اٹھا امامِ دو عالم کے سر سے آج　　اٹھتی ہے ہوک شیعوں کے دردِ جگر سے آج

آواز گریہ آتی ہے ہر بام و در سے آج　　دل خون ہو کے بہتا ہے ہر چشمِ تر سے آج

طوفانِ رنج و غم سے دلوں کو لقب ہوا

ڈوبا جہازِ امتِ عاصی غضب ہوا

آخر پسر نے باپ کو غسل و کفن دیا　　نورِ نظر نے باپ کو غسل و کفن دیا

لختِ جگر نے باپ کو غسل و کفن دیا　　جانِ پدر نے باپ کو غسل و کفن دیا

اک دفترِ صحیفۂ رنج و محن میں کھلا

دیدارِ آخری کے لئے جب کفن کھلا

مرثیہ نمبر ۹۶

شہادت حضرت امام علی نقیؑ

شہید ظلم و ستم ہیں سب اوصیائے علیؑ
جفا کشیدۂ دنیا ہیں اقربائے علیؑ
علی الخصوص نقی تھے جو دلربائے علیؑ
نثار اس پہ محبانِ جاں فدائے علیؑ

سفر میں باپ کا دل زہر سے دو نیم ہوا
یہاں مدینے میں شش سالہ وہ یتیم ہوا

اگرچہ عمر تھی کم پر بہت تھا جاہ و جلال
علوم غیب پہ اس سن میں تھا عبور کمال
بتایا کرتے تھے ماضی و حال و استقبال
یتیم ہو کے وطن میں رہے نہ تیرہ سال

ابھی نہ داغِ یتیمی مٹا تھا سینہ سے
طلب کیا متوکل نے جو مدینہ سے

لکھا ہے خط متوکل کے جب قریب آئے
گئے علی نقی سامرہ میں تب لائے
میں کیا کہوں متوکل نے جو الم پہنچائے
امام دیں سے ملاقات کی نہ اس نے ہائے

امام آ کے گرفتار جو بلا میں ہوئے
فرود جا کے غرض کارواں سرا میں ہوئے

ہوا فرود سرا میں وہ شاہِ بحر و بر سرا ‌ ‌ ‌ سرا وہ تھی کہ جہاں استقامت غربا
خلیفہ کو تھا خیالِ حقارتِ مولا ‌ ‌ ‌ بیان کرتا ہے ابن سعید اہلِ وفا

مقیم جب کہ سرا میں شہِ انام ہوا
تو ایک روز میں حاضر پئے سلام ہوا

پس از سلام کہا میں نے اے مرے مولا ‌ ‌ ‌ ہزار جان سے ابن سعید تم پہ فدا
کہاں اتارا ہے ظالم نے تم کو واویلا ‌ ‌ ‌ مقام آپ کا ہے مسندِ رسولِ خدا

ذرا نہیں متوکل خدا سے ڈرتا ہے
عزیزِ شیرِ خدا کو حقیر کرتا ہے

امام ہنس کے لگے کہنے اے سعادت مند ‌ ‌ ‌ بلند کرتا ہے جس کو خدائے پست و بلند
مکانِ پست سے ہوتا نہیں کچھ اس کو گزند ‌ ‌ ‌ رسولِ صاحب معراج کا ہوں میں فرزند

زمیں پہ بیٹھنے سے آبرو ہماری ہے
ابو تراب کے بیٹوں میں خاکساری ہے

یہ کہہ کے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ دیکھ ادھر ‌ ‌ ‌ نگاہ کی تو مجھے باغ سبز آیا نظر
ہر ایک شاخ شجر میوہ دار سر تا سر ‌ ‌ ‌ اور اس میں نہر رواں مثلِ چشمۂ کوثر

ہر اک فرشتہ کے تن میں لباس نور کا ہے
روش روش پہ چمن کے ہجوم حور کا ہے

اور اُسکے صحن میں ہیں قصر گوہر و یاقوت — نظارۂ باغ کا اہلِ نظر کی روح کا قوت
ہر ایک قصر سے ہے قدرتِ خدا کا ثبوت — غرض کہ جمع ہے یہاں نورِ خالقِ ملکوت

لکھا ہے در پہ یہ ہے ایک بوستانِ نقی
ہیں اس کے مالک و مختار دوستانِ نقی

امام پاک کے رتبہ پہ کی جو اس نے نگاہ — قدم پہ گر پڑا ابن سعیدِ حق آگاہ
زبانِ صدق بیاں سے کہا یہ پھر اے شاہ — امام عصر ہے تو لا الٰہ الا اللہ

وصی خاص ہے تو شیر کبریائی کا
قسم خدا کی تو مختار ہے خدائی کا

کہا امام نے اے میرے مونسِ دلخوار — تو معتقد ہے مرا مرحبا جزاک اللہ
خلیفہ گو کہ نہیں میری قدر سے آگاہ — مگر خدا نے کیا ہم کو دو جہاں کا شاہ

جہاں ہیں کس لئے ہم طالبِ مکان ہوئیں
ہماری سیر کو جب ایسے بوستان ہوئیں

اب آگے لکھتے ہیں زرّاقہ ایک تھا درباں — پھر اس کے گھر میں ہوئے قید شاہِ ہر دو جہاں
تھا اک جواں محبِ امام پیر و جواں — گیا زیارتِ مولا کو ایک دن وہ وہاں

عجب مقام پہ وہ شاہِ دیں نظر آیا
حصیر پر شہِ کرسی نشیں نظر آیا

مگر جمالِ مبارک تھا غم سے زرد کمال — نحیف جسم شریف اور دراز سر کے بال
علیؑ کے لال کی آنکھیں تھیں فرطِ گریہ سے لال — لحد بھی کندہ ہے واں نزد شاہِ نیک خصال

یہ حال دیکھ کے وہ دوست دار رونے لگا
محب سیدِ عالی وقار رونے لگا

کہا امام نے روتا ہے کس لئے اے یار — اگرچہ قبر میری پیش مرگ ہے تیار
ابھی گزند نہ پہنچے گا مجھ کو کچھ زنہار — وداع کر مجھے اے میرے عاشقِ غمخوار

قریب خلد میں تیرا امام جاتا ہے
ہر ایک لحظہ اجل کا پیام آتا ہے

یہ سن کے شہ سے مرخص ہوا وہ نیک شعار — رہے اسیر کئی ماہ سیدِ ابرار
یہ ایک روز کا ہے ذکر واردِ اخبار — کیا وزیر کو حاکم نے اسپ زر پہ سوار

کہ ہمرکاب میں خلقِ خدا تمام چلے
پیادہ اس کے جلو میں شہِ انام چلے

ہوا وزیر ستمگر کا آہ جب کہ سوار — ہوئے جلو میں پیادہ امامِ عرش وقار
عرق جبیں سے ٹپکتا تھا آپ کے ہر بار — ورم تھا راہ کے صدمے سے پاؤں پر اظہار

پیادہ راہ کو طے جب کہ شاہ کرتے تھے
پیادہ چلنے پر عابدؑ کے آہ کرتے تھے

زبانِ وحی بیاں سے یہ کہتے تھے مولا
بربِّ کعبہ کہ ہوں میں امامِ ہر دو سرا
سریر ہے میرے جد کا عروجِ عرشِ خدا
براقِ خلد اسے کردگار نے بھیجا

غریب و بے سر و ساماں رسول زادہ ہوں
میں تاجِ عرشِ معظم ہوں اور پیادہ ہوں

کہاں تلک ہو بیانِ جفائے اہلِ جفا
دغا سے عافیتِ کار شہ کو زہر دیا
قریبِ شب کے نہ تھا کون عسکریؑ کے سوا
وصی امامِ دو عالم نے اپنا اس کو کیا

روا اند کو وہ خاصئہ کریم ہوا
اٹھا یہ غل حسنِ عسکری یتیم ہوا

میں کیا کہوں حسنِ عسکریؑ کو جو غم تھا
غمِ پدر میں گریباں اپنا چاک کیا
یہ دیکھ کر ہوئے ایک بار طعنہ زن اعدا
امام کے لیئے زیبا نہیں یہ رسمِ عزا

تمہیں تو دعوئ صبر و رضا ہے عالم میں
کیا ہے چاک گریبان باپ کے غم میں

کہا یہ تب حسنِ عسکری نے اے جہلا
نہ مجھ پہ طعن کرو تم میں ہوں امامِ ہدا
مواجب اپنی اجل سے برادِ موسیٰ
تو دستِ غم سے گریباں اُس نے چاک کیا

بہت بجا ہے گریباں جو میرا پارا ہے
میرے پدر کو تو زہرِ دغا سے مارا ہے

مرثیہ نمبر ۹

شہادت حضرت امام علی نقیؑ

کس عمر میں علی نقیؑ بے پدر ہوئے
بچپن میں دل پہ چوٹ لگی نوحہ گر ہوئے
یثرب میں جانشین شہ بحر و بر ہوئے
یہ وارث بضاعت خیر البشرؐ ہوئے
علم و عمل کو مان لیا شیخ و شاب نے
کیا کمسنی میں پائی بزرگی جناب نے

چرخ نہم امام دہم کا مقام ہے
پشت و پناہ عرش بریں انکا نام ہے
ہر چار سمت مداح و ثنائے امام ہے
تسبیح شش جہت کی درود و سلام ہے
ناری ہے جو کہے کہ یہ نور خدا نہیں
انوار خمسۂ نجبا سے جدا نہیں

اے دور چرخ واہ یہ کیسا ہے انتظام
خاموش کیوں رہوں کہ شکایت کا ہے مقام
رہنے نہ پائے چین سے اس طرح کا امام
وہ زور ظالموں کا وہ ایذائیں صبح و شام
فرزند پر رسولؐ کے امت جفا کرے
پرساں نہ جب کوئی ہو تو مظلوم کیا کرے

تیارِ قتل پر متوکل رہا مدام — مجبور رد گیا وہ عدوئے شہِ انام
پہنچا سقر میں چھوڑ کے یہ کارِ ناتمام — قائم مقام اُس کے ہوئے دشمنِ امام
فرصت ملی نہ دلبرِ شیرِ الٰہ کو
تدبیرِ معتمد سے ملا زہر شاہ کو

وہ خلق کا مسیح ہوا صاحبِ فراش — بیحس تھا جسم فرش پہ گویا پڑی تھی لاش
کنجِ لحد کی گوشہ نشیں کو ہوئی تلاش — سوراخ دل میں تھے تو کلیجہ تھا پاش پاش
آتے تھے حال دیکھنے باشندے شہر کے
پُرتو رضا کا مٹتا تھا صدمے سے زہر کے

راوی بہت سے ہاشمی اس کے ہیں لاکلام — جن میں ہے ایک کا حسن ابنِ حسین نام
آیا جو روزِ رحلتِ شاہِ فلک مقام — صحنِ مکاں میں فرش پہ تھے جلوہ گر امام
مجمع بہت تھا سیّدِ ذی جاہ کے قریب
مردم تھے جمع یک صد و پنجاہ کے قریب

ناگاہ عسکری نظر آئے ہمیں اداس — داخل ہوئے مکاں میں عیاں چہرے سے تھی یاس
پابندِ حزن چاک گریباں و بے حواس — داہنی طرف کھڑے ہوئے آ کر پدر کے پاس
کس حال میں ہیں کون یہ ہم جانتے نہ تھے
حضّارِ انجمن انہیں پہچانتے نہ تھے

ورِ نظر کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا — کر شکرِ کردگار کا اے میرے مہ لقا
دث اک امر تیرے لئے حق نے ہے کہا — رونے لگا یہ سنتے ہی وہ راضی و رضا

بولا کہ شکرِ رحمتِ ذوالجلال ہے
دے اپنی نعمتیں یہ خدا سے سوال ہے،

پوچھا کسی نے تب ہوا معلوم سب کو حال — یہ ہیں حسنؑ جناب علی نقیؑ کے لال
بر ہوا جو عمر کی جانب کیا خیال — ہوگا قریبِ بیس۲۰ برس کے یہ خوش جمال

سمجھے اشارہ ہم یہ کلام امام کا
ہے جانشیں یہی شہ عالی مقام کا

قتہا وصی شہنشاہ بحر و بر — ساعت وہ آئی سر سے اٹھا سایۂ پدر
اے سے جناں کی طرف ہوگیا سفر — ہے ہے چھٹا مسافرِ یثرب سے یہ بھی گھر

غل پڑ گیا وفاتِ غریب الوطن ہوئی
سامان غسل کا ہوا فکرِ کفن ہوئی

لتسرا میں جمع ہوئے ساکنانِ شہر — کوئی تو کہتا آہ کہ سید نے پایا زہر
ساعد کو کھول لے گئے بندگانِ دہر — ہو ظلم پھر چھپائیں اسے دیکھئے قہر

ظاہر نشان زہر تھا بیکس کی فوت سے
اس پہ یہ قول تھے کہ گئے اپنی فوت سے

مرثیہ نمبر ۹۸

شہادت حضرتِ امام علی نقیؑ

بیٹھا جو تختِ نحس پہ متوکل لعین
کرتا ہے اس طرح سے راقم رلوئے حزیں
ڈھایا امام پر وہ ستم جس کی حد نہیں
تھا دشمن علی نقیؑ وہ عدوئے دیں
آلِ نبیؐ کو مورد رنج و لقب کیا
لکھ لکھ کے خط مدینے سے شہ کو طلب کیا

پہلے پڑھی زیارتِ پیغمبرِ خدا
گھر سے نبیؐ کے روزے پہ آئے بصد بکا
جاتا ہوں میں بصورتِ مظلوم کربلا
تعویز قبر چوم کے رو رو کے پھر کہا
پیرو ہوں میں حسینؑ علیہ السلام کا
یہ آخری سلام ہے مولا غلام کا

گرمی کے دن تھے دھوپ میں جلتی تھی پنا
بغداد کو رواں ہوا یثرب کا بادشاہ
تھے ساتھ ساتھ آپ کے اہل و عیال آہ
زروں کو اضطراب تھا اور شعلہ زن تھی راہ
تھا دشمن خدا متوکل زمانے میں
پہونچے جو آپ بھیج دیا قید خانے میں

پہونچا جو قید خانے میں مشکل کشا کا لال
فرطِ الم سے رونے لگے شاہ کے عیال
تسکین دے کے بولے شہنشاہ خوش خصال
اس سے سوا تھا دخترِ شیرِ خدا کا حال

زندانِ شام زینبؑ ناشاد کے لئے
طوقِ گراں تھا سیدِ سجادؑ کے لئے

کب خیر ایسا شام کے زنداں سے ہے ہوا
زینبؑ کی طرح قید میں ہے کون بے ردا
سوچو دلوں میں کیسی سکینہؑ پہ تھی جفا
قیدی ہے کون صورتِ بیمارِ کربلا

بابا کو اپنے قید میں رونے نہ پاتے تھے
زنجیر کا وہ غل تھا کہ سونے نہ پاتے تھے

اے عاشقانِ شاہ کرو نالہ و بکا
کیا کم تھی بے گناہ پہ یہ قید کی جفا
ظالم نے آہ زہر بھی معصوم کو دیا
کھاتے ہی جس کے غیر ہوا حال شاہ کا

تلقین صبر کرتے ہی خاموش ہو گئے
اٹھا وہ درد دل میں کہ بیہوش ہو گئے

روتے ہوئے گئے حسن عسکریؑ قریں
رکھا جو ہاتھ نبض پہ دل ہو گیا حزیں
حلاتے ہلاتے اٹھ گئے دنیا سے شاہ دیں
غربت میں اب غریبوں کا حامی کوئی نہیں

کوئی نہیں کفیل ہے آہ کیا کروں
سامان دفن سیدِ ذیجاہ کیا کروں

مرثیہ نمبر ۹۹

شہادت حضرت امام حسن عسکریؑ

شہرہ جہاں میں حسنِ عسکریؑ کا ہے
نقشِ نگیں یہ عرش کی انگشتری کا ہے
کونین میں یہ گل چمنِ حیدریؑ کا ہے
دُرِ یتیم معدنِ پیغمبریؐ کا ہے

مظلومیت مثالِ جنابِ حسینؑ ہے
اور دبدبہ میں فاتحِ بدر و حنین ہے

ہمپایہ ہے علی کا یہ محبوب ایزدی
بابا علی نقیؑ ہے تو جد مرتضیٰ علیؑ
خود قبلۂ زمین و زماں عابد و سخی
سرتاجِ خلق زیب دہِ مسندِ نبیؐ

ہادی زکی لقب ہے شہ خاص و عام کا
اور صاحب الزماںؑ ہے پسر اس امام کا

عابد کی طرح ان پہ عبادت کا خاتمہ
مثل علی ہے ان پہ شجاعت کا خاتمہ
صادق کی طرح ان پہ صداقت کا خاتمہ
مثل حسن ہے خلق و مروت کا خاتمہ

شمع مزار اقدس شیر الٰہ ہیں
پشت و پناہ قبر رسالتؐ پناہ ہیں

پر معتمد نے قہر کیا وا مصیبتا ایسے ولی کو زہر دیا وا مصیبتا
ایماں کے گھر کو لوٹ لیا وا مصیبتا خونِ جگر جرم پیا وا مصیبتا

پھاڑا کفن نبیؐ نے علیؑ ننگے سر ہوئے
بچپن میں ہائے مہدیِؑ دیں بے پدر ہوئے

مولا کو ورثہ یہ حسنِؑ پاک کا ملا یعنی حسنؑ کی طرح سے زہر دغا ملا
ہر روز ایک روز سے صدمہ سوا ملا کیا خاک میں نشانِ رسولِ خدا ملا

زہرِ اجل سے سبز حسن کا بدن ہوا
سرسبز خوب شیرِ خدا کا چمن ہوا

ارواحِ پنجتنؑ کو ستایا ہزار حیف جنت میں مصطفےٰ کو رلایا ہزار حیف
تربت سے فاطمہؑ کو اٹھایا ہزار حیف قبرِ شہِ نجف کو ہلایا ہزار حیف

غل سامرے میں ہوتا تھا جس وقت بین کا
یاں کربلا میں ہلتا تھا مرقد حسینؑ کا

حیراں تھے زائرانِ حسینی کہ کیا ہے آج کیوں زلزلے میں قبرِ شہِ کربلا ہے آج
محشر میانِ گنجِ شہیداں بپا ہے آج آتی ہے یہ صدا ہمیں صدمہ بڑا ہے آج

زخمی بدن کو میرے عدو نے ہلا دیا
پوتے کو میرے زہرِ ہلاہل پلا دیا

حیرت ہے کیوں زمیں پہ نہ عرشِ علا گرا — اس ظلم سے عمامۂ مشکل کشا گرا
عباسیوں پہ کیوں نہ فلک جا بجا گرا — بالائے خاک تاجِ رسولِ خدا گرا

سر اپنے کھولے سوگ میں آلِ رسولؐ نے
جنت میں سر سے پھینک دی چادر بتول کی

لکھا ہے جب امام ہوئے عازمِ جناں — اک دفعہ سامرے میں قیامت ہوئی عیاں
دولت سرائے شاہ سے آنے لگی فغاں — لو مومنو یتیم ہوئے صاحب الزماںؑ

سرگرمِ ظلم چار طرف بدخصال ہیں
اور حیف ہے کہ مہدیٔ دیں خردسال ہیں

سایہ ہے باپ کا نہ کوئی بھائی ساتھ ہے — سر پر امامِ عصر کے بس حق کی ذات ہے
اس بے پدر کی سمت کسے التفات ہے — اب شرمِ اہلبیت کی زہراؑ کے ہات ہے

مرقد کے گرد شور جو نوحہ کا ہوتا ہے
معصوم پھوٹ پھوٹ کے بابا کو روتا ہے

امداد اس یتیم کی مشکل کشاؑ کرے — تائید اپنے پوتے کی خیر النساؑ کرے
اس سن میں بے پدر نہ کسی کو خدا کرے — سر پر نہیں ہے کوئی نہ روئے تو کیا کرے

ننھے سے پیرہن کا گریباں چاک ہے
سنبل سے گیسوؤں پہ یتیمی کی خاک ہے

عباسیوں کے قہر سے سب خون کھائینگے کاہیکو اس یتیم کے پرسے کو آئینگے
تابوت بھی نہ ابنِ نقیؑ کا اٹھائینگے بے وارثوں کو اور بھی ظالم ستائینگے

آگے بھی در بتولؑ کے اوپر گرایا ہے
زینبؑ کو شہر شہر کھلے سر پھرایا ہے

اب اس طرح سے اہلِ خبر کرتے ہیں بیاں ماتم سرا میں بیبیاں کرتی تھیں یہ فغاں
نہلا چکے جو لاشۂ مولائے دوجہاں کفنایا اس کو رختِ مطہر کے درمیاں

آواز آئی فاطمہؑ کے شور و شین کی
سب شیعہ روئے سکینہؑ پر حسینؑ کی

اس دم ہوا یہ معجزۂ شاہِ دوسرا تھی رونقِ جنازہ جو مطلوب کبریا
سب ساکنانِ سامرہ واں آئے برملا باطن میں انبیاءؑ و ملائک ہزار ہا

شورِ فغاں جنازے پہ اصحاب نے کیا
قصدِ نماز جعفرِ کذاب نے کیا

تکبیر ابھی نہ آئی تھی لب پر کہ ناگہاں پردے سے ایک طفل ہوا چاند سا عیاں
سر تا قدم تھا قدرتِ اللہ کا نشاں جلوے میں آفتاب بزرگی میں آسماں

آئی ندائے غیب امامِ زمن یہ ہے
وارثِ پنجتنؑ ہے شیعو یتیمِ حسنؑ یہ ہے

جعفرؑ کے پاس آیا وہ شیعوں کا پیشوا　　اور غصے سے ہٹایا اُسے کھینچ کر ردا
فرمایا ہم محقِ امامت ہیں اے چچا　　ہم وارثِ امام ہیں ہم حجتِ خدا
آئی ندائے غیب کہ صادق امام ہے
کذاب دور ہو کہ یہ اس کا مقام ہے

القصہ شاہزادے نے تکبیر کی شروع　　رخ سوئے قبلہ دل طرفِ کبریا رجوع
ہر فقرے میں خضوع تھا ہر لفظ میں خشوع　　مثلِ ستارہ اشک ہوئے آنکھوں سے طلوع
فرصت نماز سے جو ہوئی اس جناب کو
پنہاں بزیرِ خاک کیا آفتاب کو

آ کر مزار میں ہوئی زہرہؑ یہ نعرہ زن　　ہے ہے مرا غریب حسنؑ بے وطن حسنؑ
کس قہر کا یہ زہر تھا ہے سبز سب بدن　　ہے ہے زمردی ہے مرے لال کا کفن
یہ زہر میرے قلب پہ تاثیر کر گیا
کیا جانئے جگر پہ مرے کیا گذر گیا

اک میں کہاں کہاں صف ماتم بپا کروں　　ہے ہے بقیع میں میں حسنؑ کی عزا کروں
یا کربلا میں سوگ کی ہے ہے بنا کروں　　یا طوس میں رضاؑ کی لحد پہ بکا کروں
اب تک خزاں کی فصل ہے باغِ حسینؑ میں
سر پیٹوں سامرے میں یا کاظمین میں

مرثیہ نمبر ۱۰

شہادت حضرت امام حسن عسکریؑ

چھٹ کر پدر سے بیکس و تنہا تھے عسکریؑ پابند حکم خالقِ یکتا تھے عسکریؑ
حق کے ولی تھے خلق کے مولا تھے عسکریؑ احساں تھا جسکا جوش وہ دریا تھے عسکریؑ

ابرِ کرم تھے بحرِ سخا تھے زمانے میں
ویسے ہی جیسے ہوتے ہیں اس گھرانے میں

بیمثل تھا جو عالمِ دین حجتِ الہٰ کیا قدر جاہلوں میں ہو، اس کی آہ آہ
دم بھر نہ دستِ ظلم عدو سے ملی پناہ پردیس میں غریبِ مدینہ ہوا تباہ

صدمے طرح طرح کے ہیں ایک جان پہ
آیا کسی طرح کا نہ شکوہ زبان پر

صدہا مصیبتیں تھیں ہزاروں ملال تھے ضعفے میں جان قلب جگر پائمال تھے
پابندِ صبر و شکر تھے خوشحال تھے کیونکر نہ ہو حسینؑ سے صابر کے لال تھے

اس کے عزیز تھے جو عزیز دل سے چھٹ گیا
وارث تھے ایسے گھر کے جو صحرا میں لٹ گیا

عالم میں عسکریؑ تھے انہیں کے مہ منیر	سجادؑ کی طرح ہوئے زنداں میں بھی اسیر
ہاں اتنا فرق ہے کہ یہ تنہا تھے گوشہ گیر	عابدؑ کے ساتھ تھے حرم حضرت امیرؑ
زنداں میں دختران علیؑ بین کرتی تھیں
ان کی صدائیں قلب کو بے چین کرتی تھیں

تھا کون اس خرابے میں غمخوار اہلبیتؑ	کس گھر میں تھی لٹی ہوئی سرکار اہل بیت
دم توڑتا تھا قافلہ سالار اہلبیتؑ	مجبور تھا پڑا ہوا بیمار اہل بیت
بستر زمین سخت کا تکیہ تھا خشت کا
ویرانہ میں اسیر تھا مالک بہشت کا

سامرے میں جو قید ہوا گیارہواں امام	حضرت کو بھی رلاتا رہا ماجرائے شام
گویا نظر کے سامنے تھا واقعہ تمام	قیدی نہ تھے بہ صورت سجادؑ نیک نام
ملتے تھے دوستوں سے جدائی بھی ہوتی تھی
ہو جاتے تھے اسیر رہائی بھی ہوتی تھی

ظاہر میں کر رہے تھے ستمگر بہت وقار	باتیں مکر کی دل حاکم میں تھا غبار
محکوم اس کے اس سے زیادہ تھے نابکار	ظالم کے بعد جاہ و حشم کے امیدوار
کوشش تھی فرق آنہ سکے اپنی شان میں
ہو دھوم سلطنت کی اسی خاندان میں

ایماں میں رخنے ڈالتی ہے عادتِ حسد ‏ ‏ ‏ ‏ دنیا میں یہ بشر کے لئے ہے بلائے بد
کچھ سوچتا نہیں کہ یہ کیسی ہے جدوکد ‏ ‏ ‏ ‏ شیطاں بھی ایسے وقت میں کر دیتا ہے مدد

تھا پیچ و تاب آپ کے علم و کمال سے
جلتے تھے روسیاہ پیمبرؐ کے لال سے

موقع ملا تو زہر دیا شہ کو بے گناہ ‏ ‏ ‏ ‏ لختِ دلِ رسولؐ کی حالت ہوئی تباہ
بیمار ہو کے اٹھ نہ سکا حجتِ الٰہ ‏ ‏ ‏ ‏ مکّار معتمد سا نہ ہو گا خدا گواہ

بھیجے طبیب اس نے دوا کرنے کیلئے
پوشیدہ اپنا حال جفا کرنے کیلئے

خدمت کو آئے چند نفر خادمِ امیر ‏ ‏ ‏ ‏ فرمانروا کی سمت سے حاضر ہوا وزیر
کہنے لگا یہ قاضیٔ قضات سے شریر ‏ ‏ ‏ ‏ جا تو بھی انتظام کو خدمت یہ ہے اخیر

ساماں تھا یہاں شہ عالم کی فوت کا
وہ کروٹیں وہ کرب جوانی کی موت کا

شدت وہ تپ کی کا وہ صدمہ گراں! ‏ ‏ ‏ ‏ ایسا تھا ضعف کانپتا تھا جسم ناتواں
بچے ابھی تھے حجتِ حق صاحب الزماںؑ ‏ ‏ ‏ ‏ تھا دوسرا برس کوئی کہتا ہے پانچواں

جانِ نبیؐ نے بارِ امامت اٹھا لیا
اس کمسنی میں کوہِ مصیبت اٹھا لیا

مسموم ہو گیا تپِ مہلک سے جاں بلب — آئی شبِ وفات تو حالت ہوئی عجب
اس رات کو صبح تھے ایسے شہِ عرب — خط لکھے اپنے ہاتھ سے بہرِ رضائے رب
آگے جو کام آئیں وہ مضموں بہم کئے
اہلِ مدینہ کو کئی نامے رقم کئے

ہوتی تھی شمعِ عمرِ امامِ ہدیٰ خموش — وقتِ نمازِ صبح جو آیا بجا تھے ہوش
فرمایا شہ نے پانی میں دو مصطگی کو جوش — بھر کر پیالہ میں لاؤ کروں گا نوش
اس دم نہ کوئی اور معین و کفیل تھا
صیقل کنیز ایک تھی خادم عقیل تھا

تعمیل حکم جب ہوئی بولے شہِ ہدیٰ — پڑھ لوں نمازِ صبح توقف کرو ذرا
پانی منگا کے شاہِ امم نے وضو کیا — اٹھ کر فریضۂ سحری کر لیا ادا
ساغر دیا کنیز نے پینے کے واسطے
دم رک کے تیر بن گیا سینے کے واسطے

پینے کا قصد کرتے تھے سلطانِ خاص و عام — یہ ضعف تھا کہ دانتوں سے ٹکرا رہا تھا جام
صیقل نے روکا جام لبِ آپ تشنہ کام — دیکھا کہ ہو گئے شہِ دنیا و دیں تمام
وارث جو تھے حسنؑ علیہ السلام کے
پیاسے ہی پہنچے پاس رسولِ انامؐ کے

سلام

زباں پر مدح ہے باغِ علیؑ کے نونہالوں کی
گلستاں سے ہیں رنگیں مجلسیں نازک خیالوں کی

جوانانِ حسینیؑ صفیں توڑ پہنچے ہیں ایسے لڑتے
نہ بھولے گی قیامت تک لڑائی مرنے والوں کی

رفیقانِ حسینؑ ابنِ علیؑ کیا کیا بہادر تھے
سناں کھائی ہر ایک نے چاند سے سینوں پہ بھالوں کی

کمر کس لی علی اکبرؑ نے جب سر پر رکھا شملہ
بلائیں ماں نے لیں بڑھ کے گھونگھر والے بالوں کی

جب آتا ذکر بیٹوں کا تو سب سے کہتی تھیں زینبؑ
خدا بخشے ابھی کیا عمر تھی ان مرنے والوں کی

اٹھائے ہیں سکینہؑ نے جفائے شمرِ لعیں کے صدمے
کہ رنگت ہو گئی تھی سرخ تھپڑوں سے گالوں کی

جگر جب بول لیا شہؑ نے تو ہاتف نے کہا رو کر
یہیں بستی لٹے گی فاطمہؑ کے نونہالوں کی

پڑے تھے خاک پہ اہلِ حرمؑ تکیہ نہ بستر تھا
ہوئی تھی شکل زنداں میں ان یوسف جمالوں کی

جب آئی لوٹنے کو فوج خیمے میں ہوا محشر
صدا پہنچی فلک پر زینبؑ و سکینہؑ کے نالوں کی

گرے جب شاہؑ گھوڑے سے ندا ہاتف کی آئی
جگہ جھاڑو دی ہوئی ہے فاطمہؑ زہرا کے بالوں کی

انیسؔ اب تو ہلال و بدر کو یکساں سمجھتے ہیں
رہی ہے منصفوں میں قدر یہ صاحب کمالوں کی

سلام

علیؑ سا بھی نہ کوئی عادل زمانہ ہُوا
کہ ایک باز و کبوتر کا آشیانہ ہُوا

سیاہ دیدۂ شبیرؑ میں زمانہ ہُوا
ہوائے ظلم سے جب گل چراغ خانہ ہُوا

حسینؑ کہتے تھے شکوہ کیا نہ امت کا
گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہُوا

بچھا ہے قاف سے تا قاف جسکا خوانِ کرم
نصیب اُسے نہ کبھی روز آب و دانہ ہُوا

شباب تھا کہ دمِ واپسیں کی آمد و شد
یہ مضطرب اُدھر آیا اِدھر روانہ ہُوا

پلا نہ اصغرِ ناداں کو جام پانی کا
صراحی دار گلا تیر کا نشانہ ہُوا

لحد یہ کہتی ہے میت سے اب ہے تو اور میں
جو ساتھ آیا تھا قافلہ وہ روانہ ہُوا

کیا قبول قناعت سے بحرِ عالم میں
صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہُوا

سحاب سائے میں رکھتا تھا جس کے نانا کو
لحد کو اسکی میسر نہ شامیانہ ہُوا

کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر
جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہُوا

وہ زُلف چوٹیوں میں بندھی ہزار افسوس
نبیؐ کے پنجۂ مژگاں سے جس میں شانہ ہُوا

رہا نہ کوئی بہتّر میں ظہر تک باقی
حسینؑ رہ گئے سب قافلہ روانہ ہُوا

فراقِ شہؑ کا نہ صدمہ اٹھا سکینہؑ سے
قلق سے جان گئی موت کا بہانہ ہُوا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اٹھو انیسؔ کہ لو کارواں روانہ ہوا

سلام

مجرائی ہے ضرورِ دعا بھی دوا کے ساتھ
آبِ حیات چاہیئے خاکِ شفا کے ساتھ

یوں نورِ رسولؐ کا آدمؑ کے صلب میں
ہوتی ہے جس طرح سے خبر مبتدا کیساتھ

کیوں پیرِ چرخ پھر کہیں دیکھے ہیں آج تک
جیسے حسینؑ جواں تھے شہِ کربلا کے ساتھ

اللہ رے ناتوانیٔ سجادؑ راہ میں
اِک اِک قدم پہ بیٹھ گئے نقشِ پا کیساتھ

رانڈوں کے منہ چھپانے کو چھوڑیں نہ چادریں
کیا دشمنی تھی شمر لعیں کو آلِ عباؑ کے ساتھ

چادر چھنی تو بنتِ یداللہ نے کہا
اے جان تو بھی تن سے نکل جا ردا کے ساتھ

ہم مر گئے خلیق کے مرنے سے اے انیسؔ
جینے کا لطف اٹھ گیا اس باخدا کے ساتھ

خوشا زمینِ معلّیٰ زہے فضائے نجف / ریاضِ خُلد بھی ہے شائقِ ہوائے نجف

جسے خُدا سے محبت ہے اس کو کعبہ ہے / جسے ولائے علیؑ ہے اسے ولائے نجف

ملی انگوٹھی بھی ویسی ہی تھا نگیں جیسا / نجف برائے علیؑ تھا علیؑ برائے نجف

یہ شوق ہے کہ نہ بیدار ہوں قیامت تک / جو خواب میں کبھی نقشہ مجھے دکھائے نجف

وہاں قدم کا ہے کیا کام اے ادب توبہ / سروں سے چلنے کے قابل ہیں کوچہ ہائے نجف

شراب بنتی ہے سرکہ علیؑ کی دہشت سے / یہ انقلاب کہیں نہ دیکھا سوائے نجف

مریض کے لئے اکسیر ہیں یہ دو نسخے / غبارِ مرقدِ شبیرؑ اور ہوائے نجف

اِدھر سے کوشش کامل ہے اور اُدھر سے کشش

انیسؔ ہم نہ رہیں گے کہیں سوائے نجف

دعا برائے مومنین و مومنات

از بابا سید صدا حسین جلالی بخاری

اے ربِ جہاں پنجتنِ پاک کا صدقہ
اِس قوم کا دامن غمِ شبیرؑ سے بھر دے

بچوں کو عطا کر علیؑ اصغر کا تبسم
بوڑھوں کو حبیب ابنِ مظاہر کی نظر دے

کمسن کو ملے ولولۂ عونؑ و محمدؑ
ہر ایک جواں کو علیؑ اکبر کا جگر دے

ماؤں کو ملے ثانیِ زھراؑ کا سلیقہ
بہنوں کو سکینہؑ کی دعاؤں کا اثر دے

جو پردۂ زینبؑ کی عزادار ہیں مولاؑ
محفوظ رہیں ایسی خواتین کے پردے

مولا تجھے زینبؑ کی اسیری کی قسم ہے
بے جرم اسیروں کو رہائی کی خبر دے

جو دین کے کام آئے وہ اولاد عطا کر
جو مجلس شبیرؑ کی خاطر ہو وہ گھر دے

مفلس پہ زر و لعل و جواہر کی ہو بارش
مقروض کا ہر قرض ادا غیب سے کر دے

غم کوئی نہ دے ہم کو سوائے غمِ شبیرؑ
شبیرؑ کا غم بانٹ رہا ہے تو ادھر دے

کتابت ــــ عامر رضا نقوی